

हिन्दुस्तानी एकेडेमी, पुस्तकालय
इलाहाबाद

बर्ग संख्या.....

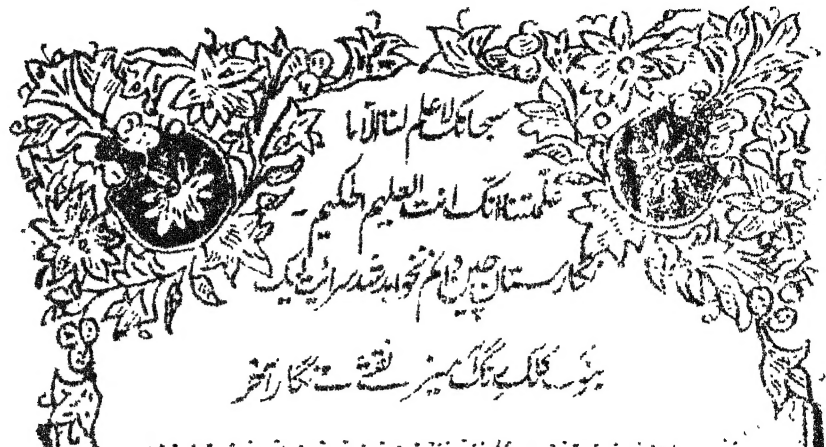
पुस्तक संख्या.....

क्रम संख्या.....

V.R.

Date of receipt

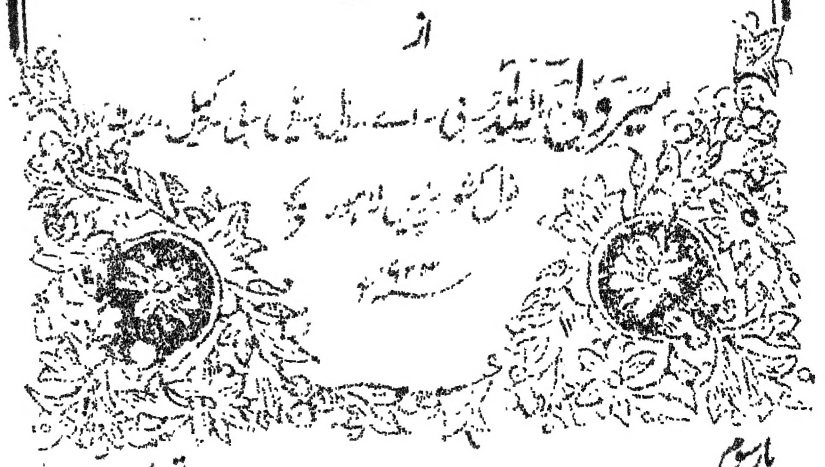
مبدع و مخترع



بنو کمال و کمال بنو کمال

لسان الغریب

اردو شری دیوان جافظ مع مفصل شرح و تفسیر
جلد اول



تعداد ۱۰۰۰

باروم



خلاصہ ویساچہ طبع اول

خواجہ حافظ کے کلام کو ہندوستان میں جو مقبولیت حاصل ہوئی ہے۔ اس سے ناظرین نا آشنا نہیں۔ دیوان حافظ کے ترجمے اردو۔ فارسی۔ ترکی۔ بنگالی۔ پنجابی۔ انگریزی۔ فرانسیسی۔ جرمن۔ باغیچہ میں موجود ہیں۔ کئی شرحیں بھی ہیں بعض مطبوعہ یوانوں پر حاشیہ بھی ہے۔ مگر دیکھا جاتا ہے۔ کہ بعض غیر مکمل ہیں۔ بعض فارسی ہیں۔ جن سے اردو خواں سبک فائدہ نہیں اٹھا سکتی۔ اور بعض شارحین نے شرح تو دیر کفار ترجمہ بھی شعریں کا درست نہیں کیا۔ اگر کاتب کی غلطی کو کوئی شعر غلط لکھا ہو تو کیا ہو۔ تو اسی کے مطابق ترجمہ کر دیا۔

اس کتاب کا مولوی حافظ محمد اسماعیل صاحب نے راجپوری لکھتے ہیں۔ ان شارحین سے ہم کو عام شکایت یہ ہے کہ انہوں نے بالکل سو فیصد مذاق کی شرحیں لکھی ہیں۔ ادبی

خوبیاں جو خواجہ کے کلام میں ہیں۔ انکو ظاہر نہیں کیا۔ یہ صرف خاتقا ہوئی ہی جانیے قابل ہیں دوسری شکایت یہ ہے۔ کہ آسان اور غیر ضروری باتوں کی تفصیل میں تو صفحے کے صفحے سیاہ کر دیے ہیں۔ لیکن تاریخی اور ادبی معلومات کا مطلق بیچہ نہیں ہے۔ جسکے بغیر پڑھنے والے کو کوئی فہمی نہیں ہوتی۔ (حیات حافظ) اور اکثر مشکل اشعار کو بالکل نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔

مروجہ شروحوں میں شارحین نے یہ کوشش کی ہے۔ کہ ہر ایک شعر کے حقیقی معنی ہی بیان کئے جائیں۔ چنانچہ جہاں خواجہ صاحب نے کسی موضوع کا کام لیا ہے۔ اس نام کی تعبیر بھی ان بزرگوں نے حقیقی رنگ میں کی ہے۔ اگرچہ بادشاہ سلیمان کی تو بچلے کے کہ اس شعر کی تشریح تاریخی پہلو اختیار کیا جائے۔ لکھتے ہیں۔ کہ مراد حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی ہیں سلطان اولیں ہوا اسی قرنی مراد لیتے ہیں۔ حتیٰ کہ تاریخی واقعات کی ایسی صورت بگڑی جاتی ہے۔ کہ عربیہ مزہ اور سہل لطیف معلوم ہونے لگتا ہے۔

لسان الغیب میں جہاں تک ممکن ہو سکا ہے۔ تمام تاریخی واقعات کو تاریخی پہلو سے وضع کیا گیا ہے۔ تاریخی ناموں پر تاریخی نوٹ لکھ کر دیے ہیں۔ شعر کی تمام ادبی خوبیاں بیان کر دی گئی ہیں۔ رنگ۔ تفسیر۔ پہلی موجود ہے۔ اور ادبی پہلو ہی ملحوظ۔ دوسرے شاعروں کی مختلف اور کثیر ترادد اشعار کا بجا درج ہیں۔ جو خواجہ صاحب کے اشعار کے معانی کو مزید کثرت بہت مدد دیتے ہیں۔ خواجہ صاحب نے اگر کوئی خیال دوسرے شاعر کے کسی شعر سے لیا ہے۔ تو وہ شعر ہی لکھ دیا گیا ہے۔ چونکہ خواجہ صاحب کا کلام میں قرآنی الفاظ اکثر استعمال ہوتے ہیں۔ اور آیات قرآنی کے مضامین پر اکثر شعر دیوان میں موجود ہیں۔ اسلئے ہر مناسب موقع پر آیات لکھ دی گئی ہیں۔ چنانچہ ناظرین کو کہیں گے۔ کہ لسان الغیب میں جا بجا آیات اور حدیثیں موجود ہیں۔

اگر ایک مضمون خواجہ صاحب کے کلام میں کوئی مختلف شعر درج ہے۔ اور ہوا ہے۔ تو ہر وقت پر دوسرے شعر کا حوالہ دیا گیا ہے۔ چنانچہ بعض مقامات پر آٹھ آٹھ دس دس اشعار کا حوالہ ہو گا۔ شعروں کا حوالہ ردیف۔ غزل اور شعر کے قمر کے ذریعے اس طرح دیا گیا ہے۔ کہ دیکھ کر مراد ردیف دغزل (۱) شعر (۲) ہے۔ تیسری مراد ردیف غزل (۳) شعر (۴) ہے۔

وعلى هذا القياس -

نغزلوں اور شعروں کو کتاب میں نمبر دیئے گئے ہیں تاکہ شغرا کی تلاش میں سہولت ہو۔
خواجہ جافظ کا مفصل سوانح عمری ہی کتاب کے شروع میں لکھی ہے جس میں خواجہ
کے کلام پر مختلف پہلوؤں سے تفصیلاً بحث ہے کی گئی ہے۔ چونکہ دیوان کے بعض شعروں میں شاہان
وقت اور امرائے عہد کے نام بھی موجود ہیں۔ اس لئے ان لوگوں کے حالات ہی بطریق اجمال
سوانح عمری خواجہ جافظ میں درج کئے گئے ہیں۔ اور جہاں تک ممکن ہو سکا ہے۔ شغرا کے
معانی و مطالب کو واضح کرتے اور کتاب کو دلچسپ بنانے کی کوشش لکھی ہے۔ دعا ہے
کہ خدا اسے قبول فرمادے عطا فرمائے۔

کتاب کی تیاری میں محمد قلیہ صاحب والد بزرگوار مولوی محمد سلطان صاحب
مظلہ۔ مفتی محمد رفیع الدین فرمائی تمام کتاب پڑھیں جسے سہ پہلے ان کی نظر و گزری
جایا قرآن کریم سے متعلق آیات کے حوالے اور احادیث نبوی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)
کے مضامین کی طرف اشارے اکثر انہی کی عنایت کا نتیجہ ہیں۔ اس کے علاوہ اردو
فارسی شعرا کے شعروں لسان الغیب میں بکثرت موجود ہیں۔ ان کا محقول حصہ ہی
آپ ہی کی کرم فرمائی کا ثمرہ ہے۔ اور تحقیق تو یہ ہے کہ مولف کو یہ جو کم و بیش سترس اردو
فارسی نظم و نثر خصوصاً نکات تصوف میں حاصل ہو وہ انہی کی صحبت و کتب و برکت سے ہے۔

ع
وگر نہ من ہاں خاکم کہ ہستم
حق بقدر کتابت کی صحت کا بہت خیال کیا گیا۔ لیکن ایسے کاتب کا ملنا تو
ناممکنات سے ہے۔ جسکی تعریف میں مولانا جانی فرماتے ہیں۔

غلام خاں آں کاظم کہ شعر مرا	چنانچہ پور قلم زو قلم چھو بہت نوشت
اگرچہ شعروں سے از جہوں نے میگردد	در رخ و دست در وہ چو دست نوشت

سیر علی اللہ کوئل بی بیلا آباد
یکم فروری ۱۹۱۶ء

خوبیاں جو خواجہ کے کلام میں ہیں۔ انکو ظاہر نہیں کیا۔ یہ صرف خاتقا ہوئی ہیں جیسا کہ قبائل میں دوسری شکایت یہ ہے کہ لسان اور غیر ضروری باتوں کی تفصیل میں تو صفحے کے صفحے سیاہ کر دیے ہیں۔ لیکن تاریخی اور ادبی معلومات کا مطلق پتہ نہیں ہے۔ جسکے بغیر پڑھنے والے کو کوئی فہمی نہیں ہوتی۔ (حیات حافظ) اور اکثر مشکل شعرا کو بالکل نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔

مروجہ شعروں میں شارحین نے یہ کوشش کی ہے کہ ہر ایک شعر کے حقیقی معنی ہی بیان کئے جائیں۔ چنانچہ جہاں خواجہ صاحب نے کسی مروجہ کلام لیا ہے۔ اس نام کی تعبیر بھی ان بزرگوں نے حقیقی رنگ میں کی ہے۔ اگر کوئی بادشاہ کو ہم گیا۔ تو بجائے اس کے کہ اس شعر کی تشریح میں تاریخی پہلو اختیار کیا جائے۔ لکھ دیتے ہیں کہ میراج حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ سلطان اویس کو اویس قرنی مراد لیتے ہیں حتیٰ کہ تواریخی واقعات کی ایسی صورت بگاڑی جاتی ہے کہ شاعر بے مزہ اور بے لطف معلوم ہونے لگتا ہے۔

لسان الغیب میں جہاں تک ممکن ہو سکا ہے۔ تمام تاریخی واقعات کو تاریخی پہلو سے وضع کیا گیا ہے۔ تاریخی ناموں پر تاریخی نوٹ لکھ گئے ہیں۔ شعری کلام ادبی خوبیاں بیان کر دیتی ہیں۔ رنگ تصوف ہی موجود ہے۔ اور ادبی پہلو ہی ملحوظ۔ دوسرے شاعروں کو مختصر اشارہ کر کے بزرگ اشعار جابجا درج ہیں۔ جو خواجہ صاحب کے شعرا کے معانی کو نہیں بہت مدد دیتے ہیں۔ خواجہ صاحب نے اگر کوئی خیال دوسرے شاعر کے کسی شعر سے لیا ہے۔ تو وہ شعر ہی لکھ دیا گیا ہے۔ چونکہ خواجہ صاحب کا کلام میں قرآنی الفاظ کا استعمال ہوتا ہے۔ اور آیات قرآنی کے مضامین پر اکثر شعروں میں موجود ہیں۔ اسلئے ہر مناسب موقع پر آیات لکھ دی گئی ہیں۔ چنانچہ ناظرین کو کہیں گے کہ لسان الغیب میں جابجا آیات لکھی ہیں۔

اگر ایک مضمون خواجہ صاحب کے کلام میں کسی مختلف شعروں میں ادا ہوا ہے۔ تو ہر موقع پر دوسرے شعر کا حوالہ دیا گیا ہے۔ چنانچہ بعض مقامات پر آٹھ آٹھ دس دس اشعار کا حوالہ ہوگا۔ شعروں کا حوالہ ردیف۔ غزل اور شعر کے نمبر کے ذریعے اس طرح دیا گیا ہے کہ یہ سب مراد ردیف دغزل (۱) شعر (۲) ہے۔ ت (۳) مراد ردیف غزل (۴) شعر (۵) ہے۔

و علیٰ ہذا القیاس۔

نغزلوں اور شعروں کو کتاب میں نمبر دیئے گئے ہیں تاکہ اشعار کی تلاش میں سہولت ملے۔
خواجہ حافظ کی مفصل سوانح عمری ہی کتاب کے شروع میں لکھی ہے۔ جس میں خواجہ
کے کلام پر مختلف پہلوؤں سے تفصیلاً بحث بھی کی گئی ہے۔ چونکہ دیوان کے بعض شعروں میں شاہان
وقت اور امرائے عہد کے نام بھی موجود ہیں۔ اس لیے ان لوگوں کے حالات ہی بطریق جمال
سوانح عمری خواجہ حافظ میں درج کیئے گئے ہیں۔ اور یہاں تک ممکن ہو سکا ہے۔ اشعار کے
معانی و مطالب کو واضح کرتے اور کتاب کو دلچسپ بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ دعا ہے
کہ خدا اسے قبولیت عطا فرمائے۔

کتاب کی تیاری میں چچو قبلہ ام جناب والد بزرگوار مولوی محمد سلطان صاحب
مظلّم نے بہت سی فراموشی تمام کتاب پر میں جاسے سے پہلے ان کی نظر کی گزری
جیسا بجا قرآن کریم سے متعلق آیات کے حوالے اور احادیث نبوی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)
کے مضامین کی طرف اشارے اشرافی کی عنایت کا نتیجہ ہیں۔ اس کے علاوہ اردو
فارسی شعرا کے شعروں لسان الغیب میں بکثرت موجود ہیں۔ ان کا معقول حصہ ہی
آپ ہی کی کرم فرمائی کا ثمر ہے۔ اور تحقیق تو یہ ہے کہ مولف کو ہی جو کم و بیش سترس اردو
فارسی نظم و نثر خصوصاً نکات تصوف میں حاصل ہو وہ انہی کی صحبت و کائن و برکت سے ہے۔
وگر نہ من ہاں خاکم کہ ہستم
حق اقدس و کتابت کی صحت کا بہت خیال رکھا گیا۔ لیکن ایسے کاتب کی ناکامی
ناممکنات سے ہے۔ جسکی تعریف میں مولانا جامی فرماتے ہیں۔

چنانچہ اپنے ہمت و ہمت جو دست نوشت

در رخ و دست دروہم جو دست نوشت

غلام خاتمہ آں کاظم کہ شعر سرا

اگر خیر عرف و عازدوں سے میگردد

سیر علی اللہ کو بی بی بٹ آباد
یکم فروری ۱۹۱۷ء

دیباچہ طبع ثانی

خدا کے فضائل کا یہ کتاب کو امید سیڑھ کھنکھول خاطر نصیب ہوا۔ اور سی ایڈیشن
تھوڑے عرصہ میں ہی ختم ہو گئی۔ اس کو دوسری ایڈیشن بعد نظر ثانی شائع کر کے پبلک کی
خدمت میں پیش کی جاتی ہے۔

اگر ہستی را نئے بنیم بقائے
کنند در کار میں سکین دعائے

غرض نقشے ست کز پایا و ماند
مگر صاحب دے روزے بر جہمت

نیارست
میر ولی اللہ وکیل ایبٹ آباد
یوم فروری ۱۹۱۹ء

دیباچہ طبع ثالث

مدت دوسری ایڈیشن ختم ہو چکی تھی کہ کتابت اور طباعت کی مشکلات نے طبع ثالث
کو معرض تعویق میں کہا پبلک کی قدر افزائی کیلئے شکریہ گزار ہوں کہ میری اس ناچیز تصنیف کی
داد دی۔

میر ولی اللہ وکیل ایبٹ آباد
۵ ستمبر ۱۹۲۳ء

فَسَا حَرِيصًا قَلِيلًا

لَيْسَ لَكَ فِي الدُّنْيَا شَيْءٌ إِلَّا مَا فِي يَدِي

رویف الف

نخل (۱)

۱	الایا ایسا ساقی اور کساؤ ناو لہا	۱	کہ عشق آساں نمود اول ولی افتاد و شکلا
۲	جو سے تافہ کا غر صاڑاں طرہ بکشاں	۲	ز تباہ جو شکستہ چرخوں افتاد و لہا
۳	بے سجادہ رنگین کن گرت میرغاں گوئید	۳	کہ ساکنا نیچہ زوید زراہ و در ہم ستر لہا
۴	مراد ز منزل جانان صبر و عیش و خون ہر دم	۴	جرس فریاد میداد کہ بر بندید میل لہا
۵	شستابہ یکم نیم موج و گرد آتش حاصل	۵	کجا دانستہ حال ان سبکساران سا خل لہا
۶	نہمہ کام ز قود کامی بید نام و کفایت اخلاص	۶	نہان کی اند آں ازی کز و ساد و خفا

(۱) مثنوی مولانا رومی نے فرمایا ہے کہ دنیا میں جو بھی ہو اس کی دنیا میں ہے۔

(۲) مثنوی مولانا رومی نے فرمایا ہے کہ دنیا میں جو بھی ہو اس کی دنیا میں ہے۔

الایا - یعنی جان - گام ہو - پوشیز ہو - حرفت نیمہ ہے - اور ایک فرنگی ہے - کہ کبھی عرض بطریق الحار حسہ - (الحاقت اللغات) یہاں مراد الحار ہے -

ساقی۔ شرب ہونے والا۔ رسول کریم کو ساقی کوتر کہتے ہیں۔

عشق

نوعی نوعی [الکسر۔ کسی آدمی یا کسی چیز کے ساتھ بلا وجہ کمال محبت کرنا۔ اور بعض طبیعیتوں کے ساتھ
کرم عشق بیک میا۔ ی ہے جو خود بصورت چیز کو دیکھنے و لاحق ہوتی ہے بعض کہتے ہیں کہ
عشق لفظ عشق سے لیا گیا ہے۔ اور عشقہ ایک سیل ہے۔ جسے لہلاب بھی کہتے ہیں۔ وہ جب
میں ہفت پر چڑھتی ہے۔ تو اسکو خشک کر دیتی ہے۔ عشق کی یہی صورت ہے۔
ع جس گھر سے سر اٹھایا۔ اسکو بٹھاسکے چھوڑا۔ (غیاث اللغاتین)
عشق عجایب۔ اسکو عربی میں لہلاب کہتے ہیں۔ عشقہ عجب و عسب ہی کہتے ہیں۔
اور اسی میں کا نام فارسی پر پوچھ ہے۔ میر تقی میر کا یہ شعر ہے۔

تو نے کہ انہی کی دراز چھتا ہے خاطر م [بجیرین در عشق کے چوں عشق ہی انش کمر

اصطلاح جنی اور لفظ [چونکہ فارسی شاعروں میں جن و عشق کا بہت سا حصہ ہے۔ پہلی فردری ہے۔ کہ لفظ
عشق کا بچا استعمال [عشق کے نوعی معنوں کے علاوہ ہی اسکے متعلق کچھ بیان کیا جاوے۔
عموماً عشق کو روت حسن صورت و متعلق کیا جاتا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ عشق صرف حسن صورت
یا حسن ہی پر متعلق نہیں۔ بلکہ کسی فنِ زیب اور روحِ انفرانیہ سے پیدا ہو سکتا ہے۔ اور کسی چیز
کے ساتھ کسی سبب سے جو محبت برصہ غایت پیچیدہ ہے۔ وہ عشق کہلاتی ہے۔ ذی روح اور غیر ذی روح
ہر دو میں عشق پیدا ہو سکتا ہے۔ لفظ عشق کو عوام الناس میں جو ایک محدود و مخصوص معنی ہے۔
جسے وہ اپنے اصلی یا پیرگرا دیا گیا ہے۔ محض قومی منزل کی وجہ سے ہے۔

قومی منزل کا لفظ پر اثر [قوموں کی تواریخ میں نظر غور کیجئے معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ انہوں
جوں ایک قسم میں اقبال و غور وال میں کمی ہوتی ہے۔ اسکی زبان اور اس کے الفاظ اپنی اپنی حالت کے
میں معنی اختیار کرتے جاسے زمین مثال کے طور پر لفظ مولوی اور ملا کو لے لے لفظ مولوی گریزی کو
مائی لارڈ کا ہم معنی ہے۔ اب مائی لارڈ ہانیکورٹ کے عجوں۔ ہاؤس کے لارڈز کے ممبروں اور جنرل
ترین ہر داران سلطنت کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ اور لفظ مولوی جو کسی مائے میں ایک خاص عظمت رکھتا
تھا۔ اسکے موجودہ استعمال کو اپنا نشان نہیں۔ اس سے بڑھ کر لفظ ملا ہے جو مولوی کو ہی اپنی نشان

حکیم علیہ السلام کو کہتا ہے کہ
 جو شخص غیبی امور کو جاننا چاہے اس کو سادہ لوح بننا چاہیے کی طرح جو ہے۔ جو اپنے معبود

تو کجائی تا شوم من چاکرت جامہ ات دوزم سپہایت کشم دستک بوسم باطمینانیکت تو کجائی تاکہ خدمت باکنسم نے خدائے من فدائیک جان من گردانم خسانہ تو من مدام لے قدرے تو مجھ بہتر ہائے من	چار قوتہ دوزم کہم شانہ سرت شہ پشیت اورم لے تحت شم وقت خواب آید بروم جانیکت جامہ ات را دوزم و نجیہ زخم عابد فرزندان و خان مان من شیر و روغن آئست ہر صبح شام بیاد تو ہی ہی وہمائی من
--	--

تقریر موصی علیہ السلام اس کی یہ کہ جس کو خط انبیا کرہ ہے۔ وہ جواب دینا ہو کہ اس کو جس نے پیدا کیا ہے۔ اور جس نے تمام زمین و آسمان کو پیدا کیا۔ وہ شبان کی یہ ہودہ کو کھینک کر نارضانی میں اور بطریق تخریبیہ

اگر کسی کو شہادت ہو تو اسے شہادت دینی اس چہ تراز است و چہ نواز است فشار	نور سبیلان ناشدنی کاغذ شہادت پندرہ اندر دہان خود فشار
--	--

یہ سن کر کہیں نہ کہیں پہچان نہ آئے۔ اور چاہے کیا ہی پریشان چہانی چوٹ میں آئی۔ اور

وہی آمد سوئے موئے از خدا تو برائے وصل کردن آمدی؟ موسیٰ آداب و انان دیگر اند	بندہ ملازما کروں حصد یا برائے فصل کردن آمدی؟ سوختہ جان دروانان دیگر اند
---	---

انسان جو کہ ضعیف الخلق و ضعیف العقل ہے اس کو وہ اپنی نارسائی کی وجہ سے اگر حقیقت کاملہ کو محاذ میں تبدیل کرے۔ تو وہ معذور ہے۔

یہ بتایا یا بلند اور نارسائی بخشی گئے۔

میں نے یہ کہتے ہیں ہم اپنی معذوری پر پرمان پائی یا اس بطور ازو پشانہ زلف یا ز	میں نے یہ کہتے ہیں ہم اپنی معذوری پر پرمان پائی یا اس بطور ازو پشانہ زلف یا ز
--	--

تسلیم اسی بحث میں یہ امر بھی قابل بیان ہے کہ مذہب عیسوی میں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو معذور یا بلند

خدا کا نام ہے۔ اس کا نام ہی ہے جس نے اس انسان کو تخلیق کیا ہے۔ اس کا نام ہی ہے جس نے اس کو
 کے متعلق یہ کہنا چاہیے۔ کہ ع۔ صاف چھپتے ہی نہیں سامنے آتے ہی نہیں۔ ناقص العقل انسان
 کو اشارہ کر دیا ہے۔ جسکی توضیح و تشریح میں وہ سرگرداں رہتا ہے۔ انسان کا دل مانتا ہے۔ کہ خدا ہی
 مگر اسکی ذات کا بہت تہوڑا علم ہے۔ آدمی ایک ایسی کیفیت کو جو جسمانی۔ زمانی۔ مکانی قیود و بالکل
 پاک ہو۔ اور غیر محدود ہو۔ کما حقہ پہچانتے ہیں قاصر ہے۔ اور ظاہر ہے۔ کہ جس شوکی آدمی کی طرح سو بہارت
 نہ رکھتا ہو۔ اسکے ساتھ محبت۔ عشق اور پرورش ہی چنداں مزا نہیں دیتی۔ عیسائی قوم نے جو تعلیم و تہذیب
 سے اسوقت اتنی بہرہ مند و نفع مند ہوئی تھی۔ قدیم الایام کے سادہ لوح مسیحیوں کی طرح اپنی محبت و پرورش کے لئے
 اپنے سامنے ایک آدمی رکھ لیا۔ ظاہر ہے کہ جہد محبت ایک ہم جنس شوکی ہو سکتی ہے۔ اتنی محبت ہی جس کی خوبصورت غیر
 جنس شوکی نہیں ہو سکتی۔ مثلاً تمام دنیا میں سے بہتر دنیا جو بہت گھوڑا انتخاب کر لو۔ اور تمام دنیا سے ہی کسی خاص
 مقام کے سب سے زیادہ خوبصورت آدمی کو ہی سامنے لے آؤ۔ یقینی امر۔ کہ آپ کے دل میں انسانی خوبصورتی کا
 زیادہ اثر ہو گا۔ اسی اصول کے واضح کرنے کیلئے فلسفی ایک اور مثال پیش کیا کرتے ہیں یہ ہے۔ کہ اپنے
 سامنے ایک چھپا ہوا نہایت خوبصورت اور نہایت خوشگذا کاغذ رکھیں۔ اس کے مقابلہ میں اسی کا تکیا کیا ہو
 قلمی اور معمولی سیاہی و لکھا ہوا کاغذ جو تھوڑے سے چڑھا ہو سامنے لائیں۔ تو یہ ضروری ہے کہ آپ کی نگاہوں
 قلمی کتب جو اثر کریگی۔ وہ دوسری مبلوطہ کتب نہیں کر سکتی۔ آپ قلمی کاغذ کو زیادہ پسند کریں گے۔
 وہ آپ کی زیادہ دل کش اور نظر فریب معلوم ہو گا۔ وجہ یہ صرف اتنی ہے۔ کہ آپ کی نگاہیں۔ آپ کے
 ہاتھ قلمی کتب سے زیادہ اشتہا میں۔ اسکی قدر کرتے ہیں۔ کیونکہ آپ ہی اسکے مقابلہ میں لکھ
 سکتے ہیں۔ اور دونوں کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ مگر جیسے ہوئے کاغذ کی کتابت کی طرز کے آپنا اثر نہیں۔
 اُسے آپ کی نگاہیں ہی سمجھتی ہیں۔ اس کے مقابلہ میں آپ ایک چیز بنا نہیں کر سکتے۔ جس سے اس کا مقابلہ کریں
 جتنے فرنگ۔ بعض حکماء فرنگ نے جو بذات العالی کی ماہیت سمجھنے سے قاصر ہے۔ اور صرف اسکی
 چند صفات کو ہی معلوم کر سکے۔ تو انہوں نے تصور کیا کہ خدا کی جگہ ذات باری کا کیا اور خود بابت مفسحہ خیر نام
 رکھا یعنی انہوں نے خدا کا نام (x) رکھا۔ جس طرح علم الجبر میں ایک غیر محدود اور نامعلوم مقدار کا نام
 (x) ہے۔ اسی طرح خداوند کریم کو ہی جو کہ وہ اتنا ہی سمجھتے۔ تھوڑا سا علم غیر محدود و طاقت ہے۔ اسی
 حسابی نام سے پکارنا شروع کیا۔ یہ تو حکماء کی حالت ہے۔ عوام کا کیا ذکر ہے۔ انہوں نے اسی سب سے بڑے

پیش شروع کر دی۔ پیچیدہوں کو خدا بنا کر شروع کر دیا۔ آگ کو سجدہ کرنے لگو۔ آفتاب کی عبادت میں مشغول ہوئے۔

اسلام اسلام نے تمام دنیا کو جو حقیقت کو رفتہ رفتہ پرست دور جاری تھی اور کفر و شرک کے گروہوں میں بچاؤ اور بچے گروہی تھی۔ از سر نو پھر حقیقت ہی آشنا اور آگاہ کرنا شروع کر دیا۔ انسان کی فطرتی کمزوریوں اور سبب جہالت اور بے راہ رویوں نے اس کو حقیقت سے بالکل دور پھینک دیا۔ اور مذکورہ بالا اہل فطرت سے واسطہ مل کر جو کفر مجاز میں لپیٹھنے۔ کہ انہوں نے اصل کو تو بالکل فراموش کر دیا۔ اور یہ نوبت پہنچی۔ کہ مجاز کو ہی حقیقت سمجھنے لگے۔ اس تاریکی کو دور کرنے کیلئے چراغ احمد روشن ہوا۔ اور اس نے دنیا کو پھر حقیقت کی طرف توجہ دلائی۔

پس جب تک آدمی حقیقت کو نظروں سے دور نہ ہونے دے۔ اسے بالکل فراموش نہ کر دے۔ اس ہستی سے بالکل بیگانہ نہ ہو جائے۔ مجاز میں حروف ہونچہ و حق بجانب ہی۔ اہل حقیقت ہی ہوا اور اہل مجاز ہی ہو۔ تو کچھ نقصان نہیں۔ مگر ضروری ہو۔ کہ حقیقت کو صرف لہجہ مجازی ہی سمجھائے۔ یہ نہ کرے کہ اس لباس مجاز کو ہی حقیقت سمجھ لے۔

کو الف بہشت و دوزخ قرآن کریم میں وعدہ و وعید بہشت و دوزخ کی جو کیفیتیں ہیں۔ اہل تقویٰ نے کہا ہے کہ یہ صرف حقیقت کو لباس مجاز میں ادا کیا گیا ہے۔ کیونکہ انسان کو سمجھانے کیلئے اور اس کو نیکی کی طرف ترغیب دینے اور برائی سے ڈرانے کیلئے یہ ضروری تھا۔ کہ اسی قسم کی مزاحزرا کا ذکر ہوتا۔ ضعیف العقل انسان کو اگر صرف مدح و صلاحی جزا و سزا بتائے جاتے۔ تو وہ استدلال و مشورہ نہ کرنا مرزا غلبہ فرماتے ہیں۔

ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن	دل کے پہلے کو غلامیہ خیال اچھایا
عنی ایک نعمتہ قصیدہ میں کہتا ہے۔	
شاہ باعطایت کہ از اس کام کہ دانی	نومید ہل عنی محروم و دترم را
از باغ غنیمت مدہ انعام و میا میز	با مطلب او مطلب اصحاب حکم را
اسائش عسائی حق ز تو خواہد	او ہمہ دوزخ نہ کند بلغ ارم را
دانم نرسد ذرہ بخور شید و لیکن	شوق طیران میکشد ارباب ہم را

مگر ظاہر ہے کہ آسائش عساکری حق کا وعدہ معمولی انسان کیلئے کافی نہیں
اسی مضمون پر شیخ آذری نے اپنے ایک قصیدہ میں لکھا ہے -

گر تقدیر ہم عشاق خود ساز می خام ما بینا جنت الفردوس و ناریم سر ہر کسی از خود جنت تماشائی بود با خریداران بیکان بنجرت اکہ ہست	ہر ترازو جنت بیابا ساخت ادا می دگر ہست ازین نصرت گدیان تنہا می دگر بے نفع تو ہم جزیرت مس شامی دگر خلعت اورین بازار سودا می دگر
نہ جنت جویم دے عورتہ انہار سیخو اہم شہان مملکت فردوس را بارے برت آرنہ	بتوار زانی لے زاہد ہمن یا میجو ہم کہ من درویش عالی ہستم دیدار میجو ہم
گردیدن ابدان جنت گشتن چون نیک نظر کنی ز روی تشبیہ	وہ دست درازی بہ تر شاخ شہان ماند بہ بیایم و علف زار فرخ غالب

ایشیائی شاعری جیسا بیان کیا گیا ہے - انسانی فطرت کو بوجہ ناقص ہونے کے چونکہ اس حقیقت کا
اور حسن و عشق کا پورا پورا احساس ہی ناممکن ہے - اسلئے وہ اپنی کم بضاعتی کی وجہ سے مجبور ہے کہ وہ اپنے
محبوب حقیقی کے ساتھ بی لاد و نیاز کی گفتگو میں ہی الفاظ استعمال کرے - جو ایک مجازی حسین و محبوبہ
پر وہ استعمال کرتا ہے - اور مثنوی کے اس گڑھے کی طرح ایسی معجزہ محبوب کی آنکھیں مٹنے - مگر زلف
وغیرہ دیکھتا ہے - ان پر مڑتا ہے - ان سے بیا کر کرتا ہے - ان کی تعریف میں سخن سنی اور نعمہ سرائی کرتا ہے -
ظاہر ہے کہ خدا کے ہاتھ نہیں - مگر ان دو باتوں نے انسان کو سمجھانے کیلئے آخر نہیں کیا گیا - کہ
جس اللہ فوق ایسا بھر پس مشرق کے شاعروں نے عموماً اوہیل شیراز نے خصوصاً قدرتی
طور سے اپنی شاعری میں حسن و عشق کو ایک خاص جگہ دی - ان کو اس سے چارہ نہ تھا - تو اور ورتش
محبت و پرستش کے موضوع کو یا تو وہ بالکل ہاتھ نہ لگاتے - یا اگر وہ اس پر کچھ کہنا چاہتے - تو سوئے
اس طریقہ کی ان کو کوئی اور رستہ نہ تھا - اور نہ اب ہے - تواریخی نظیں لکھے - پوئیکل اشعار کہے -
اخلاقی مثنویاں تصنیف کیجئے - تو آپ کا اختیار ہے - اور ممکن بھی ہے کہ آپ اپنی تمام تصنیفات میں حسن
عشق کا لفظ ایک بار بھی استعمال نہ کریں - لیکن اگر آپ انسانی دل کے اس بکیزہ اور پاک کرنوالی کیفیت
پر جسے محبت کہتے ہیں - اور جو کامل ہو کر پرستش کی صوت میں ظاہر ہوتی ہے - کچھ لکھنا چاہیں - تو آپ کو

عشق کی ہمہ گیری عشق نہ صرف سیرج انسانی اور نفس حیوانی پر منحصر رہی۔ بلکہ یہ ایک کیفیت ہے۔ جو تمام موجودات میں جو دپائی جاتی ہے۔ اسکی عالمگیری اودہ تک ہے۔ محبت کشش۔ عشق کچھ نہیں مگر یہ حالت موجود ہر جگہ ہے۔ خلقت کا باعث ہی عشق ہے۔ مولانا حالی فرماتے ہیں۔

پیشتر است که گفتار ایشان از هر چه در این کتاب مذکور است

ہر ایک انسانی دل میں عشق ہے۔ کیونکہ یہ حالت دل کی طبیعت میں شریعتِ مہلکہ کی گئی ہے۔ اور ان
بوجہ کا پھرنے لگا۔ جس میں محبت نہ ہو۔ جس میں عشق نہ ہو۔ کسی چیز کا عشق کسی چیز کے عشق کے برابر ہو گا۔

در این کتاب است که در این کتاب است

۱۰۲

۱۰۰

1970

<p>پیش او ذرہ ہو اودن وزمہ دو لے جدا اودن ہمچنان پسر و شا اودن</p>	<p>پیش او ذرہ ہو اودن وزمہ دو لے جدا اودن ہمچنان پسر و شا اودن</p>
<p>بے آگ سی تو کسی دکانی ہوئی وہمچنان پسر و شا اودن</p>	<p>بے آگ سی تو کسی دکانی ہوئی وہمچنان پسر و شا اودن</p>
<p>گل خود روئے بلخ خوشی باغ شوق تیکہ رفتہ زنا کرش شعلہ اتمام خاکستر شور کشن سنگت لہوئی و بس - نا توانی و کوشش حبا و بد کلمت تصویر آرزوئے محال میں آج کہ ہم جینکشی نیست اشک اگر لوہے جیکین مرد وہمچنان پسر و شا اودن</p>	<p>گل خود روئے بلخ خوشی باغ شوق تیکہ رفتہ زنا کرش شعلہ اتمام خاکستر شور کشن سنگت لہوئی و بس - نا توانی و کوشش حبا و بد کلمت تصویر آرزوئے محال میں آج کہ ہم جینکشی نیست اشک اگر لوہے جیکین مرد وہمچنان پسر و شا اودن</p>
<p>اک گنگ سی لگی ہے دل بغیر</p>	<p>اک گنگ سی لگی ہے دل بغیر</p>
<p>اہل تصوف (۱) موافقت - درست کے دشمن کو دشمن سمجھا - میل - عیشہ توجہ اللہ (۲) موافقت - ہر چیز سے گریزان اور بوجھ رہنا - مودت - عجز و زاری ہو خلوت نہ مل میں شغل نہ بنا - (۳) ہوا - ریاضت و مجاہدہ - (۴) خلوت - حملہ غضب کو یاد حق ہو کر کرنا - اور بغیر خالی کرنا - الفت صفائے حیرت و شوق - غایت شوق ہو حجاب لہو کو دور کرنا - اور مغلوب حال ہو - نے کے بغیر الفت سے محبت نہ کرنا - (۵) نیم - بندہ محبت ہو کر تجرید ظاہری اور لغز باطنی سے نفع ہوتا ہے - ولہ شینہ</p>	<p>اہل تصوف (۱) موافقت - درست کے دشمن کو دشمن سمجھا - میل - عیشہ توجہ اللہ (۲) موافقت - ہر چیز سے گریزان اور بوجھ رہنا - مودت - عجز و زاری ہو خلوت نہ مل میں شغل نہ بنا - (۳) ہوا - ریاضت و مجاہدہ - (۴) خلوت - حملہ غضب کو یاد حق ہو کر کرنا - اور بغیر خالی کرنا - الفت صفائے حیرت و شوق - غایت شوق ہو حجاب لہو کو دور کرنا - اور مغلوب حال ہو - نے کے بغیر الفت سے محبت نہ کرنا - (۵) نیم - بندہ محبت ہو کر تجرید ظاہری اور لغز باطنی سے نفع ہوتا ہے - ولہ شینہ</p>

دل کو جان درست کے مقابل کرنا اور مصروف مشاغل سے بے پروا اور غور ہونا۔ جو دہونا۔

گیارہویں منزل منزل عشق ہے۔

سان نمود اول عشق ان شہکار تیریموں میں ہے۔ جو ابتدا کار میں شکل نظر نہیں آتی۔ قدر کے چونکہ اسکا وجود منظور تھا۔ اسلئے اس کے ابتدائی مراحل سے اسلئے اور دل کش بناؤ۔ کہ ہر دل میں فرخ اندہ کتنا ہی کمزور کیوں نہ ہو۔ عشق کو جگہ مل گئی۔ یہ عام تجربہ کی بات ہے۔ کہ محبت شروع شروع میں بہشتی چہرہ اور دماغ میں ہر مرد فریبتی ہے۔ اور آدمی بغیر تامل کے آنکھ بند کر کے فوراً دل پار دیتا ہے۔ خواہ انجام کار کتنی ہی طبیعتوں کا نہ کیوں نہ ہو۔ عشق کی ابتدائی منزلہ میں ایسی خوشگوار۔ ہموار اور سبزہ زار منزلہ میں ہر واقعہ میں کہ مسافر کوئے سے آواز آئے۔ حار و نطفہ گلزار اور چمنستان نظر آئے۔ میں بلبلوں کے نعشہ ہاؤ خوش ہینہ سنتا ہوں اور مدھمکتا ہے۔ ہوا ایسی لطیف ہے۔ کہ دم عیسیٰ کا کام کرتی ہے۔ منزل مقصود نزدیک نظر آتی ہے۔ اور وصال محو تیرہ پیا

انتہا و شہد کلہا لیکن کچھ دور آگے چل کر اس کو صحرا اعظم کے کار دان کی طرح یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ کہ یہ مرغزار اور سبزہ زار بہت تھوڑی راہ تک تھے۔ سامنے کئی دور دراز مسافتیں اور طویل طویل منزلیں ایسی پڑی ہیں۔ جہاں دانہ ہو نہ پانی۔ نہ نشان راہ ہے۔ نہ کوئی راہ نما۔ سمجھ جاتی ہو کہ گستان ہے اور سب است بر یکم۔ اذ اخذ ربک من بنی آدم من ظہوریم ذریتیم و انشہد علی انفسہم است بر یکم و قالو علی شہادتہ ان نقولہ و یوم النعیمۃ انکنا عن ہذا غفلین (گاہ غفل)

انسانی ارواح نے جب است بر یکم کا جواب ملا دیا۔ اسوقت سے پہلے عشق اپنے گلے ڈال لی۔ روح جب پہلے تعلقا جیہانی سے پاک تھا۔ پاک تھا۔ اور لازماً تھکا کہہ کر کہ ہے جسم اسکے لئے غول اہ ہوا۔ روح نے وعدہ کر لیا۔ مگر جسم کی قیدیں کر آئے اس وعدہ کا ایسا مشکل نظر آیا۔ روح کیلئے تسبیح اللہ میں شہتہ مشغول رہنا آسان ہو۔ اسلئے فرشتے لیاؤ نہار خدمت حق میں مصروف اور اسکی عبادت میں مشغول ہوئیں گن ہوں پاک ہیں۔ اور انسانوں کیلئے پائیزگی۔ اطاعت حق اور معصومیت کا غرض ہے۔ اور انسان کے لئے خطا و غلطی کا مکر ہے۔ لہذا خدا کو پہچاننا ہی۔ اس کو احکام کر جانا ہی۔ ہزار ہا قسم کی غلطیاں کرتا ہی۔ اطاعت خالق و مومنہ پھیل لیتا ہی۔ مگر یہ فرق یہ زمین و آسمان کا فرق محض اسلئے ہے۔ کہ فرشتہ قیود جہانی سے پاک ہیں۔ اور پھر انسان ان میں محسوس۔ اس کو ظاہر ہے۔ کہ اگر انسان باوجود ان کمزوریوں کے گناہوں سے بچے۔ اور کامل انسان بنے۔ تو وہ فرشتوں سے بہتر ہے۔ مولانا حالی فرماتے ہیں۔

گھر اس میں لگتی ہے محنت زیادہ	گھر منتوں کی ہر چیز ہے انسان بننا
<p>باردست و ماروت اور چاہ بابل کا قصہ ہی حاصل کی ایک مثال ہے جس کو محسوس ہوتا ہے کہ شرب کا مصیبت ہونا صرف ان کی ذالی القساب کا نتیجہ نہیں ہے۔</p> <p>طالع شرب خواجہ حاکم صاحب نے یہ ظاہر کر کے کہ عشق پیدا آسان نظر آتا، مگر بعد میں ہر شے محکوم کا سامنا ہوتا ہے۔ ساقی و جام کے کی طلب فرمائی ہے۔ انگریزی میں ایک قول ہے جس کا اردو ترجمہ یہ ہے کہ عورت تک ہی باقیعہ ابتدائی قیام کو محفوظ کرتی ہیں۔ آخر اسے شرب میں پھنسا کر دیتی ہیں۔ اور بقول سعدی درخشاں چو انی چنانکہ افتد و جدائی آپ ہی جاتے ہیں۔ کہ مستحق کے ناز و انداز جو شروع میں عاشق کیلئے شرب کا کام دیتی ہیں۔ یعنی اسے سرمست کرتے ہیں۔ انجام کار اسے شرب ہی پر مجبور کرتے ہیں۔ وجہ یہ کہ شرب کا کم کم کچھ پر سیلے ان کو دنیاوی فکراں اور جو ریہہ کے صدمات کے احساس محفوظ کرتی ہے۔</p> <p>عشق واقعی میں شرب و جو مراد لگتی ہے۔ وہ بالفاظ عارف مخدوم تبریزی حسب ذیل ہے۔</p>	<p>باردست و ماروت اور چاہ بابل کا قصہ ہی حاصل کی ایک مثال ہے جس کو محسوس ہوتا ہے کہ شرب کا مصیبت ہونا صرف ان کی ذالی القساب کا نتیجہ نہیں ہے۔</p> <p>طالع شرب خواجہ حاکم صاحب نے یہ ظاہر کر کے کہ عشق پیدا آسان نظر آتا، مگر بعد میں ہر شے محکوم کا سامنا ہوتا ہے۔ ساقی و جام کے کی طلب فرمائی ہے۔ انگریزی میں ایک قول ہے جس کا اردو ترجمہ یہ ہے کہ عورت تک ہی باقیعہ ابتدائی قیام کو محفوظ کرتی ہیں۔ آخر اسے شرب میں پھنسا کر دیتی ہیں۔ اور بقول سعدی درخشاں چو انی چنانکہ افتد و جدائی آپ ہی جاتے ہیں۔ کہ مستحق کے ناز و انداز جو شروع میں عاشق کیلئے شرب کا کام دیتی ہیں۔ یعنی اسے سرمست کرتے ہیں۔ انجام کار اسے شرب ہی پر مجبور کرتے ہیں۔ وجہ یہ کہ شرب کا کم کم کچھ پر سیلے ان کو دنیاوی فکراں اور جو ریہہ کے صدمات کے احساس محفوظ کرتی ہے۔</p> <p>عشق واقعی میں شرب و جو مراد لگتی ہے۔ وہ بالفاظ عارف مخدوم تبریزی حسب ذیل ہے۔</p>
<p>کہ ناز دست خود دیا لی اس لئے وجود قطر در دریا رسا نہ پیالہ چشم مست بادہ خوار است شرابے بادہ خوار و ساقی آشام سقا ہم رشیم اور است ساقی شراباں دہد در وقت مستی کہ بدستی بہ است از نیکم دی حجاب ظلمت اورا بہتر از نور ز نور بلیس ملعون ابدا شد دل ہر ذرہ پیمائے اوست ہوا مست و زمین مست زمین مست ہوا در دل با ہر سید کیے بوی بجز عہد رختہ در دمے برای خاک</p>	<p>شرابے خود دی و شرب نہ مانے بخورے تازہ نوشنت دار ماند شرابے خور کہ جامش روعی یار است شرابے را طلبیے ساغر و جام شرابے خور ز جام وجہ باقی طہو آں سے بود کوکوش ہستی بخورے دار ہاں خود را ز مردی کے کو افتد از در گاہ حق دور کہ آدم را ز ظلمت صد مدد شد ہمہ عالم چو یک فغانہ اوست خرو مست و ملک مست جانست فلک برگشتہ از در گاہ بوی ملک خندہ صاف از کوزہ پاک</p>

<p>قنادہ کہ در آب گوہ در آتش بر آمد آدمی تا شد بر افلاک یکے از رنگ صافش ناقل آمد یکے از یک صراحی گشته عاشق خم و مخمسانہ و ساقی و عوار فراغت یافته ز افرا و انکار گرفتہ دامن پیر خرابات</p>	<p>خفا گشتہ زان یک جرعه سرخوش ز بوی جرعه کا قناد بر خاک یکے از بوی دروشش ناقل آمد یکے از یک جرعه گشتہ صادق یکے دیگر از بوی یک بار در آتش امیدستی را ایک بار شندہ خارج ز زہر خشک طلمات</p>
<p>نہیں زنیائے کرم کے نزدیک تیرا ہے حراد کیا۔ کہ تیری خودی کو چھوڑ دے اور تیرے سب سے زیادہ عزیز جو وہ اٹھانے میں۔ تجو دی ہے۔ مرزا غالب فرماتے ہیں۔</p>	<p>سے سے غرض نشاط ہے کس دینہ کو</p>
<p>لیک گونہ تجو دی مجھے دن رات چاہئے</p>	<p>جو کہ شراب کا نام نہ ہے۔ کہ در پیش نہ ہے۔ اور جو کہ عشق کی آویں تیرے شکر ت از کیمیا ہیں۔ وہ عقل کو پیدا کر دے ہیں۔ اسلئے عاشق کی بے پرواہی کا عقل مقابلہ کرتی ہے۔ تو عاشق کی تکلیف معلوم ہوتی ہے۔ وہ اپنے مطلوب کو پہنچنا چاہتا ہے۔ عقل راستہ کی دشواریاں خطرے اسکے سامنے پیش کرتی ہے۔ اور روکتی ہے۔ مگر جو کہ عاشق صادق کو اس تگ لپی میں ایک لمحہ آرام نہ کرنا ہی سخت تکلیف دہ ہوتا ہے اسلئے وہ چاہتا ہے۔ کہ عقل اسکی سدرہ نہ بنے۔ وہ اپنے شوق میں شہر زار ہوتا ہے۔ اور راستے کی تکلیفوں کی پرواہ نہ کر کے منزل مقصود تک پہنچنا چاہتا ہے۔ اس دلی عقل جو اسکے لئے سنگ راہ ہے۔ وہ نجات مانگتا ہے۔ اور ساقی کو التجا کرتا ہے۔ کہ اس ٹھن منزل میں مجھے شراب شوق پلا کر مست کر دے کہ راہ کی دشواریاں مجھے تبدیل نہ کریں۔</p>
<p>اور جب تک عاشق شوق طلب میں بالکل مست نہ ہو۔ اور جب تک اسکی عقل سکھ جاوے عشق کی منزلوں کے پر خطر ہونے سے ڈرائی رہے گی۔ وہ بگڑا اپنے محبوب تک نہیں پہنچ سکتا۔ مولانا حالی فرماتے ہیں۔</p>	<p>لگن میں تیری نکال گونہ مجھے دریا پر خطر سے</p>
<p>یعنی طلب مستحق میں صرف وہی لوگ کامیاب ہو سکتے ہیں۔ جو اسکی پیاسے پر تیرے پاس پہنچ سکیں۔ جو دریاں میں حائل ہے۔ اور شوق میں بالکل اندر ہو کر یہ نہیں دیکھتے۔ کہ دریا کا پاٹ کتنا ہی۔ اور اکہمہ بند</p>	<p>یعنی طلب مستحق میں صرف وہی لوگ کامیاب ہو سکتے ہیں۔ جو اسکی پیاسے پر تیرے پاس پہنچ سکیں۔ جو دریاں میں حائل ہے۔ اور شوق میں بالکل اندر ہو کر یہ نہیں دیکھتے۔ کہ دریا کا پاٹ کتنا ہی۔ اور اکہمہ بند</p>

اس شعر میں سچا و کثر قبائل نے اپنی محنت کو ثابت کر دیا ہے۔ دل شوق میں کچھ بڑا چاہتا ہے عقل اس میں کاوٹ ڈالتا چاہتی ہے۔ اس لیے کہتا ہے کہ گرجنیل کے ساتھ پاسپال عقل کا ہونا اچھا ہے لیکن گاہ بگاہ دل کو تنہا ہی چھوڑ دینا اچھا ہے۔ کیونکہ صرف اسی صورت میں ہم اپنے معشوق کا وصل حاصل کر سکتے ہیں۔

ڈاکٹر امتیال نے بھی اگرچہ دل کے پاس پاس بقیل کا سہونا اچھا خیال کیا ہے مگر کبھی کبھی اس کے
تہنا چوڑنے کی ضرورت سے بھی انکار نہیں کر سکے۔
اور سولانا صالحی صاحب نے تو صرف ایک دفعہ اس خیال کو پاس جانے کی درخواست کی تھی۔
مگر وہ بھی منظور نہ ہوا۔

لی ہوش میں آئے کی جو باقی سوا اجازت [فرمایا حسب ضرورت کہ تازک ہے زمانہ
 ہر مہینہ میں سے چھ ریاضے محبت زیادہ تر سے پہلے کتنی محبت کو فریاد کیا ہو۔ یہ کہتے ہیں۔

دلیوانہ ہے دلیوانیں جو دلیوانہ نہیں ہے

عاقلمی ہوتا ہے جو عاقل نہیں ہوتا

تو اجماعِ قضا کے اس شعر پر پانچ عربی سرسندھی نے ایک غزل کہی ہے جس میں اس نے بیان کیا ہے کہ جادو محبت نہایت پیچیدہ راہ ہے اور کثرتِ اسباب و الِ مَحبوب کیلئے سنگِ لہ ہے۔ اور یہ بھی ظاہر کیا ہے کہ خودی کو زائل کرنے کیلئے ضروری ہے کہ ساتھی کو طلب کیجائے۔

محبت جاده دار و نهان در خلوت دلها
 تو چون ساقی اشوی در دینک ظرفی نه ماند
 بشمع روشنی این کلبه تار الخا دارد
 تو راه از کثرت اسباب بر خود تنگ میداری
 به قمار و دولت گردش چشم تو میدارد

چو تار سجده گزید این راه زیر منبرها
 بقدر بحر باشد وسعت آغوش ساحلها
 اگر دل در گدازد تو حل کرد مشکبها
 او انهای چو لؤلؤ گل بها کردند محسها
 میکب چایه رنگین کرده یک شهر محسها

کہ درویدہ میری پٹھان لیدر جاگھیا
الایا یا اساتی اور کاسا و ناو لہسا

پیر مرزا چوہدری شہزادہ یوسف
علی امشب مئے تیرا در جام مصو دارو

خواجہ سادہ بے عشق کی شکایت کا سینہ کر کے شہزادہ یوسف نے کہا: نہیں مگر بگڑتی
تنگ کر جو عاشق کیلئے غول راہ ہے۔ اس کے تاثرات کو محفوظ رہے کیلئے شراب کی درخواست کی
ہے۔ عشق کا ان کو سوراہہ بتا رہا ہے۔

مولانا روم جاوہ عشق کے پرفون ہونے اور ہوش کی لہ میں کاوٹ ہونے کے بیان میں در
عشق کی تعریف میں فرماتے ہیں کہ

قتہائے عشق مخمور میکیند
مرزبان انشتری ہز گوش نیست
روز با سوز ہا ہر اہ شد
چند باقی بند سیم و بند زر
اوز حرص و خیب کلی پاک شد
اے طبیب چہ عیلة ہائے ما
اے تو افلاطون و جالینوس ما
کوہ در رقص آمد و چالاک شد

نہ حدیث راہ پر فون میکیند
محرم این موش جز بخت نیست
در محم ماروز ہیکہ شد
بند گسل باش از اولے سپر
ہر کرا جامہ عشق چاک شد
شاو باش ای عشق فون سرداؤ ما
اے دوائے نخوت ناموس ما
اصم خاک از عشق بر افلاک شد

(۲) ترجمہ۔ اس نافرمانی کی بوی قسم (یا اس نافرمانی کی بوی) جو آخر کار صبا اس طرہ سے کھول گئی۔ کہ
زلف خوشبودار کے خم سے کتنے دلوں کا خون ہوا۔

بہو می نافہ۔ یعنی ہامید بڑے نافرمانیات پر قائم۔ صبا۔ یہ پہلو جو مشرق کی بلوچہ
سے چلے۔ اور بعضوں نے کہا ہے۔ کہ باؤ مشرقی جو اہم ہاریں چلے۔ طرہ۔ زلف و موئے پیشانی
تاب یعنی تیج و تاب خوردن۔ جعد۔ بٹخ۔ موئے مرغول ہر۔ یعنی سر کے بال جو خمدار ہوں
یعنی موئے پر چین۔ مشکین۔ منسوب بہ مشک یعنی نافرمانی کی خوشبو والی۔
صوفیا سے کرام کے نزدیک زلف سے جو مطلب لیا جاتا ہے۔ وہ بالغانہ
صفت گلشن دانہ ہے۔

<p>حدیث کشف جانان بس در است کجی برستی چون گشت غالب معلق صدمہ از دل زہر سو اگر زلفین مشکین بر منشا وگر گذاروش پیوستہ ساکن نیا بد زلف او یک لحظہ آرام چو اد بر کاروان عقل رہ نہ قل آدم سستہ آں لحظہ محرم دل ما دارد از زلفش نشانی</p>	<p>چہ شایر گفت از ان کاغذ را ز است وز در پیش آمد راه طالب نشد یکدل بروں از حلقہ او بعالم در یکے کافر منسا نماند در جہاں یک نفس مو من گچہ صبح آورد گاہے کند شام بدست خوشیتن بروے گرہ زد کہ دادش بوی آں زلف معطر کہ خود ساکن نسگردد زمانے</p>
<p>پہلے مصرع میں امید وصال محبوب کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی اس فرخ شہو کی مسیحہ جو باد صبا زلف معشوق کو تنہا عاشق تک پہنچائیگی۔</p>	<p>دوسرے مصرع میں نابینا شہو کی مراد در پیچ در پیچ زلف ہے۔ یعنی منازل عشق جو عاشق کو وصال محبوب کے حصول کیلئے طے کرنی پڑتی ہیں۔ یہ منازل نہایت دشوار گذار ہیں۔ تاہم عاشق وصال کی امید میں ان کو طے کرتا ہے۔</p>
<p>زلف بچان سے حافظ صبا کے معنی اور اشعار میں بھی منازل عشق کی مراد لی ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں</p>	<p>شب تیرہ چرخ آرم رہ پیچ زلف است</p>
<p>خون افتاد در دہاں ما یوسو راں معیت تو کی طرف اشارہ ہے۔ جو عاشق کو وصال کی امید پر طے منازل میں ہر دم داشت کرنی پڑتی ہیں۔</p>	<p>مگر آنکہ جمع رویت بر ہم چراں غ دارد</p>
<p>یہاں ہی خواجہ صاحب نے پہلے شعر کی طرح منازل عشق کی مشکلات کی طرف اشارہ کر کے کہا ہے کہ فرخ شہو کی امید میں جسے کہی باد صبا محبوب کی زلف سے اڑا کر عاشق کے دماغ میں لگی۔ یعنی وصال کی امید میں اس عاشق منزل عشق کی پیچ در پیچ راہوں کو طے کرتے کرتے رہ گیا۔ اور ان کے دماغ میں گویا مولانا حالی ہی طالب کی اپنی بایسیوں کی طرف اشارہ کر کے فرماتے ہیں۔</p>	<p>سوار محمل کی جستجو میں اردوشت طلب ہر روز</p>
<p>نہ چل آں نظر نہ فاقہ فقط حکیم اٹھت انجہ باو یک</p>	<p>سوار محمل کی جستجو میں اردوشت طلب ہر روز</p>

مرزا غالب نے محلوں نے بھی اسی طور پر ہر کہا ہے کہ

تیرا پتہ نہ پائیں تو تیری کہیں نہ پائیں

اس شعر کے معنی اس میں جی ہوتے ہیں کہ میرزا غالب میں حرف باکو برا قسم لیا جا۔ جی قسم کہ اس بڑے نافرمانی تمام شعر کا مطلب یہ ہو گا کہ تجھ قسم ہو تیری وصال کی کہ تیری طلب میں ہزار ہا اور خون ہو گئے۔ عاشق کا عشق کے وصال کی قسم کھا کر ادھ شوق کے مصائب کا بیان کرنا نہایت بہتر طریقہ ہے۔ مگر حضرت بیدل نے خوب سمجھا ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

پتہ نہ پائیں تو تیری کہیں نہ پائیں

بیدل نے اس میں اپنے قریب تربت دانا کس قسم کی سہیلی ہے۔

تیرا پتہ نہ پائیں تو تیری کہیں نہ پائیں

بہتر گزرا گاہ چمن غطر فروختش سری

شہ فرقت حری کو مراد باد صبا ہے۔

ایک شاعر نے اس شعر کا عجیب و غریب مطلب بیان کیا ہے۔ اور کہہا کہ پیغام وصال کھول معرفت کی صبا آخر شب میں یعنی آخر وقت میں پیغام حضرت مہریت ستاقان حق کے پانچ پانچ یعنی خردہ ہول سنا تی ہو۔ تو اسکے سننے سے دل چھ ظاہری وجود کا برابر کار ہو غم و غصہ کی خون ہو جاتا ہے اور نہر چاہتا۔ کہ سبھی مستعار بر باد ہو کر اسکی سلطنت بران ہو جا۔ چونکہ عادت کا وہ امر ہے ہوتا اور دل وجود انسانی کا بادشاہ ہو پس اسکی سلطنت کو کمال ہو تا ہے۔ اس شع کا یہی معنی ہو۔ جو اس کی اچھی طرح پر حل نہیں ہو سکتا تھا۔ "حیران کج کی معنی کے مطابق طرح درست ہیں۔ چالٹ صرف کسی پرست و نیاز پرست کافر کے دل کی ہو سکتی ہے۔ عاشق کو دل کی یہ صورت نہیں ہوتی۔

(۳) ترجمہ۔ شہر ہے مجاہدہ کو رنگین کر اگر تجھ پر مینا کی تہاؤ کیونکہ۔ اگر تہاؤ کیونکہ۔ اگر تہاؤ کیونکہ۔

نہیں ہوتا۔

سجادہ۔ بالفق و بالفق مصلے۔ جائے نزار۔ مغال۔ مجموعہ بالفق و بالفق پرست۔ سالک۔ بحر لام۔ راہ پر چلنے والا۔ اصطلح صوفی میں سالک مراد اس طالب تقرب حق تعالیٰ سے ہے جسکو عقل معاشرا ہی ہو۔ منظر لہا۔ مراد منظر لہا کے عشق۔

اس شخص میں بتایا گیا ہے کہ طلب حق میں غفلت کو پسند نہ کرنا چاہیے۔ غفلت پوری لپٹ کر لی جائے۔ یہاں تک کہ حیران کن پیش نہیں ہو۔ اس طرح احکام الہی میں اس لئے ہر ایک کی بے طلبی لیں تمہارے جیسا کہ خواہ کوئی حکم عقائد الہی کے خلاف ہو۔ کیونکہ انسانی عقل ضعیف ہو اور محدود ہو۔ خدا تعالیٰ جو عالم الغیب ہے اور حکیم مطلق ہے۔ اس کا کوئی فعل ان کوئی حکم خلاف عقلیت نہیں ہو سکتا۔ اس میں ہر ایک کو اس قدر غفلت سے بچنا چاہیے کہ وہ اس کے احکام کی تعمیل میں بھی نہ کوئی غفلت نہ کرے۔ قرآن کریم میں مذکور ہے کہ قیامت میں بتایا گیا ہے کہ تم کو اپنے جہنم کے ساتھ استدلال کے لئے منع حاصل ہے۔ قرآن کریم کو جب تسلیم ہوا کہ کلام کو سامنے سجدہ کر کے اس کے حکم کی تعمیل کی۔ مگر ایسی اسکا کر دیا اور کہا کہ تم تو نے نامہ پیدا کیا ہے۔ اور آدم کو خاک سے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ اس کے پاس اس کے افضل ہوں کیونکہ سجدہ کر دیا۔ علاوہ ازیں۔ یہ عام اور مسلمہ مسئلہ ہے کہ مخلوق کو اپنے خالق کے واسطے کسی کو اگر سجدہ نہیں کرنا چاہیے اور خداوند کریم کا یہی حکم ہے۔ اس لئے بظاہر ہمیں کے دلائل قوی تھے۔ مگر۔ الہی واستسکب وکان من الکافرین قرآن حکم علی ہر کلمہ ہو گیا

گندڑ چوہاں حر اور ہ اطاعت گیرا کہ زنت و فواحرا میں شہادت دلاں (مولانا)
حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہ السلام کی شریعت کرتا ہے۔ جب حضرت خضر نے ایک کشتی کو ہمیں انہیں ایک کشتی بان نے مفت سوار کیا تھا۔ تو بڑا ڈالا۔ اور اس صاحب خانہ کی کشتی ان کو رات کی روٹی بھی نہ دی تھی۔ دیوار تعمیر کر دی۔ اور ایک معصوم بچے کو جس کے والدین نہایت پتیلی اور پرہیزگار تھے مار ڈالا۔ تو حضرت موسیٰ معترض ہوئے۔ کہ تو یہ کام ناجائز کر رہا ہے۔ اور بظاہر حالات یہ تمام کلم لے جاتے تھے۔ مگر بالفاظ مولانا روم۔

<p>سر آں اور دنیا بد عالم خلق ہر چہ فرماید بود علین صواب نائب است دست دوست خدا صد و زنتی در شکست خضر مہبت شد از ان محبوب تو بے پر سپہ مست غفلت تہم جویش خواں ماور شفق چہر آں عجم شاد کام</p>	<p>آں پر را کش خضر برید خلق آں کہ از حق یابد او وحی جواب آنکہ جہاں بخشد اگر بجز درواست مگر خضر در بحر کشتی را شکست و ہم موسیٰ با ہمہ نور و بصیر آں کل مرغ است تو خوش خواں طفل می لرزد ز منیش آنچہ نام</p>
--	---

منازل عشق پر اس لاکھ تیرا راہ نما ہو، تجو اس کی کامل اطاعت کرنی لازم ہے۔ اگر کوئی تجھے کوئی ایسا حکم دے تو بوجہ اختلاف عقل نظر آئے۔ تو مت چھوٹ۔ کیونکہ سالک اس سلسلہ کا نشیب و فراز سے آگاہ نہیں ہے۔ نیز منظر ہمایا عشق پر شرب کی ضرورت کا بیان شعر (۱) میں ہو چکا ہے۔

منزل جانا وہاں مراد منزلِ شوقِ الٰہی چاہو، یعنی مسافرِ عشق منزلِ مقصود پر پہنچنے سے پہلے
اشکائے سفر چھوڑنا شروع کر دے۔ ٹھہرتا ہے۔ یہاں منزلِ جانا کا مطلب منزلِ شوقِ الٰہی نہیں
بلکہ ریمائی منزلوں کی طرف اشارہ ہے۔ منزلِ جانا اس واسطے کہ لگایا ہے۔ کہ چونکہ منازلِ شوقِ الٰہی
کی سبب محبوب کی طلب میں طے کی جاتی ہیں۔ لہذا وہ تمام منازلِ شوق یا منازلِ جانا کہ کی جا
سکتی ہیں۔

فریادِ جسِ مرادِ بانگِ اہرِ قبائلیہ منزلِ سوروانہ ہو گئی ہے۔ تو اس کی کچھ دیر پہلے کھنڈ بجا یا جاتا ہے جس سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ تمام اہلِ قبائلیہ اپنا اسبابِ باندھ لیں اور اپنی اپنی حرکتِ محل کا انتظام کر لیں۔

شعر کا مطلب یہ کہ عاشق کو طلب محبوب میں کئی منازل طے کرنی پڑتی ہیں اور جب تک وہ اپنی منزل مقصود تک نہیں پہنچتا۔ وہ رمیانی منزل پر ٹھہرتا تو ضرور ہے۔ مگر اسکے دل کو آرام و تسکین بالکل نہیں ملتی کیونکہ رمیانی منزل آرام جاوداں کیلئے نہیں ہو سکتی بلکہ صرف مکان کو دور کرنے اور دوسری منزل کیلئے تیار ہونے کیلئے ہوتی ہے۔ جب تک عشق اپنی خود کو حاصل حاصل نہیں کرتا۔ اسے چین نہیں آتا۔ اس کی نگاہیں وقت منزل مقصود پر لگی ہوتی ہیں۔ اس کو قسمی کام میں عیش نصیب نہیں ہوتا۔

دنیا بھی اپنی منزل میں ہر ایک ہے سلمیٰ عاشقان صادق کو انداز کی مسافت کو گزرتے ہیں۔ دنیا کیونکہ دنیا ہی ایسے رمیانی منزل ہے۔ جہاں سادہ صرف نصیب پائی کیلئے ٹھہرنے کی اجازت ہوتی ہے۔ زیادہ نہیں۔ اور دوسری منزل کا ٹھکانا ہر وقت دل میں ہوتا ہے

سایہ چشمہ بھر اوجے عیشے دارد | اگر اندیشہ منزل بود رہساز

چنانچہ یہ منزل ان کی وفات کے بعد ان کی قبر لکھی گئی۔ یہ منزل از قلمو صفا اس کا سایہ شعر فرما رہا۔ حافظ کے اس شعر کی نہایت عمدہ تشریح ہے۔

دست از شدت زار زخم زخم باز رہد	نہوئی روض زبید و غش باز رہد
تلبکے جو رقیب و ستم یار کشد	وقت شد کرم ناک و کس باز رہد
بجز ہم غم و غم و باگ و جاس باز رہد	از بیابان غم و باگ و جاس باز رہد
طوقی روح رسد در سرستان وصال	تنہا باز لیت از غم و غم باز رہد

(۵) ترجمہ۔ رات نامہ میری ہے موحج کلا ڈر ہے اور ایسا گردا سب لہ ہوا یا ایسا خطرناک گردا ہے) ہمارا حال کبسا ران ساحل کیا جانیں۔

حائل۔ مانع۔ دو چیزوں کے درمیان کا وٹ۔ ہائل۔ بولناک شدید۔ ڈراؤنا مشتق از بول۔

اس شعر میں جو مصائب بیان کیے جو عاشق کو راہ طلب پیش آتی ہیں۔ شاعر کہتا ہے کہ وہ اصل لوگ اپنے محبوب کے پاس پہنچ چکے ہیں اور منزل کو طے کر چکے ہیں۔ وہ ہمارا حال کیا جانیں

ہم تاحال ایک بحر بیکران کی شناوری کر رہے ہیں جس میں جہنم کا ڈوبہ گواہ خوف ہے۔ اور وجہ اندہیری رات بچے نیکے یہ صائبے بالا ہو گئے ہیں اہل حق میں نیابتی ایک سی منزل ہے جس کو متعلق کہا جاسکتا ہے کہ یہ منزل نہایت دشوار ہے۔ نہایت خطرناک ہے۔ مگر ہوجا کا خطرہ ہے۔ راہ کی کاٹھ ہے۔ اس منزل میں ہزار ہا رہبر و سبک گئی۔ شاعر نے پہلے شعر میں جن مشکلات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ وہی مشکلات ہیں۔ جن کی اس شعر میں توضیح کر دی گئی ہے۔ جن میں خواجہ نے اپنے اس منزل کو دریائے نسبت دیکر اس کو مصائب بیان کی ہیں اسی عارف نظامی نے اس منزل کو ایک شوار گندراہ بیان کر کے اس کے آسان کرنے کی تجویز کی ہے۔

جہاں تیرا سہارا ہے مشکل تیرا یہ منزل
گرا جانی کن گرا کر نہ رہم سبک و حال

راہ سے نصرت ہی راخوات گاہ جان کرش
چو سانی گرم رو کر و د سبک تل گراں درکش

نصرت سے بھی متاثر شق نہ مصائب کو دور کرنے کی یہاں ہی تجویز بتائی ہے۔ جو نظامی نے اس غزل کے شعر اول میں بیان کی ہے۔

مرزا غالب نے ملوی نے بھی بحر حیات کے پر خطر ہونے پر ایک شعر کہا ہے جس میں مصائب سفر اس شعر سے بھی زیادہ بیان کئے گئے ہیں۔ وہ کہتے ہیں۔

بڑا قلعہ ہے تیرا بحر طوفان خمیسرا
آگ سے نگرہ شتی و ناخدا ختمہ است

دوسرے نے تجویز میں نظم امواج۔ گرداب۔ اور ایک ہی جہت سے سیلاب کی طرح موج فرساہ لوازہ ہیں۔ کہ حضرت امیر مینائی کے دل میں انہوں نے ایک گونہ یاس کی صورت پیدا کر لی اور ان کو تو یہ فنک بھی ہو گیا۔ کہ اس دریا کا کوئی ساحل بھی ہے۔ یا نہیں۔ وہ کہتے ہیں۔

دریا نے محبت جو یار اتریں وہ جانیں
ہوتا ہے خدا جانے کہ ساحل نہ ہو تا

خواجہ حافظ نے البتہ سبکساران ساحلہا کا ذکر کر کے اس کو نا پید الکنایا خیال نہیں کیا۔ اور باوجود دریا کے پر خطر ہونے کے وہ ساحل پر پہنچنے سے مایوس نہیں ہوتے۔ اور امید رکھتے ہیں۔ کہ ہم بھی کبھی اس نمرہ سبکساران ساحلہا میں شامل ہونگے۔

دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں۔ کہ سبکساران ساحلہا سے مراد فرشتے لی جاوے۔ کیونکہ وہ فی الحقیقت سبکسار ہیں۔ ان کو انسانی مصائب کا بالکل علم نہیں ہے دنیا میں رہ کر

آدمی کو راہ حق میں جو جو مشکلات پیش آتی ہیں۔ فرشتے ان سے نہ آستنہ ہیں۔ کیونکہ انسانی فطرت کے ساتھ جو کمزوریاں شامل ہیں۔ فرشتے ان سے پاک ہیں۔ انسان کے سامنے ہزار ہا مواقع لغزش کے ہیں۔ فرشتوں کے پاس لغزش ہی نہیں۔ وہ گناہ کے قابل ہی نہیں۔ اس صورت میں گویا انسان اور فرشتہ کا مقابلہ کیا گیا ہے۔ اور یہ بتایا گیا ہے۔ کہ اگر آدمی باوجود ان کمزوریوں کے منزل مقصود کو پہنچ جائے۔ تو وہ فرشتوں سے بجا افضل ہے۔ ہاروت اور ماروت انسان پر طعنہ زنی کرتے تھے۔ آخر دیکھ لیا

اے برادر ماجراجز اب اندر یکم (رسول) ان کہ نسبت می نہ بر من است

(۶) ترجمہ۔ میر تمام کام کا خود کامی کیوجہ سے تجھ بدنامی ہوا۔ وہ راز کشیہ رہ سکتا ہے۔ جس میں مخلیق قائم ہوں۔

خود کامی۔ خود رائی۔ خودی۔

صوفیائے کرام کے نزدیک کامل توحید یہ ہے۔ کہ سوا ذات خدا کے اور کچھ موجود نہیں سمجھو وہ وحدت وجود کے قائل ہیں۔ ان کے نزدیک جو کچھ ہے۔ خدا ہی ہے۔ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ وہ خدا اور انسان کے درمیان بھی من و تو کے روادار نہیں۔ ان کے نزدیک آدمی اپنے آپ کو ایک ایسی علیحدہ معین اور موجود چیز خیال کرے۔ جو ذات باری سے الگ ہے۔ تو یہ بھی کفر ہے۔ ان کے نزدیک ع خودی کفر است اگر خود پار سائے ست۔

۱۔ توحید اسقاط الہ اصناف یعنی توحید تمام اصناف کو ساقط کرتی ہے۔ یعنی کفعل الہی کو اپنی طرف منسوب کرنا یا صنعت وجود کی موجود مطلق کے سوا اور سے اضافہ کرنا توحید کے اصول کے برخلاف ہے۔ توحید پر کامل ایمان صرف اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ انسان کفعل الہی کسی وجود کسی ہستی کو منسوب نہ کرے۔ یعنی اس کے دل سے من و تو کا پردہ اٹھ جائے۔ جب تک شخص کے ساتھ عاشق کا تعلق من و تو کا تعلق ہے۔ اس وقت تک یہ خیال کرنا چاہئے۔ کہ توحید نہیں۔ بلکہ کثرت کا قائل ہے۔ پس توحید کیلئے خودی کو درمیان سے بالکل اٹھا لینا چاہئے۔

پس جب تک پردہ خودی درمیان ہے۔ اس وقت تک کامل توحید حاصل نہیں ہو سکتا۔ او

نہ ہی طالب نو ایسے مطلوب کے ساتھ وصل بھیج ہو سکتا ہے۔

نمود کامی بردار جلوہ نغمہ شناس کن | کہ معراج سرگزشتی میں ایک نردبان باشد

مادہ عشق میں اگر عاشق نے نمود کامی تو کامی نہ کیا۔ تو گویا اس وحدت کو زائل کر کے کثرت کو پیدا کر لیا۔ اور راز عشق کا اس صورت میں مخفی رکھنا ممکن نہیں۔ کیونکہ ایک دفعہ جب خیال کثرت پیدا ہو گیا۔ تو آدمی اس میں ایسا مستغرق ہو جاتا ہے۔ کہ پھر نہ کہے کہ کثرت نہیں ہوتی۔ بلکہ اعداد وغیرہ دو ہو جاتے ہیں۔ اور عالم کثرت میں صرف عاشق و معشوق تک معاملہ نہیں رہتا۔ بلکہ کہیں قریب پیدا ہو جاتے ہیں۔ کہیں قاصد۔ اور محفل پر پیدا ہو جاتی ہے۔ اور ہر دربان اکھڑا ہوتا ہے۔ گویا کثرت کا یہ عالم ہوتا ہے۔ کہ کوئی تعداد ہی نہیں ہوتی۔ پھر ظاہر ہے۔ کہ ایسی صورت میں راز عاشق و معشوق بغیر فاش ہو ہی نہیں رہتا۔ رسول کریم فرماتے ہیں۔ کہ گل ستر جاوڑا لائنین شاء۔ یعنی جو راز دو سے تجاوز کر گیا۔ وہ سمجھو کہ فاش ہو گیا۔ بعض شارحین نے اس حدیث کے معنی لئے ہیں کہ چلنے دو۔ لبوس سے نکل گیا۔ یعنی منہ سے نکل گیا۔ تو جاؤ کہ شائع ہو گیا۔ گویا راز اسی وقت تک ہے جب کہ آدمی کے سینے کے اندر ہے۔ منہ سے نکلا۔ تو سمجھو کہ گیا۔

بظاہر ہے۔ کہ راز کثرت کی تاب نہیں لاسکتا۔ مطلب یہ ہے۔ کہ عاشق کی خود رانی کیونکہ کثرت پیدا ہو گئی اور جب کثرت پیدا ہوئی۔ تو راز عاشق و معشوق نہایت ہمارہ سکا۔ ظاہر ہو گیا۔ اور موجب نامی ہوا۔

(۱) ترجمہ اگر تو حضوری چاہتا ہے۔ تو اسے حافظ اس غائب ہو اور جب تو اپنے مطلوب کو پالے تو دنیا اور مافیہا کو چھوڑ دے۔

حضور صوری۔ حضور غیبتیں۔ مصدر بمعنی حاضر ہونا۔ نفیض غیب۔ توجہ حاصل کرنا۔ عزت حاصل کرنا۔ غائب۔ از غیبت بالفتح۔ ضد حاضر۔ دنیا۔ نزدیک شونہ چونکہ دنیا بہ نسبت عاقبت کے نزدیک ہے۔ لہذا یہ نام ہوا۔ یا مونث اولی از وراثت۔ دنیا چونکہ زبوان۔ اسلئے یہ نام ہوا۔

اس شعر کا مطلب صاف ہے اور چندان قابل تشریح نہیں۔ پہلے مصرعہ عروج مطلب لکھا گیا ہے۔

وہی دوسرے مصرعے میں بیان عربی بیان ہوا ہے۔ حاضر ضد غائب ہے۔ لعل عشق اگر اپنے معشوق کے دربار میں حاضر ہونا چاہتا ہے۔ اور اسکے سامنے کچھ عزت حاصل کرنا چاہتا ہے۔ تو ضرور کہ وہ غائب ہو۔ اس جگہ تفسیری کے معنی صرف حاضر ہونیکے نہیں لینے چاہئیں۔ کیونکہ یہ کہنا کہ اگر حاضر ہونا چاہتا ہے۔ تو غائب مت ہو۔ چنداں فصیح نہیں۔ اس کے حضور سے یہاں مراد عزت اور توجہ حاصل کرنا ہے۔ یعنی عاشق اگر معشوق کی چشم غائب چاہتا ہے۔ تو ضرور ہے۔ کہ وہ اس سے کسی وقت جدا نہ ہو۔ اور ہر وقت اس کی خدمت میں حاضر رہے۔ اس کو دل سے نہ ٹھہرائے۔

عربی فقرے کا مطلب یہ ہے۔ کہ اگر جسے تو محبت کرتا ہے۔ اُسے مل جاؤ۔ تو پھر دنیا کو چھوڑ دے۔ یعنی اگر محبوب کی ملاقات حاصل کر لے تو پھر ترک دنیا کر دے۔ کیونکہ محبت تک تو ایسا نہیں کریگا۔ نیچے وصال محبوب میں حقیقی اور کامل خوشی نہ حاصل ہوگی۔

اس شعر کا مطلب یا لفظی طرح بھی بیان ہو سکتا ہے۔ یعنی اگر حضور می اور عین وصال کو دو مختلف منازل قرار دیا جاوے۔ تو یہ کہا جاسکتا ہے۔ کہ اگر حضور می حاصل کرنا چاہتا ہے تو تجھے ہر وقت اور ہر کام میں اپنے محبوب کا خیال رکھنا چاہئے۔ یعنی۔ عہد ہر کار کہ باشی یا خدا باش۔ اس منزل پر عرفنا تنہا ضروری ہے کہ تو اپنے محبوب کا خیال لے کر کسی وقت نہ کرے تمام معاملات اور فرائض دنیوی کو بھی سرانجام دے۔ مگر ساتھ ہی اپنے محبوب کی ہر وقت اور ہر فعل میں یاد رکھے۔ لیکن دوسرے مصرعے میں بتایا گیا ہے کہ اگر تو منزل حضور می کو گذر کر ملاقات یعنی وصال حاصل کر لے۔ تو پھر دنیا کو قطعاً ترک کر دے۔ اور فنا فی الخوب ہو جا۔

بعض شارحین نے دوسرے مصرعے پر یہ اعتراض کیا ہے۔ کہ پہلے ملاقات حاصل کر کے پھر دنیا کو چھوڑ دینے کے کیا معنی۔ پہلے دنیا کو چھوڑ کر پھر حصول وصال کی کوشش کرنی چاہیئے۔ یہ اعتراض یوں بھی قابل التفات نہیں ہے۔ مگر اس شعر کی جو دوسری صورت معانی بیان کی گئی ہے اس صورت میں یہ اعتراض بالکل وارد ہی نہیں ہو سکتا۔

غزل (۱۱)

۱	آبروئے نوبی از چاہِ تیر سرانِ شما	۱	لے فریغِ زلفِ حسنِ روئے ز شامِ شما
۲	باز گردو بارِ زلفِ جسیفِ سرانِ شما	۲	عزمِ دہلر تو دارِ دہقانِ رسیا پدہ
۳	خاطرِ مجموعِ مازلفِ سرانِ شما	۳	کے دلِ دوسرے باغِ حشمتِ بدستانِ شما
۴	یہ کہ بفرشتہ ستوری بمستانِ شما	۴	کس پر درِ نرگستِ طرفی نہ نسبتِ عافیت
۵	زانکہ ز درِ دیدہ آئے روئے خشتانِ شما	۵	بختِ خوا آلود ماییدرِ خواہ شد مگر
۶	لو کہ ہوئے بشنویم از خاکِ بستانِ شما	۶	با صبا ہمراہ بفرست از رفتِ گلستان
۷	زینہا رانے دوستانِ جانِ مرغِ جانِ شما	۷	دلِ خرابی میکند دلدار اگر آگہ کنسید
۸	گرچہ جامِ مانشد رے بدور انِ شما	۸	عمرِ تمانِ باد اور از اساقیانِ بزمِ شما
۹	کائے سنجقِ شناسانِ گوے میدانِ شما	۹	لے صبا با سکتانِ شہرِ یزد از مابجو
۱۰	بندہ شاہِ شما یمِ فستِ فخر انِ شما	۱۰	گرچہ دوریم از لبِ طاقِ بہتِ دوست
۱۱	کاندین رہ گشت بہ بسیارِ دفریانِ شما	۱۱	دور دار از حقِ کونِ من جو بر با گذری
۱۲	تا بوسم تم جو گردونِ خاکِ ایوانِ شما	۱۲	لے شہنشاہِ بلند اخترِ خدا راستے

میکہ حافظِ دعاے بشنو آملے جو -

۱۳ روزی مابا دلِ شکرِ شانِ شما

(۱) ترجمہ - لے کدو حسن کی چمک تیری روشن چہرے سے ہے۔ حسن کی بے تیر چاہِ زرخندان ہے
 فروغ - بھمتین یعنی روشنی - ماہ حسن - حسن کا چاند - یہاں معنی حسن (مطلق)
 زرخندان - بمعنی زرخ - و دقن - دان - زائید

معشوق کو مخاطب کر کے کہتا ہے - کہ تمام عالم میں جس قدر حسن ہے - اس کی خوبصورتی اور اس
 کی روشنی کا منبع صرف تیرا روشن چہرہ ہے - جس طرح کہا جاتا ہے کہ چاند کی روشنی فانی نہیں -
 بلکہ آفتاب کی روشنی کا پرتو ہے - یعنی چاند برفیہ روشن نہیں - سورج کی شعاعیں اس سے منعکس ہو کر چاند

کو روشن دکھائی ہیں اسی طرح شاعر کہتا ہے کہ حسن کے چاند کی روشنی یعنی سارے جہان کے حسنین کا حسن تیرے حسن کا پرتو ہے۔ تیرے روشن چہرہ کی روشنی ہر ایک قبضہ کو تیرے پرتو پر چمکنا چاہتی ہے۔

فکل یلح حسنہ من جمالہ	معارلہ بل حسن کل ملیحہ۔	دعا
یعنی حقیر خود بصورت ہیں۔ ان کی خوبہدورتی اسی کے جمال سے عاریت لی ہوئی ہے۔ اہل تصوف کے نزدیک تمام جہان کے نور کا ماخذ نور الہی ہے۔ وہ چونکہ اس کی ذات کے سوا اور کسی کو بھی ہی نہیں گنتے۔ اس لئے کسی چیز کا جمال ہی جمال الہی سے الگ شمار نہیں کرتے۔ واللہ نور استملا		
اں را کہ بخود وجود بود	اور از کجا جمال باشد	دعا

دوسرے مصرعہ کا مطلب بھی وہی ہے۔ جو پہلے مصرعہ کا ہے۔ پہلے مصرعہ کی طرح الفاظ مجاز میں مکرر وہی حقیقت ظاہر کی ہے۔ اور کہا ہے کہ غوی یعنی حسن کی وہ نق تیرے چہرہ و تختہ ان ہی اس مصرعہ میں نکلتی ہے۔ کہ لفظ آج چہرہ کو صنعت سے نام استعمال کیا گیا ہے۔ اگر آج نہ مگر معروف پائی کہا جائے۔ تو گویا مصرعہ ہذا کا یہ مطلب ہوا۔ کہ خوبروئی کا تمام پانی تیرے ہی لئے زرخندان سے آیا ہوا ہے۔ مگر الفاظ کی صرف نزاکت استعمال ہی ہے۔ مطلب بس اتنا ہی ہے۔ کہ تمام حسن کی آبروی تیرے ہی زرخندان کی وجہ سے ہے۔

(۲) ترجمہ۔ لبون آئی ہوئی جان تیرے دیدار کا ارادہ رکھتی ہے۔ والہ ہو گیا ہر آجائے تبارا حکم ہے۔

تیرے صاف ہے مطلب یہ کہ جان لبون آئی ہے۔ اور تیرے دیدار کی شائق ہے۔ اب تیری مرضی پر منحصر ہے۔ کہ تو اسے دیدار دیکر دوبارہ زندگی بخشے یا اسے دیدار سے محروم رکھے۔ اور اسی حیران میں وہ قالب سے جدا ہو جائے۔

بلیم رسیدہ جانم تو سیا کہ زندہ مانم یہ رائے ال کہ من نہ مانم کچھ کار خواہی آمد دوسری صورت یہ بھی ہو سکتی ہے۔ کہ کہا جا کہ جان تیرے دیدار کے ارادے چھینٹا کی سے چل کر لبون تک پہنچی ہے۔ اب تیرے حکم کا انتظار ہے۔ اگر تو اجازت دے۔ تو لبون سے بھی باہر آکر تیرے دیدار کر لے یا پھر واپس اپنی جگہ پر چلی جاؤ۔ یہ کہا گیا ہے۔ کہ تو اس وقت کے

وہ اس مجرب سبکدوش شریعت بنا۔ وہم واپسین پر کثیف انشا کا ہونا ہی ایسی اصول کی بنیاد ہے۔
نزع کے وقت خالق و مخلوق کے درمیان جو پردہ ہوتا ہے۔ وہ اٹھ جاتا ہے اور بعد ہر گزیدہ بار
اب تک ہوجاتا ہے۔

(۳) ترجمہ۔ اے خدایہ مدعا کہ جیسا صل ہو گا۔ کہ متفق ہو جائیں میری طبعی اور تمہاری لطف
پریشان۔

دوست دادن۔ دیس ہونا۔ مہارستان۔ ہمدست شریک متفق برابر۔ ہمدست
ان زائد یا معنی ہمارستان۔ یہ تحقیق الف یعنی ہمکلام۔

معشوق کی لطف پریشان ہوتی ہے۔ اور وہ ہمیشہ عاشق کے دل کو ہی اپنے سودا میں پڑتا ہے۔
کبھی ہے۔ خواجہ ساجد جاگرتے ہیں کہ وہ دن کب ہو گا تب میری دل جمعی اور تیری لطف
پریشان متفق ہونگی۔ سچا مہارستان کے ہمدست مراد لینا زیادہ موزون ہے لیکن جرح خاطر
مجموع ما اور زلف پریشان شامیں لفظی تفساد ہے۔ اسی طرح ان دونوں کا فی الواقع کیا ہونا بھی
اجتماع ضدیں ہو گا۔ تاہم عاشق کی یہ خواہش ضرور ہوتی ہے۔ کہ اسے جمعیت دل بھی نصیب ہو

اور زلف پریشان کا سودا بھی رہے۔ دیکھو ردیف مذاغرا (۱۰) شعر (۳)
لہم ترجمہ۔ کتنی تیر و نرگس کے عہد پر آرام حاصل کیا۔ اچھا۔ کہ تیری مست آنکھوں کی بات مستوی بھی ہیں
نرگس چشم مست معشوق۔ طرف لیسن۔ حاصل کرنا۔ فائدہ نفع اٹھانا۔ وجہ تسمیہ یہ ہے
کہ طوط کے معنی ٹیپہ کر کے ہیں۔ جو آرائش کیلئے باندھے ہیں مستوری۔ بندستی۔

مطلب یہ ہے۔ کہ تیری مست آنکھوں کے عہد میں کسی کو آرام نصیب نہ ہوا۔ اس لئے بہتر ہے۔ کہ
عاشق اپنی مستوری یعنی ثقاہت و ہوش کو تیری مست آنکھوں کے بدلے بیچ ڈالیں۔ اس شعر میں پھر
ظاہر کیا گیا ہے۔ کہ عاشق کو جب تک ہوش چکر مستی نہ خیریت محبت کے مشکل ہستہ پر آرام
نصیب نہیں ہو سکتا۔ اس کے علاوہ جو انسان علی دین ہو کم۔ جب یہاں عشق میں انسان سلطنت۔
ہی نرگس مست ہاتھوں میں ہے۔ تو ضرور ہے۔ کہ حصول عافیت کیلئے عشاق کو وہیستی کی زندگی بسر
کرنی چاہئے۔

حدیث میں آیا ہے۔ کہ الدنیا ساعۃ ولیس فیہا رستہ چونکہ دنیا میں فی الحقیقت رستہ

مشکل ہے۔ اور خفا کردینا دار آدمی کو یقیناً مرتے دم تک نام نصیب نہیں ہوتا۔ اس لئے جو یہ ہے کہ انسان مستوری کو مستی کے بدلے فروخت کرے یعنی عشق الہی کے نشہ میں سرشار ہو جائے تاکہ دنیا کے رنج و الم اسے ہر وقت مٹھل نہ رکھیں۔

ساقیا برتنیز و دروہ صبا مرا | خاک پر بس کن غم ایام مرا |
اپنی مستوری کو عشق کی مستی چھین پریش کرنے سے شاعر نے ایک گونہ سنا۔ سلیم نے ان کی غزل سے
نبی اشارہ کیا ہے۔ اور اس کی تصدیق کی ہے۔

در کار خانہ کہ بہ بالینش ہفت فلک است | ہشیار ز لسن تن زرقا لون حکمت است |
اگر شعر میں ہر روشنی کی جی افزوشہ پر ڈھایا تو مطلب ہو گا کہ معشوق کی چیم مسکے سامنے اپنی ہوشیاری کا اظہار اچھا نہیں۔

(۵) ترجمہ۔ شاید ہمارا سویا ہوا نصیب جاگ اٹھے۔ کیونکہ آنکھوں پر تیرے روشن سپر نے پانی گرا دیا۔ عام دستور ہے۔ کہ سوئے ہوئے آدمی کو جگانے کیلئے اس پر پانی چھڑکا جاتا ہے۔ نیز اگر آدمی خواب میں بیدار ہو کر بھی پورے طور پر ہوش میں نہ آئے۔ اور ابھی تک خواب باقی ہو۔ تو پانی نہ دیا۔ آنکھوں پر پانی چھڑکا جاتا ہے۔ کہ آدمی بالکل ہوشیار ہو جائے۔ شاعر کہتا ہے۔ کہ میرے سوئے ہوئے نصیب اٹھانے جاگ اٹھیں گے۔ کیونکہ تیرے روشن چہرے نے آنکھوں پر پانی چھڑکا ہے۔ عاشق کی آنکھیں بول بھی پریم ہوتی ہے۔ اور پھر کسی روشن چیز کو دیکھ کر آنکھوں میں پانی بھی پانی آجاتا ہے۔ پس مطلب یہ ہوا۔ کہ اے محبوب تیرے روشن چہرہ کا نظارہ چونکہ مجھ نصیب ہے اسے اسلئے امید ہے کہ میرے سوئے ہوئے نصیب جاگ اٹھیں گے۔ ملاحظہ ہے۔ کہ معشوق کا دیدار خود بھی ایک بے نقوش نصیبی ہے۔

منظر جان جانان کی آنکھوں سے تو سیلاب چل گئے۔ مگر اس کی بخت گرا خواب بیدار نہ ہوا۔
آئے نر و دیوئے گرا خواب بخت ما | با آنکھ گریہ واد بہ سیلاب رخت ما |

لفظ مگر کے معنی اس شعر میں سکین نہیں۔ بلکہ شاید ہیں۔
(۶) ترجمہ۔ عبا کے ہمراہ اپنی چہرہ سے ایک گلہ تہہ صبح۔ شاید کہ ہم بھی نیرے باغ کی کھائی کی خوشبو سونگھ سکیں۔

نو۔ مخف بود معنی شاید۔ بشتویم۔ از شنیدن یا الفتویہ مصدر دو معنوں میں استعمال
 آتی ہے۔ سننا اور سوچنا۔ یہاں سوچنا ہے۔ بستان مخف بوستان یعنی باغ۔
 آواز اور خوشبو ایک جگہ دوسری جگہ تک چونکہ صرف ہوا کے ذریعے پہنچتی ہے۔ اس لیے شاعر عیشہ
 عاشق و معشوق کو درمیان قاصد کا حکم باد صبا سے لیتے ہیں۔ رضا معشوق کو بوجہ سستی۔ نزاکت۔
 اور خوشبو کے گل و تشبیہ ہی جاتی ہے۔ یہاں گلہ مستہ معنی صرف خوشبو کے لیے پیاہٹیں کیونکہ صبا
 گلہ مستہ کو ایک مقام سے دوسرے مقام تک نہر پہنچا سکتی۔ بلکہ صرف خوشبو کو۔
 مطلب یہ ہے۔ کہ صبا کے ذریعے گل رضا کی خوشبو مجھ تک پہنچے۔ تاکہ میں بھی تمہارے گلشن
 کی سرزمین کی خوشبو سے اپنے دل کو معطر کر سکوں۔

(۷) ترجمہ۔ دل خرابی کرتا ہے معشوق کو خیر و۔ ضرور اے دوستو میری اور تمہاری جان
 کی قلم ہے۔

چونکہ عاشق کا دل بے قابو میں نہیں رہتا۔ بلکہ معشوق کے بس میں رہتا ہے۔ اس لیے اگر دل کی خرابی
 برپا کرنے لگے تو ضرور ہو۔ کہ دلدار کو اطلاع دی جائے۔ کیونکہ وہی اسے روک سکتا ہے۔ اسی لیے عاشق دوستوں
 ہمشرب کو اپنی اور ان کی جان کی قسم دیکر بڑی زور سے کہتا ہے۔ کہ وہ اسے معشوق کو خیر کریں۔ تاکہ
 وہ دل کو خرابی نہ روکے۔ عاشق کا دل جو خرابیاں کر سکتا ہے۔ وہ ظاہر ہر قابل تشیع نہیں۔ رضا جن
 نے یہ بھی معنی کو دیں۔ کہ اب طاقت اخفا سے راز نہیں رہی۔ دل میں اگر کوئی افکار نہ چاہتا ہے۔
 اس لیے دلدار کی مدد کی درخواست کی ہے۔ ظاہر ہے۔ کہ جب دل بے قابو رہے گا۔ راز کے اخفا سے ممکن ہے
 مگر بے لقا ہو گیا۔ تو عاشق ہزار مایوسی باتیں کرتے لگتا ہے جن سے راز عشق کھل جاتا ہے۔ خواہ
 حافظے خود بھی اس خیال کو دوسری جگہ ظاہر کیا ہے۔

(۸) ترجمہ۔ سب بزم جم کے ساتھ تمہاری ضرورت ہو۔ گرچہ ہمارا پیالہ تمہارے عہد میں سب کو ہی پڑا
 جم۔ یعنی جمشید جام کو جم سے نسبت ہے۔ کہ سب سے پہلے جمشید نے جام ایجاد کیا۔ بزم جم سے
 مراد بھی بزم ہے۔

ساقیان بزم جم کو مخاطب کر عاشق کہتا ہے کہ گرچہ تمہارے عہد میں ہر کوئی شربت پیا کرتا ہے۔

نسیب نہیں تھا۔ تو بھی ہماری دعا ہی ہو۔ کہ خدا تمہاری عمر دراز کرے۔ کیونکہ جتنی بھی ترس ہوئی ہو وہ آپ کی ہر بانی ہے۔ اور اس کا شکر یہ لازم ہے۔ اور آئندہ ہی اگر کیم امیکا۔ تو تم سے ہی ہو سکتی ہے یہ بھی قاعدہ ہے۔ کہ بخوار کو اگر ہزار جام پئے دیا جاوے۔ پھر بھی وہ کمی کی شکایت ہی کریگا۔ جام کیا اگر ساتھی ختم کے ختم بھی لٹھ کاوے۔ تو بھی بخوار کی تسلی نہیں ہوتی۔ ہمیشہ صد اہل من حزیہ ہی سنائی دیتی ہے اسی طرح عاشق حق کو بھی کبھی سیری نہیں ہوتی۔ وہ جتنے اپنے محبوب کے قریب ہوتا ہے۔ اتنی ہی ہر ترش عشق تیر تر گردہ سے سو مراد جو صوفیائے کرام لیتے ہیں۔ وہ مفصل لکھی جا چکی ہے۔ اور اسی لڑو دوبارہ اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

لفظ دوران کے استعمال میں بھی ایک فونی ہے۔ جو قابل ذکر ہے۔ وہ یہ کہ لفظ دوران گرچہ بیان معنی عہد لیا گیا ہے۔ مگر نرمے میں دور سا غرضی ہوتا ہے اور یہاں لکھنا دوسرا سے ہی مراد لی جا سکتی ہے۔

بعض شاعرین کہ شعر کے تحقیق معنی اور معنوی مطلب کے بیان کرنے کا اتنا شوق ہے کہ انہوں نے ہم سے مراد حضور سرور کائنات کی ذات خاص لی ہے۔ اور ساقیان پریم جم کو صحابہ کرام سے تاویل کیا ہے۔ مگر کیا ضرور ہے کہ اس حد تک تاویلیں کی جاویں۔ اصطلاحات تصوف میں سب کچھ درست مگر پھر بھی۔

ع باخدا و لوانہ باشق باحمد سرہوشیار
(۹) ترجمہ۔ اے صبا یزد کو باشندوں کی ہماری طرف سے کہو کہ اے ناحق شناسوں کا تمہاری میدان کی گیند ہو۔

(۱۰) ترجمہ۔ گرچہ ہم قریبے دور میں ہمت دور نہیں۔ ہم تمہارا بادشاہ کے غلام اور تمہارے شائقان ہیں۔ ہمت۔ قصد دل۔ ارادہ۔ نیز معنی دعا۔

یہ دونوں شعر قطعہ بند ہیں۔ اور اسی لڑوان دونوں کی تشریح کی جا لکھنی مناسب ہے۔ اس غزل میں ایک مطالب عشق کا بیان ہوا ہے۔ اب ان دو شعروں میں شاعر نے بطریق گریز جو صنعت قطع الکلام کی ایک قسم ہے۔ نور آروئے سخن دوسری طرف کر لیا ہے۔ اور شہر نیر کے باشندگان اور بادشاہ کی دعا و صلح میں یہ شعر کہہ کر پھر بطریق سابق بیان عشق میں ترقی غزل لکھی ہے۔

شعر نمبر (۹) میں صنعت اعتراض ہے۔ چنانچہ شاعر نے ضمن کلام میں دوسرا شعر یہ لکھا ہے

اس مختصر بھی حسبِ اوقاف و عہدہ کو دیا گیا ہے۔ یہ سب سببیں ہیں کہ اسے صبا میری طرف سے بابر
اپنی نزدیکی کہہ لے اہل نیر (خدا کرے کہ ناشکر گذاروں کے سر تمہارے چوگان کی گیند بنیں) میں
گرچہ تم سے دور ہوں لیکن میرا دل تم سے دور نہیں۔ میں تمہارا دعا گو ہوں۔ اور یہاں اس فاصلہ پر
بھی تمہارے بادشاہ کا غلام ہوں۔ اور تمہارا مداح۔

یہ حاج عارف فقہ کے استعمال میں ایک اور نزاکت بھی ہے۔ کیونکہ یہ فقرہ صرف بغرضِ استعمال نہیں بلکہ
شاعر کو اپنے بیان کی راستی کی تائید بھی اس عام مظلوم سے۔ گویا شاعر کہتا ہے کہ لے اہل نیر اگرچہ میں تم سے دور
ہوں مگر ناواقف شناس نہیں ہوں میرا دل تمہارے نزدیک ہے۔ تمہارا اور تمہارے بادشاہ کا مداح
ہوں۔ خدا تمہارے ناواقف شناسوں کے سروں کو پامال کرے۔

ایک شاعر نے جو اپنے اس عارفیہ حملے کے معنی کو پس لے لے اہل نیر تم نے ناواقف شناسوں کے سروں کو
اپنے کھیلنے کی گیند بنالیا ہے۔ یعنی غیروں سے ربط و ضبط پیدا کیا ہے۔ یعنی عجیب پس اور پھرا سی پر
اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ حقیقی معنی بیان کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا ہے۔ کہ وہ لوگ جو صرف ظاہر دیکھتے
اور دل میں عشقِ حقیقی کا جذبہ نہیں رکھتے تھے۔ وہ بخوبی حقیقی کے پاس پہنچ گئے اور ہم را کھو۔ العجب
(۱۱) ترجمہ۔ جب تو ہمارے پاس سے گذرے۔ تو دامن کو خاکِ خون سے چھو پاتا کہونکہ اس راہ میں
سبب تم پر قربان ہو چکے ہیں۔

عاشق ہمیشہ اپنے آپ کو معشوق کی ادا کا کشتہ خیال کرتے ہیں۔ چنانچہ کشتہ خان خضر تسلیم
کشتہ ناز و غیرہ وغیرہ الفاظ کا استعمال عام ہے۔ چونکہ غلط فہمی اس سے پیدا ہوتی ہے۔ شاعر نے
معشوق کو مخاطب کر کے کہتا ہے۔ کہ اگر تو کبھی مہربانی کر کے مجھ پر دامن کے پاس سے گزے تو اپنے دامن
کو خون و خاک سے چھو پاتا کہونکہ میرا ہر رخسارِ خونی میں تڑپا ہوں۔ وہاں اور بھی ہزاروں عاشق
قربان ہو چکے ہیں۔ اور تمام راہ پر خون گرا ہوا ہے۔ دامن پر اگر چلنا۔ کلاس پر خون کا نشان نہ
سو جائے۔ مگر معشوق کو اس پر چلنے سے کیا فائدہ عاشق اس کی جانے کھ پاتا کہونکہ بنگے۔ کہ شہید
کا خون ہے۔ یا یہ کہہ دینگے کہ

اس طرف نہ مگر میں کہ جہاں رہا بہ خست

آلودہ کر ز خستہ از خون عاشقان

جرم تو پھر بھی ثابت ہو گا۔

ایک شاعر نے جو معروف و نامور شاعر تھے ان کے یہ شعر شہرت میں آئے ہیں۔
 جو کہتے ہیں کہ اے مرشد کامل اگر تو ہمارے پاس ہو کر گزرے یعنی لوگوں
 کو جاننا عزیز ہے۔ تو خاک خون و اپنا دامن بچائے رہنا یعنی دنیا و داروں اور ظاہر و باطن سے پرہیز
 کرنا۔ کیونکہ وہ ہی اگرچہ تجھ پر قربان ہیں۔ مگر ذاتی اور دنیاوی اغراض کو جو جہت پر تیری پوری طالب ہیں۔
 غیروں پر فیضان نہ کر۔ اور ان سے بچا رہے۔

(۱۲) ترجمہ۔ اے بلند اختر بادشاہ خدا کے ایسے ہمت بخش۔ تاکہ آسمان کی طرح متہارے آسمان
 کو بوسہ دوں۔

ایوان (۱)۔ بالفح۔ ایوان بالکسر و یا معروف مغرب لیسٹنگ گاہ بلند جس پر چھتا ہے۔
 اس شعر میں شاعر نے اپنے معشوق یا مدوح کی ایوان کی عظمت و عظمت کو بیان کیا ہے۔ اور کہا ہے
 کہ جس صرح آسمان تیرے ایوان کو چومتا ہے اسی طرح مجھ بھی اتنی الو العزیز اور رفعت نصیب
 کہ میں بھی تیرے ایوان کے فرش کو چوم سکوں۔ گویا فرش ایوان آسمان ہی بھی اوپر ہے۔ کہ آسمان مجھ
 سے اسے چومتا ہے۔ ظہیر قاری نے قزل ارسلان کی مدح میں لکھا تھا کہ

فریاد من نہ طارہ گردوں گزشتہ نیست	آسمان آن کہ نہ تحت آن آسمان دہ
نہ کرسی فلک نہ دالیشہ زیر یا	ناوسہ سر رکاب قزل ارسلان دہ

جس پر حضرت شیخ سعدی نے تخریض لکھی ہے

اچھ حاجت کہ نہ کر سکی آسمان	نہی نہ میرے قزل ارسلان
-----------------------------	------------------------

(۱۳) ترجمہ حافظ دعا کرتا ہے۔ سنا اور آمین ہو۔ کہ تمہارا لعل شکر افشان ہمارے نصیب ہو۔
 لعل شکر افشان۔ لب لعل۔ مغرب لال جو ہر سرخ رنگ قیمتی۔ لب کو جو ہر فری لال و
 تشبیہ دیتے ہیں۔ اور بوجہ شیرینی شکر افشان کہ ہے۔ لب لعل تنکڑا نا ہی کہا ہے۔
 اس دعا میں حافظ صاحب نے معشوق کو ہی شریک ہو کر دعوت دی ہے۔ دو سر لفظوں میں معشوق و
 اس درخواست کو منظور کرنے کی التجا کرتے ہیں۔ لطافت بیان قابلِ داد ہے۔

خواجہ صاحب دعا کرنے سے پہلے ہی آمین کی درخواست کرتے ہیں اس تقدیم و تاخیر کی وجہ ظاہر ہے
 شعر الف ہوا میں بھی خواجہ صاحب معشوق کو اسی قسم کی دعائیں شریک ہونے کو کہتے ہیں۔

غزل (۳)

۱	دل میرود ز دستم و اعدا ز خیمه	۱	دراکد از پنہاں خواہد ست آشکارا
۲	دہ روزہ مہر گزوں افسانہ ایست عشقوں	۲	نیکو بجائے یاران فرصت شمار یارا
۳	کشتی نشست گمانیم بے باو تہ طر خیز	۳	باشد کہ باز یستم آں یار اشتنارا
۴	در حلقہ گل مل خوش خواند و ش بلبل	۴	بات الصبوح حیو یا ایسا الشکارا
۵	لے صاحب کرامت شکرانہ سلامت	۵	رفوئے لفقہ لے کن دوشین بینوارا
۶	آسایش دو گیتی نفسیر در و حروف است	۶	باد و ستاں تطف با د کشتہ نانی بدارا
۷	ور کوئے نیک نامی مارا کند رنہ دادند	۷	مگر توئے پسندی نسی میر کن فتنارا
۸	آئینہ سکند جام جم است بنگر	۸	تا بر تو عزمہ دارد احوال ملک دارا
۹	کمرش مشکو کہ چون کعب از غیرت لبوزد	۹	دلبر کہ در کعب او موم است سنگ خدارا
۱۰	گر مہر حریفان این پاری بخواند	۱۰	در رقص حالت آید پیران پارسار را
۱۱	آں خوش کہ صوفی ام الخیا شش خواند	۱۱	اشمی لنا و علی من قبلہ العذارا
۱۲	ہنگام تنگدستی در غیش کوش و مستی	۱۲	کایں کمیایں ہستی قسارون کند گدارا
۱۳	خوبان پاری کو بخشند گل عسرد	۱۳	ساقی بدہ بشارت پیران پارسار را

(۱۳) اے شیخ پاک و امن معذور دار مارا
(۱۲) اے شہید ایں خرقہ مے آلود

(۱۱) ترجمہ۔ دل ہاتھ سے جاتا ہو۔ لے صاحبو بوجہ کہینہ مدد کو افسوس کہ تجنی راز فاش ہو جائیگا
صاحب دل۔ اہل دل۔ وہ آدمی جس کے پیلوین ل ہو۔ اور دل میں رہو۔
خدارا۔ برائے خدا مدد کرو۔

جب عشق ابتدا منزل کو گذر جاتا ہے۔ تو عاشق کا دل رفیعہ رفیعہ میقرار اور قابو ہو باہر ہوتا جاتا
ابتدا میں جب تک ل کے ساتھ پاسباں عقل ہوتا ہے۔ دل اختیار میں ہوتا ہی اور راز عشق پوشیدہ

رہتا ہے۔ مگر ہر قدر آتش عشق تیز تر ہوتی ہے۔ اسی قدر دل ہی عاشق کے قابو سے نکلتا جاتا ہے۔ اور پھر عاشق کے حرکات و سکنات تابع عقل نہیں ہوتے۔ ظاہری۔ کہ اس صورت میں راز پوشیدہ نہیں رہ سکتا۔

خواجہ حافظ صاحب نے بے گان ہم مشرب سے مخاطب کر کہتے ہیں۔ کہ میرا دل اب تو باہر ہو رہا ہے۔ برا خدا میری مدد کرو۔ ورنہ افسوس کہ راز عشق جواب تک میں بعد محنت پوشیدہ رکھا ہوا تھا۔ ظاہر ہو جائیگا۔ نیرد کیو شعرت پم پم

(۲) ترجمہ۔ زمانہ کی دوزخ محبت ایک فسانہ اور افسوس ہے۔ اے دوست دوستوں کے ساتھ نیکی کرنا غنیمت جان۔

افسانہ۔ سرگذشت۔ ماجرا۔ حکایت بے اصل مجاز۔ افسوس۔ از قسم سحر دہ روزہ۔ نمین اعداد سے غرض نہیں۔ دہ روزہ یا دوروزہ سے مراد صرف یہ ہے کہ دنیا میں انسان کا قیام بہت تھوڑا ہے۔ اسی طرح بہت تعداد ظاہر کرنے کیلئے ہزار یا دہ ہزار کہہ دیتے ہیں۔ وہاں ہی مراد ہزار یا دہ ہزار سے نہیں ہوتی۔

یہ شعر اخلاق پر ہے۔ اور بالکل صاف ہی مطلب یہ کہ دنیا کی چند روزہ جتنی محض خواب ہے خیال ہے۔ قرآن شریف میں بھی دنیا کو لہو و لعب کہا گیا ہے۔ اگر کسی ساتھ چینی ہو سکتی ہے تو کر اور موقعہ کو غنیمت جان۔ حضرت شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

نیکی کن ای فلان و غنیمت شمار عمر | ز این شیر کہ با نکت دید فلان ماند

(۳) ترجمہ۔ ہم کشتی پر بیٹھے ہیں۔ اے موافق ہوا چل شاید کہ ہم بھراں بارشنا کو نکمیر شرط۔ بالضم۔ باد موافق و نشانی و علامت۔ باد موافق کو بھی شرط اسی واسطے کہتے ہیں۔ کہ وہ جہاز کے چلنے کی اور طوفان کے دور ہونے کی نشانی ہے۔ میر نور الدین نے شرح گلستان میں لکھا ہے۔ کہ شرط ان معنوں میں بالفتح ہے۔

آشنا۔ بمعنی شننا و یعنی تیرا و شننا وری یعنی تیرا۔ ازیر بان قاطع رسالہ ابو جراح میں بھی لکھا ہے۔ کہ آشنا بمعنی شننا و شننا وری آیا ہے۔ مثلاً مولانا روم نے لکھا ہے۔ ع۔ آشنا بگزار و رشتی نوح۔ امیر خیر کہتے ہیں۔ ع۔ ماہی چوبین باب آشنا۔ آشنا

دوسرے معنی مشہور ہیں۔

بعض نسخوں میں شنگانیم ہے۔ اور بعض میں شنگانیم۔ بقول عبد الواسع اگر شنگانیم پڑھا
۶۔ تو لفظ آشنا سے مراد شناوری جاوگی۔ اور اگر شنگانیم پڑھا جاوے۔ تو آشنا
دست ہوگی۔

شعر کا مطلب صاف ہے کہ ہم کشتی پر سوار ہیں۔ اور کشتی ٹوٹی ہوئی ہے اے باد موافق چل اور
کشتی کو اس تیرا کشتی کے پاس لیجا۔ کہ وہ ہم کو بھی بچالے۔ یا کہ ہم کشتی پر سوار ہیں۔ اے
افق چل اور ہمیں اپنے دوست تک پہنچا دے۔

اکثر شعرا نے حیات دنیا کو کشتی سے تشبیہ دی ہے۔ مولانا آزاد فرماتے ہیں۔

جہاز عمر رواں پر سوار بیٹھے ہیں	سوار خاک ہیں اختیار بیٹھے ہیں
---------------------------------	-------------------------------

شیخ محمد ابراہیم ذوق نے کہل ہے۔

اس محب فنا میں کشتی عمر رواں	جس جگہ پر جا لگی وی کنارہ ہو گیا
------------------------------	----------------------------------

نواجہ حافظ نے بھی شب تاریک ہم موج والے شعر میں یہ تشبیہ استعمال کی ہے۔ اور اس
حرف میں پھر راہ عشق کو بحر فرض کر کے باد موافق سے التجا کی ہے۔ کہ وہ انہیں منزل مقصود
لے چلے۔ تاکہ انہیں صال یا نصیب ہو۔

(۱) ترجمہ۔ حلقہ گل مل میں گل بلبل کیا اچھا کہتی تھی۔ شراب صبحی لاؤ اے مستو جلد آؤ۔
ب۔ بالضم۔ شراب۔ صبح۔ لفتح۔ میخواروں میں شراب کے نام بھی وقت وقت پر ہیں
بشراب پی جاتی ہے۔ اے صبح کہتے ہیں۔ اور جو شام کو پی جائے۔ اے غلبوق۔

ری۔ لفتح و بالضم۔ مستان۔ حلقہ گل مل سے وہ بزم مرادی جانی چاہئے
نہیں۔ کیونکہ گل مل ہر دو کا ہوا ضروری ہے۔ اور پھر بلبل کا تو دوسری جگہ موجود ہونا
مشکل ہے۔

ارغ میں بزم لگی ہے۔ اور در جام جاری ہے۔ صبح وقت ہے۔ بلبلیں چھیڑ رہی ہیں
متوں کے نزدیک شرمست ہوتی ہے۔ شعر

ست ملائک مست و جان مست	پودا مست و شمع مست و شمع مست
------------------------	------------------------------

نغمہ خندیب سے انہوں نے یہی سمجھا۔ کہ تنبیہ منادول بھی دور سا غری تاخیر کر رہی ہیں
(۵) ترجمہ۔ اے صاحب کرامت سلامتی کے شکر نہیں کسی روز درویش بے نوا پر مہربانی کر
تلفقد۔ تلاش گمشدہ پریش۔ مجاز یعنی داجی۔ مہربانی و مخواری۔ درویش۔ اصل
میں آویز ہے۔ گدا جو کہ وقت سوال روازہ کرتا ہے۔ اسلئے درویش یا درویش ہو۔ فقیران
صاحب معرفت اور خداز سیدگان گوشہ نشین کو یہی درویش کہتے ہیں۔
منولف غیاث اللغات کی رائے ہے کہ ان دو سر معنوں میں اس لفظ کو بالضم ہر تکریم پر چاہئے
کیونکہ ایک لفظ اور ایک لفظ ایک ہی لفظ نامناسب ہے۔ درویش معنی ثانی مرکب از
دو معنی معروف و ویش بجاوش کلمہ تشبیہ۔

شکرانہ سلامت۔ اس کے معنی دو ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ ”اپنی سلامتی کے شکر یہ ہیں“
یعنی خدا نے سچے بزرگی بخشی ہے۔ اس کے شکر یہ میں مجاہد پر نوازش کر۔
دوم یہ کہ ”یہ سلام پیش کرتا ہوں“ یعنی اے صاحب کرامت تجھ پر سلام ہو۔ مجاہد پر
بھی بھی نظر عنایت فرما۔

لفظ شکرانہ میں قی کلمہ آئے ہے۔ وہ کہی بطور کلمہ لیا اور کہی بطور کلمہ نسبت استعمال ہوتا ہے
لفظ شکرانہ بمعنی بیشک استعمال کیا جاتا ہے۔ اسلئے شکر سلامت میں دو معنوں کا احتمال ہے۔ واللہ
علم بالصواب شعر کا مطلب صاف ہے۔ زیادہ تشریح کی ضرورت نہیں۔

(۶) ترجمہ۔ دو نوجوانوں کے آرام ان دو حرفوں کی تفسیر۔ دوستوں کا لطف اور دشمنوں کا نہایت
گہنی۔ بالکسر عالم دنیا۔ مدارا۔ دراصل مدارا ہے۔ کلام فارسی میں دست گراوی ہیں بمعنی
صلح۔ ہشتی۔ رعایت۔ یہ شعر بھی اخلاق میں ہے۔ خلاصہ یہ کہ عاقبت و دنیا کا آرام
اسی ہے کہ آدمی دوستوں پر مہربان ہو۔ اور دشمنوں کے ساتھ صلح و اشتی رکھو۔ اور ان کو
ساتھ رعایت و پیش آوے۔ تطف اور مدارا میں تم فرق ہے۔ کہ تطف میں علی ہمدردی اور
مدار شامل ہے۔ اور مدارا میں صرف ضرر سانی اور عداوت کی نفی کی گئی ہے۔ اور اسے رعایت
بھی شامل ہے۔

حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے کہ۔

دل دشمنان ہم نہ گرد نہ تنگ	استندیم کہ مردان را خوشدا
کہ باد و ستانت خلاف است	ترا کے منیر شود این مقام

دشمنوں کے ساتھ جو سلوک مردانِ خدا کا ہونا چاہیے۔ وہ مندرجہ ذیل اشعار سے بھی واضح ہوتا ہے۔

اگر دشمن سازد یا تو لے دومت	ترا باید کہ بادشمن بسازی
وگر لےجے دہد مخروش و خراش	تو کل کن بہ لطف بے نیازی
وگر نہ حیند روزے صبر فرما	نہ او ماند نہ تو نے خنہ رازی

(۱) اگر تجھے۔ نیکنامی کے کوچہ میں۔ بچے نہ گذرے نہ زیا۔ اگر تپہ لپیڈ پہنچے۔ اور نہ کھینچیں۔
 نہ داند۔ کا فاعل عاملان قضا و قدر ہے۔ تعمیر بروزن تشریف از باب لفظیل۔ بدل بیتا۔
 عام گفتگو میں تغیر از باب لفظ استعمال ہوتا ہے۔ (تاج المصداق تہیقی) تہیر۔ بدل جیانا۔
 شعر کا مطلب تو صاف ہے۔ خواجہ صاحب فرماتے ہیں۔ کہ تجھ کو عاملان قضا و قدر
 نے نیکنامی کے کوچہ سے گزرنے کی اجازت ہی نہیں دی یعنی میری قیمت میں ہی بدنامی لکھی ہے
 تو مجھ پر اختیار ہے۔ البتہ اگر تجھ کو یہ بات پسند نہیں۔ تو میری قیمت کو تبدیل کر دے۔ غلام
 ہے کہ محتاط کو خواجہ صاحب کی قیمت میں تغیر کرنے کی طاقت نہیں صرف اپنی مجبوری کی تصدیق
 کرائی ہے۔ کہ میں اگر مجبور ہوں۔ تو تو ہی اگر مجھ کو سکتا ہے۔ تو کر۔

مسئلہ جبر و قدر اس شعر میں خواجہ صاحب نے مسئلہ جبر و اختیار کی بحث چھیڑی ہے۔ اور
 خود کو مجبور خیال کیا ہے۔ چونکہ یہ ایک ضروری مسئلہ ہے۔ اور اسی شعر میں نہیں بلکہ خواجہ
 صاحب کے کلام میں سینکڑوں جگہ اور دیگر شعراء ایران و ہند کی تصنیفات میں ہزاروں جگہ اس
 مسئلہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ لہذا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ جبر و اختیار کے متعلق محفل
 یہاں کچھ بیان کر دیا جائے۔

یہ مسئلہ ایسا اذوق اور پیچیدہ ہے۔ کہ اس پر قطعی رائے ابھی تک کوئی قائم نہیں ہوئی
 جبری اور اختیاری ہر دو فریق کے پاس ایسے دلائل موجود ہیں۔ جن کا دوسرے کے پاس
 جواب نہیں پیشتر اس کے کہ اس مسئلہ کے متعلق مختلف فلاسفوں کے اقوال بیان کئے
 جاویں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ قوتِ ارادی اور قوتِ فیصلہ کے متعلق محققانِ فرنگ

جس نتیجہ پر پہنچے ہیں۔ اس کا ذکر کیا جاوے۔

پیر و فیلسر ٹوٹ لکھتا ہے کہ جبر انسان کو کسی فعل کے کرنے یا نہ کرنے کا خیال دل میں پیدا ہوتا ہے۔ تو پہلے اس کے دماغ میں ایک موازنہ کی کیفیت ہوتی ہے۔ خیال میں دو بالمقابل طریق عمل موجود ہوتے ہیں۔ اور ترازو کی طرح دل کبھی ایک طرف اور کبھی دوسری طرف مائل ہوتا ہے۔ آخر کار دماغ ایک طریق عمل پر پابند ہونے کا فیصلہ کر لیتا ہے۔ فرقہ اختیاری کی رائے ہے۔ کہ جب دماغی موازنہ جاری ہوتا ہے۔ آدمی کے دل میں ایک نیا خیال ایک لحظہ اگر دل کو ایک طرف یا دوسری طرف مائل کر دیتا ہے اور یہ نیا خیال حالت موازنہ میں موجود نہیں ہوتا۔ اور نہ اس آدمی کی خلقت میں موجود ہو جاتا ہے۔ اور نہ ہی اس آدمی کی گذشتہ زندگی اور نہ اس کی اجداد کی زندگی کے حالات کا اس نئے خیال سے کچھ تعلق ہوتا ہے۔ گویا یہ نیا خیال بالکل ہی ایک نئی چیز ہوتی ہے۔ جو عین اُس وقت آ موجود ہوتی ہے۔ برخلاف اس فرقہ جبریہ کی رائے ہے۔ کہ یہ فیصلہ کن خیال جو دماغی ترازو کے ایک طرف کو آکر بھاری کر دیتا ہے۔ وہ نیا نہیں ہوتا۔ بلکہ عمل موازنہ میں جو کوائف موجود ہوتے ہیں۔ ان کا قدرتی نتیجہ ہوتا ہے۔ اب یہ امر تو مسلمہ ہے۔ کہ جب انسانی دماغ اس حالت موازنہ سے حالت فیصلہ کی طرف انتقال کرتا ہے۔ تو یہ تبدیلی ایسی نامعلوم اور یک لحظہ ہوتی ہے۔ کہ فریقین کی رائے کی تائید یا تردید کرنی مشکل ہو جاتی ہے۔ مگر چونکہ فرقہ اختیاری ایک سننے اور بالکل ہی نئے خیال کے پیدا ہو جانے کے حامی ہیں اس لئے بارشوت ان پر ہے۔ کہ وہ اپنے بیان کی تائید میں ثبوت پیش کریں۔ ہم ان کے بیان کی مکمل تردید تو مشکوک نہیں کر سکتے۔ مگر ان کے بیان کو صحیح مسمیٰ نہ ہو رہی ہم مجبور نہیں۔ حالت موازنہ کو جیسا پہلے کہا گیا ہے۔ کہ ترازو سے تشبیہ دی جاسکتی ہے۔ جس میں وزن کیا جا رہا ہو اور کبھی ایک پلڑا اور کبھی دوسرا پلڑا بیٹھتا ہو۔ جوں جوں یہ عمل موازنہ مکمل ہوتا جاتا ہے۔ پلڑوں کا اٹھنا بیٹھنا کم ہوتا جاتا ہے۔ اور آخر کار نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ ترازو کے پلڑے ایک خاص صورت اختیار کرتے ہیں۔ یعنی ایک طرف صاف طور سے جھک جاتی ہے اور اس حالت میں دماغ جس طریق عمل پر مائل ہو جاتا ہے۔ اس پر کار بند ہونے کا مصمم

فیصلہ اور راز کر لیتا ہے۔ مگر یہ ایک سادہ خیال ہے۔ اس سے زیادہ پیچیدہ اور جس واقعہ ہو جاتی ہیں۔ مثلاً دماغ دو مختلف طریق عمل کے درمیان موازنہ کر رہا ہے۔ اور کوئی فیصلہ نہیں ہوتا۔ دونوں پڑے علی الترتیب اٹھتے اور جھپکتے جاتے ہیں۔ اور کوئی خاص متقل صورت اختیار کرتے ہی نہیں۔ ایسی صورت میں فرقہ اختیار یہ کی رائے کے مطابق ضروری ہے۔ کہ کوئی نیا خیال اس مشکل کو حل کرنے کے لئے آمو جو ہو اور ترازو کے ایک کپڑے میں اکر اسے یقیناً اور مستقل طور سے چمکا دے۔ تاکہ دماغ صورت فیصلہ اختیار کرے۔ اس ہیئتہ صورت کو فرقہ صبریوں حل کرتا ہے۔ کہ جب صورت موازنہ جاری ہوتی ہے۔ اور کوئی فیصلہ ہوتا نظر نہیں آتا۔ دل کبھی ایک فعل کی طرف مائل ہوتا ہے۔ اور کبھی دوسرے کی طرف اور یہ کدھن جاری ہوتی ہے۔ اس وقت فیصلہ کرانے والی دو صورتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اول یہ کہ انسان کو اس موازنہ کی حالت میں اگر وہ بہت دیر تک رہے۔ نصرت پیدا ہو جاتی ہے۔ کیونکہ وہ صورت تکلیف دہ ہے۔ دوم یہ کہ دنیا کے واقعات آدمی کو مجبور کرتے ہیں۔ کہ وہ کچھ نہ کچھ فیصلہ ضرور کرے تا ورنہ کسی نہ کسی طریق عمل کو ضروری عملی جامہ پہنائے۔ اور جب یہ صورت ہو جاتی ہے کہ دماغ موازنہ سے تنگ آجاتا ہے۔ اور کوئی فیصلہ نہیں ہوتا۔ تو دماغ خطرناک ایسی لاپرواہی سے مائل ہو جاتا ہے۔ جیسے ہم سگریٹ کھن میں سے ایک سیمکریٹ اٹھا لیتے ہیں۔ اور یہ پڑا ہ نہیں ہوتی۔ کہ کونسا اٹھاؤں۔ آدمی ہی ایسی صورتوں میں دو مختلف طریقوں سے ایک کو ایسی ہی بے پرواہی سے اختیار کر لیتا ہے۔

جب دماغ فیصلہ کر لیتا ہے۔ کہ کونسا کام کرنا ہے۔ تو پھر وہ خیال اس کے دل میں رفتہ رفتہ حکم ہوتا جاتا ہے۔ اور بعض آدمی ایسے صندی پیدا ہوئے ہیں۔ کہ وہ اس خیال سے ہرگز نہیں ٹٹتے۔ اور بعض آدمی ایسے کمزور پی پیدا ہوئے ہیں۔ کہ جن کا فیصلہ کچھ وقت نہیں رکھتا۔ نہ ان کو خود اپنی قوت فیصلہ پر اعتبار ہے۔ اور نہ لوگوں کو۔

اسی بحث میں حکمائے فرنگ نے ان افعال کا پی ذکر کیا ہے۔ جو انسان سے بے اختیار اور بے قصد سرزد ہو جاتے ہیں۔ اور ان تصورات کا بیان ہی کیا ہے۔ جو خود بخود ان کے دماغ میں حکم ہو جاتے ہیں۔ انسانی وجود کے اندر بعض ایسی صورتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ جن

کا نتیجہ آدمی کی قوت ارادی کے ماتحت نہیں ہوتا۔ بلکہ ایک خاص شخص ارادہ کے برخلاف بھی انسان سے بعض فعل سرزد ہو جاتے ہیں۔ فرض کرو کہ ایک فوج نے ایک سپاہی کی چوٹی پر اندھیری رات میں ایک قلعہ کو سر کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ خاموشی اس فتح کے لئے لازمی ہے۔ کھانڈیا پھینکنا اس تمام مہم کی بربادی کا موجب ہو گا۔ اب ایک سپاہی کے ناک کے اندر کی جہلی میں بہت زور سے بجلی پیدا ہوتی ہے۔ وہ اپنے ارادہ کو اور محکم کرتا ہے۔ اور ہر ذریعہ سے چھینک کو روکتا ہے۔ مگر وہ نہیں کہتی۔ گویا جم کے اندرونی عمل نے اس کی قوت ارادہ کو مغلوب کر لیا ہے۔

اوپر کی ایسی مثالیں ہیں۔ جہاں قوت ارادہ ایک طرز عمل کو چاہتی ہے۔ مگر انسانی وجود اور توانغ کے بعض عارضی کوائف اس وقت ایسے پیدا ہو جاتے ہیں۔ جو ایک تصور محکم دماغ میں قائم کر دیتے ہیں۔ یہ تصور گرچہ عارضی ہوتا ہے۔ مگر عارضی خیالات کا نتیجہ ہوتا ہے۔ مگر اس قدر محکم ہوتا ہے۔ کہ قوت ارادہ پر عارضی طور سے غالب آجاتا ہے۔ مثلاً ایک آدمی ایک نہایت بلند مینار پر چڑھتا ہے۔ اور اس کے دل میں مجاہد خیال پیدا ہوتا ہے۔ کہ اگر آدمی یہاں سے گرتا تو کیا نظارہ ہو۔ ہر چند اس کی قوت ارادی اس کے خلاف ہے۔ اور وہ فیصلہ کرتا ہے۔ کہ گرنا مہلک ہے۔ اور میں کبھی نہ گروں گا۔ مگر وہ تصور محکم جس کا پہلے ذکر کیا ہے۔ وہ ایسا دلکش اور محکم ہے۔ کہ وہ غالب آجاتا ہے۔ اور بعض ایسے واقعات ظہور پذیر ہو چکے ہیں۔ کہ آدمی ہتھ بندھنا روئے سے باوجود قوت ارادہ اور فیصلہ کے برخلاف ہونے کے محض اپنی تصورات محکم سے مغلوب ہو کر گر پڑے ہیں۔

پروفیسر ریٹ نے ایک آدمی کی مثال لکھی ہے۔ جس کے دل میں اپنی ماں کو قتل کرنے کا تصور محکم پیدا ہو گیا۔ اس نے ماں کو کہا۔ کہ میں تیرا نہایت ممنون ہوں۔ میں تیرے دل سے تجھ سے محبت کرتا ہوں۔ مگر کچھ عرصہ سے میرے دل میں یہ تصور جاگزین ہو گیا ہے۔ کہ میں تجھے مار دوں اس تصور محکم سے تنگ آکر وہ گھریا چھوڑ کر چلا جاتا ہے۔ اور فوج میں فکری کر لیتا ہے۔ وہاں جا کر یہ تصور محکم بدل جاتا ہے۔ اور اپنی سالی کو مارنے کا خیال ہو جاتا ہے۔ کچھ مدت کے بعد کسی نے اسے کہا۔ کہ تیری سالی فوت ہو چکی ہے۔ اس لئے وہ اپنے گھر واپس آتا

ہے۔ مگر وہاں جا کر یہ دیکھتا ہے۔ کہ اسکی سانی زندہ موجود ہے۔ اس کو اس واقعہ سے نہایت
سچ ہوتا ہے۔ اپنے بھائی کو کہتا ہے۔ کہ تجھ کو مضبوطی سے باندھ کر ڈاکٹر کے پاس جاؤ۔
کہ تجھے پاگل خانہ میں داخل کرے۔

پاگل خانہ کے ڈاکٹر کو جو سچی اس نے لکھی۔ اس کا ترجمہ یہ ہے۔ "میں آپکے ماتحت آ رہا ہوں
میں وہاں بسیار ہونگا۔ جیسے کہ میں اپنی لپٹن میں رہتا تھا۔ آپ خیال کریں کہ میں اچھا ہو گیا ہوں
مگر آپ کبھی یقین نہ کریں۔ اور مجھے کبھی باہر نہ نکلیں۔ میری آزادی کا یہ نتیجہ ہو گا۔ کہ میں ایک
جرم کا ارتکاب کروں گا۔ جس سے مجھے خود نفرت ہے۔"
تصورات مجھ کو جسمانی حالات کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ وہ دماغی صحت کی صورت میں بھی واقعہ ہو جاتے
ہیں۔

انسانی خیالات کی رو اس کی قوت ارادہ کی پورے طور پر طبع نہیں ہے۔ مثلاً ہر ایک آدمی
چاہتا ہے۔ کہ اسے دنیا کے افکار مضحک نہ کریں۔ اور وہ ان کی طرف بالکل متوجہ ہی نہ ہو۔ وہ
اس کا بچتہ ارادہ ہی کرتا ہے۔ مگر تمام دنیا میں کسی آدمی کا دماغ ایسا زبردست طاقتور نہیں کہ وہ
اس ارادہ میں کامیاب ہو سکے۔

حکمائے فرنگ نے اس تمام بحث سے یہ نتیجہ نکالا ہے۔ کہ آزادانہ ارادہ یعنی اختیار فعل کل
طور سے کبھی حاصل نہیں ہو سکتا۔ اور یہ ہی کہا ہے۔ کہ یہ بحث ایسی عجیبہ ہے۔ کہ جب قدر
ہم اس میں غور کرتے ہیں۔ یہ ایک متعین جلی جاتی ہے۔
چنانچہ بعض حکمائے فرنگ نے جب وہ کسی قطعی نتیجہ پر نہ پہنچ سکے۔ تو یہ کہہ دیا۔ کہ انسان کو
اپنے فعل میں اس قدر اختیار ہے کہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ خدا نے اپنے اختیار میں کچھ
رکھا ہی نہیں۔ اور خدا کو انسانی افعال پر اس قدر اختیار ہے۔ کہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس نے
انسان کے ہاتھ میں مطلق کوئی اختیار دیا ہی نہیں۔

بظاہر یہ اجتماع ضدین ہے۔ مگر اس سے بہتر تفصیل ہی اب تک حکیموں نے نہیں کیا۔
ہم اب حکمائے اسلام کے بعض آراء کا اقتباس درج کرتے ہیں۔ یہاں فرقہ جبر یہ کی
طرف سے آگاہی یہ دلیل بھی پیش ہوتی ہے۔ کہ خداوند کریم کو جو عالم الغیب ہے۔ ماضی حال

اور عقل کا علم ہے۔ اور وہ علم صحیح ہے پس جب یہ صورت ہے۔ تو جو کام کل نتیجہ کرتا ہے۔ وہ خداوند تعالیٰ کو اُن معلوم ہے۔ چونکہ اس کا علم صحیح ہے۔ اس کو ضروری ہے۔ کہ میں کل ضرور وہ کام کروں گا۔ کوئی طریقہ نہیں۔ کہ وہ کام مجھ سے سرزد نہ ہو سکے۔ کوئی تدبیر کوئی تجویز کا رگہ نہیں ہو سکتی۔ اس لئے انسان کا اختیار کہاں ہے۔

دوسرا فرق یہ ہوتا ہے۔ کہ لیس انسان الا ماسعی۔ خدا کا فرمان ہے اور وہ سب کچھ انسان کی سعی پر چھوڑتا ہے۔ دوسری جگہ آیا ہے۔ اللہ لا یغیر بالقوم حتی یغیر واما بانفسہم۔ اس کا جواب یہی کوئی فرقہ جبریہ کے پاس نہیں۔ پھر فرمایا ہے۔ کہ ذالک بان اللہ لم یکن یغیر نعمت انعمہا علی قوم حتی یغیر واما بانفسہم (الانفال)

ادھر پھر قرآن شریف میں یہ ہی لکھا ہے۔ کہ انسان کچھ ارادہ نہیں کر سکتا۔ جب تک ہم ارادہ نہ کریں۔ وما تشاؤون الا ان یشاء اللہ رب العالمین (سپارہ ۲۹ ۲۰۶) اور ساتھ ہی یہ بھی آیا ہے کہ واللہ خلقکم واما تعلمون۔ (سپارہ ۲۳ ۷۶) کہ خدا تمہارا اور تمہارے افعال کا خالق ہے۔ اس تمام بحث کا یہی نتیجہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ آدمی ایک حد تک مختار ہے۔ اور اس سے آگے مجبور۔ پھر تفسیر ہو مقرر کرتا ہے کہ آدمی اس قطرہ آب کی مانند ہے جو ایک بند شیشہ کی گولی کو اندر ہو۔ اُس خلا کے اندر وہ ادھر ادھر حرکت کر سکتا ہے۔ مگر زیادہ نہیں۔ گویا وہ ایک خاص حد کے اندر مختار ہے۔ اور پھر مجبور۔

اس مسئلہ کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے۔ اس سے مراد صرف اتنی ہے۔ کہ بطور اجمال فریقین کی رائے اور ان کی تائیدی دلائل یک جا کر دیئے جائیں۔ تاکہ ناظرین خود بخود اپنی اپنی رائے قائم کریں۔ ورنہ اس سوال پر قطعی رائے تو راقم الحروف کی بساط سے باہر ہے۔ خواجہ حافظ بی اور شاعر کی طرح جبری خیالات کے ہیں۔ البتہ اتنا کہہ دیا ہے۔ کہ

گناہ اگر عین مجبور اختیار ماحفظ | تو در طریق ادب کو شوق گوناہ من بہت

اور یہ اصول اصول شریعت کے یہ موافق ہے اور مجاہد حکمائے اسلام کی رائے کا لب لباب بھی یہی ہے۔

حاصل کلام یہ ہے۔ کہ انسان مجبور ہی ہے اور مختار ہی ہے۔ ارادہ میں مجبور ہے اور فعل

پس چنگار۔ اناستاز۔ چنگار۔ غلبہ نہ چھوڑنی اختیار۔

یہ بھی تھی ایک غصہ کی بے ہمبیری دے کے یہ اختیار تھوڑا سا جب کہ دل ہی نہیں ہو قابو کا	دور نہ میں ہوں تحقیقاً مجسبیری کیا یہ لگا دیا ہے روڑا سا لگے اس اختیار کو نو کا
--	---

اہل سنت و جماعت کا عقیدہ یہی ہے۔ لاجیر و لا قدر و لکن امر المؤمنین الامرین۔ یعنی نہ جبر ہے۔

نہ قدر ہے۔ بلکہ میں میں ہے۔

(۸) ترجمہ۔ جام جم آئینہ سکندر ہے۔ دیکھتے تاج پر ملک دار کا حال روشن کرے۔
آئینہ سکندر۔ جام جم۔ یا جام جمشید اور جام جہان نما۔ یا جام جہان بینا یا
جام کنجیو۔ ان تینوں کا مختصر حال یہاں لکھنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ بعض شاعرین عموماً
اور عوام الناس خصوصاً۔ ایک کو دوسرے کے معنوں میں استعمال کرتے ہیں۔ اور ان تینوں میں
جو فرق ہے۔ اس کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔

آئینہ سکندر۔ سکندر اعظم نے جب شہر اسکندریہ کی بنیاد ڈالی۔ تو اہل فرنگ کے
مذہبوں سے اگلی حاصل کرنے کے لئے۔ اس نے ایک مینار بنوایا۔ اور حکمت اور طلسم سے
ذریعہ سے بھر کر شہر تیار کروا کر اس پر نصب کیا۔ اس پر ایک آدمی مقرر کیا۔ جو لشکر فرنگ کی تیاریاں
اس شہر سے دیکھ کر فریاد کرتا رہتا تھا۔ دو دفعہ لشکر فرنگ کو اس طرح رک ہوئی تیسری
دفعہ اس آدمی کی غفلت سے اہل فرنگ کی تیاری کا علم سکندر کو نہ ہو سکا۔ اور اہل فرنگ نے
شہر اسکندریہ کو تباہ کر ڈالا۔ اور اس آئینہ کو دریا میں پھینک دیا۔ پھر سکندر نے دوبارہ اس کو دریا
نکلوا کر مینار پر نصب کرایا۔ اور پھر کبھی اہل فرنگ سے رک نہ اٹھائی۔ تاریخ ہجرت العالم میں لکھا
ہے۔ کہ استنبول تک جو کچھ ہوتا تھا۔ اس آئینہ میں نظر آ جاتا تھا۔

جام جم۔ یا جام جمشید۔ جام کو جمشید سے یہ نسبت ہے۔ کہ جمشید نے جام بنایا۔
مراد ساغر نے لی جاتی ہے۔

جام جہاں نما۔ یا جام جہاں بین یا جام کنجیو۔ ایک جام بنایا تھا جس
خطوط ہندسی تھے۔ ان خطوط اور دوائر اصطلاح سے وہ ستاروں کا حال معلوم کرتا تھا۔ اور

حوادث روزگار سے آگاہی حاصل کرتا تھا۔

شعر کا مطلب یہ ہے۔ کہ جام جم یعنی ساغرے ہی ایک ایسی چیز ہے جس کے ذریعہ آئینہ سکندر کی طرح تو ملک دارا کے احوال معلوم کر سکتا ہے۔ گویا جام جم کیا ہے۔ آئینہ سکندر ہی جس کے ذریعے سے تو ملک دارا کی اصلیت معلوم کر سکتا ہے۔ یعنی شراب ہی انسان پر دارونیا کی ناپائیداری اور اس غجزہ کی غداری ظاہر کرتی ہے۔

ایک صاحب فرماتے ہیں کہ ”آئینہ سکندر مبتدا و جام جم خبر است نہ بالعکس۔ چرکہ احوال ملک عیان کردن مخصوص جام جم است۔“ یہ میری ناقص رائے میں بالکل غلط ہے۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ جام جام مبتدا ہے۔ اور آئینہ سکندر خبر۔ کیونکہ احوال ملک ظاہر کرنا مخصوص آئینہ سکندر ہے۔ یا مخصوص بجاں نہا ہے۔ مخصوص بہ جام جم نہیں۔

(۹) ترجمہ۔ سرکش نہ ہو کہ شمع کی طرح تجھ پر رہے جلا دیگا۔ وہ دلیل جس کے ہاتھ میں سنگ افراہی موم ہے خارا سنگ سخت شمع یعنی موم۔ مجازاً اور چیز جو موم سے بنا کر روشن کی جائے۔ دوسرا مصرعہ فاعل ہے۔ سوز و کا۔ غیرت میں ت سوز کی مفعول ہے۔ یہ شعری اخلاق میں ہو۔ اور ہر ایک شخص کو اس کا حق طبع کیا جاسکتا ہے۔ مطلب یہ ہے۔ کہ تو سرکشی نہ کر یعنی مغرور نہ ہو۔ ورنہ وہ دلیل جس کے ہاتھ میں سخت پتھر ہی موم ہو جاتا ہے۔ غیرت میں اگر تجھے شمع کی طرح جلا دیگا۔ ظاہر ہے۔ کہ شمع سرکش ہوتی ہے۔ کیونکہ اس کا سراٹھا ہوا ہوتا ہے۔ اور وہ جلتی ہے۔ چونکہ کبر حرف ذات کبر یا کوکب و کبر ہے۔ اور اسی ہی مخصوص ہے۔ اس لئے اگر کوئی دوسرا شخص کبر ظاہر کرے۔ تو قدرتاً غیرت اس کی تاب نہیں لاسکتی۔

(۱۰) ترجمہ۔ اگر یاروں کا مطرب یہ فارسی گائے۔ پیران پارا کو حال سننا قہر میں لائے گا۔ حرفیت۔ از حرفت۔ حرفہ۔ یعنی ہم پیشہ و ہم کار۔ یہ لفظ دوست دشمن ہر دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ وجہ یہ ہے۔ کہ ہم پیشہ لوگ اگرچہ ایک دوسرے کے بوجہ حسد دشمن ہوتے ہیں۔ مگر دوسرے لوگوں کے مقابلہ میں وہ باہم دوست ہوتے ہیں۔ حرفین یعنی ہم شرابان۔ مطرب حرفیان یعنی مطرب یاران۔

بعض نسخوں میں پہلا مصرعہ اس طرح لکھا ہے مگر مطرب حرفیان اس شعر خوش سرا لکھنا۔ مطلب یہ ایک

ہی ہے۔ اس پارسی سے مراد یہ غزل ہے۔ چونکہ غزل تصوف میں ہے۔ اس لئے اس کو سن کر پیران پارسا کا وجود میں آجانا غیر اعلیٰ نہیں۔ لطف پارسی و پارسا ظاہر۔
(۱۱) ترجمہ۔ وہ تلخوش جبکہ صوفی نے ام الحباثت کہا۔ ہمارے نزدیک پاکرہ کے پوسہ سے مرغوبے اور لذت مند ہے۔

تلخوش۔ شراب چونکہ تلخ ہوتی ہے۔ اس واسطے شراب کو تلخوش کہا ہے۔

قبلہ۔ بالضم پوسہ، عذرا۔ جمع عذرا بالغتہ۔ دختر دوشیزہ و زن بکر۔

حضرت رسول کریم نے شراب کو ام الحباثت کہا ہے۔ یعنی تمام خبیثاتوں کی ماں شراب ہے۔ اور یہ بالکل درست ہے۔ اس شعر میں چونکہ قول سول کی طرف صریح اشارہ کر کے اتنی نیکیاں ظاہر کی گئی ہیں کہ اکثر دلوں میں یہ شعر یک گونہ نفرت پیدا کرتا ہے۔ راجہ جہان نادر خان صاحب مرحوم چیف آف گلہڑ جو ایک عظیم دوست بزرگ تھے۔ کہتے ہیں کہ میرے دل میں ہمیشہ اس شعر کا وسوسہ رہتا تھا۔ اور یہ شکل کسی طرح حل نہیں ہوتی تھی۔ ایک رات میں اسی خیال میں سو گیا۔ خواب میں ایک بزرگ مجھے نظر آئے۔ جو بدریاوت معلوم ہوا حضرت خواجہ حافظ ہیں۔ انہوں نے مجھے کہا۔ کہ تجھے اس شعر پر اعتراض بجائے۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں۔ جو تو سمجھتا ہے حقیقت حال یہ ہے کہ میرے زمانے میں بعض بزرگ جو درسِ ندریں کا کام کرتے تھے۔ اور بظاہر بڑے متقی اور پرہیزگار تھے۔ ان کا قاعدہ تھا۔ کہ نو رسیدہ خواجہ بورت ہو گیا ہوا ان کے پاس پڑھا کرتی تھیں۔ کبھی کبھی موقعہ پاکر وہ ان پر دست درازی فرماتے تھے۔ اور یوس و کنار تک نوبت پہنچتی تھی۔ میرا اس شعر کے کہنے سے یہ مدعا تھا۔ کہ ان دو گناہوں کا مقابلہ کروں۔ اور میری رائے ہے۔ کہ شراب پینا اتنا برا نہیں جتنا ان بزرگوں کا فعل۔ میری غرض صرف یہ ہے۔ کہ شراب بدرجہا اس فعل سے اچھی ہے۔

مولف اس واقعہ کی صحت کا ذمہ وار نہیں۔ البتہ شعر کی تشریح قابل قدر اور قابلِ یاد ہے۔

اس میں شک نہیں کہ شراب پینے سے شراب پینے والے کی اپنی ذات پر اثر پڑتا ہے۔ اور اس دوسرے فعل سے خیر و کمی ذات پر بھی برا اثر پیدا ہوتا ہے۔ چنانچہ ہزارا کیسے فعل میں جو شراب سے زیادہ قبیح اور زیادہ مضر ہے۔ مگر عوام الناس میں ان کو اتنا برا نہیں سمجھا جاتا۔ جتنا شراب کو۔

غزل (۴۶)

۱	مطرب بگو کہ کار حباب شد یکام	۱	ساقی بنور بادہ برافروز جام سا
۲	اے خیر ز لذت شرابام	۲	مادر پیالہ عکس رخ یار دیدہ ایم
۳	کایک جلوه سرو و صنوبر حرام	۳	چند ادا بود کرشمہ و ناز سہمی قد ادا
۴	ثبوت است بر جریدہ عالم دوام	۴	بہرگز نمیبزد آنکہ دلش زندہ شد عشق
۵	راز و سیرہ انداختی ز ماسام	۵	مستی بچشم شامد و لب بند ما خوش است
۶	نان حلال شیخ ز آب حرام	۶	ترسم کہ صرفہ ترس روز باز خواست
۷	ز تہار عسیرہ بر جاناں پیام	۷	اے باد اگر بہ گلشن احب با بگذری
۸	خود آید آنکہ یاد نباشی ز نام	۸	گو نام ما ز یاد تعب را چہ میسبری
۹	اے مرغ بخت کے شوی آخر تو رام	۹	بگرفت بچہ لالہ و لم بر تو اسے سرو
۱۰	استمد غرق نعمت حاجی قوام	۱۰	دریائے اخضر فلک و کشتی ہلال

(۱۱) حافظ زویدہ دانہ اٹھتی ہے نشان
باشد کہ مرغ وصل کند قصد دام

(۱) ترجمہ - اے ساقی شراب کے نور تو ہمارے پیالہ کو روشن کرنے شراب ہو کہ جہاں کا کام ہمارے حب مراد ہے۔

شعر کا مطلب بالکل صاف ہے ساقی سوچام ہے کہ درخواست اور مطرب کو بدایت ہے کہ نغمہ ہائے کامرانی شروع کرے تاکہ بزم طرب بالکل گل ہو جائے۔ نور بادہ سے اگر نور معرفت ملی جاوے۔ تو جام کو جسم سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ بچہ از گفتن۔ گانا۔

(۲) ترجمہ - ہم نے پیالہ میں رخ یار کا عکس دیکھا ہے۔ اسے ہمارے شراب ملام کی لذت و نا آشنا۔

شراب ملام سے مراد دن لذت کی بخودی ہے۔ یعنی وہ نشہ جو کبھی نہ اترے۔ یا ہر وقت

پینے رہتا خواجہ صاحب نے شرب کو حرام نہیں کیا ہے کہ تو ہمارے شرب بدام کی لذت و
نا آشنا ہے۔ ع۔ ارے کم بخت تو سنے پی ہی نہیں۔ اس لئے معترض ہے۔ ہم نے جام
مے میں معشوق کا تنہا دیکھا ہے۔ اس لئے ہر وقت مست رہتے ہیں۔ پہلے لکھا جا چکا ہے۔ کہ
شراب پردہ خودی کو عاشق و معشوق کے درمیان کی اٹھا دیتی ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے
کہ عاشق لبرخ یا رکاشا بدہ کر لیتا ہے۔

(۳) ترجمہ۔ سہی قدوں کا ناز و کرشمہ اسی وقت کی ہے۔ جب کہ ہمارا سرو و صنوبر خرام جلوہ افروز
نہ ہو۔

کرشمہ۔ بکھر ترین۔ اشارت بحشیم و ابرو۔ سہی قدوں۔ سہی بالغہ بمعنی راست۔
یہ لفظ صرف سرو کی صفت ہو کر آتا ہے۔ یا بمناسبت سرو سہی۔ قد اور سہی قامت ہی کہتی ہیں
مگر لفظ سہی تنہا بمعنی راست کہی استعمال نہیں ہوتا۔

صنوبر۔ درخت چنوزہ چیل۔ یہ درخت ڈاز قد اور سہی قامت ہے۔ اور خاص کر جب ہوا
چلتی ہے۔ تو اس کا جو منہ نہایت خوبصورت نظر آتا ہے۔ صنوبر خرام صفت اور سرو و موصوف
ہے۔ ہمارا خوش خرام اور سہی قد معشوق۔

شعر چندان تشریح طلب نہیں۔ خواجہ صاحب نے کہا ہے۔ کہ معشوقان سہی قامت کا ناز و
انداز اسی وقت تک ہے۔ جب تک ہمارا خوش خرام اور سرو قد معشوق جلوہ افروز نہیں ہوتا۔
یہ مقابلہ معشوقان مجازی اور معشوق حقیقی کے درمیان ہے۔ یا معشوقان مجازی میں سے خواجہ صاحب
کے معشوق اور معشوقوں کے درمیان اس امر کی تفریق کی ضرورت نہیں۔ ناظرین خود اس کا قیام کر لیں
مندرجہ ذیل شعر ہی اسی قبیل سے ہے۔

چو سلطان عزت علم بر کشد	جہاں نہ تجیب عدم در کشد۔
صنوبر و کائنات کا یہ بیوں سے مقابلہ کرتے ہوئے کہا گیا ہے۔	
راحت خیل میں ہر ایک پارہ گرم لاف تھا	صبح کو نور شدید جب نکلا تو مطلع صاف تھا
مولوی سید محمد صادق علی لکھنوی لکھتے ہیں کہ روایت ہے۔ کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ لوگوں نے پوچھا کہ ما ہذا الشوق الذی یزیر بین الناس فی العالمین و لیسوا یقولون عشق قلان و قلانا	

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرمایا کہ ہوا قوم غفلوا عن اللہ عز وجل فخذلوا بہم باخلاقہم۔

(۱) ترجمہ۔ جس آدمی کا دل عشق سے زندہ ہوا وہ کبھی نہیں ترا جبریدہ عالم پر ہمارا دوا سمجھا جائے۔ جبریدہ عالم۔ جبریدہ یعنی تنہا و تنہا درخت بے برگ و دفتر۔ جبریدہ عالم بمعنی تاریخ عالم۔ مطلب یہ کہ جس آدمی کا دل عشق الہی میں زندہ ہو گیا۔ وہ کبھی نہیں ترا۔ اور تاریخ عالم سیرا اور نام عیشہ کیلئے باقی رہتا ہے۔ گویا فنا فی اللہ ہونے سے بقا بالذات اور برہنہ نصیب ہو جاتا ہے۔

اشھکان خبر سلیم را | ہر زمان از عشق جلدیو خرد آید

جب اب رسالت واجب نکاحوں ہے۔ کہ ان اوصیاء اللہ سے جو دنیا میں تعلقوں میں رہتا ہے۔ یعنی عاشقان اللہ مرتے نہیں۔ صرف نقل مقام کرتے ہیں۔

اسی مضمون پر امیر مینائی نے کہا ہے۔ کہ

فتاویسی بقایسی جب اس کے آشنا چھتا | سہی اس گھر میں تھے کبھی اس گھر میں جا چھتا

سورۃ آل عمران میں ہے۔ زندہ ہونے والے نبیوں کے بعد اللہ عزوجل نے اس گھر میں جا چھتا۔ یرزقونہ شہدا کے دل ہی عشق الہی میں زندہ ہوتے ہیں۔ اسلئے قرآن مجید میں شہداء کی نسبت لکھا ہے۔ کہ وہ ہمیشہ زندہ رہتے ہیں۔ اس شعر میں اگر جبریدہ عالم سے مراد قرآن شریف لیا جائے تو دوسرے مہرہ کا مطلب یہ ہوگا۔ کہ ہمارے دعویٰ کی دلیل کلام الہی میں ہی موجود ہے۔

قرآن شریف چونکہ تمام دنیا کی ہدایت کیلئے نازل کیا گیا ہے۔ اس رعایت سے اسے کتاب عالم یا جبریدہ عالم کہنا بیجا نہ ہوگا۔

(۵) ترجمہ۔ ہمارے دلربا معشوق کی آنکھ میں مسنی اچھی ہے۔ اس واسطے ہماری عنایتی کہ ہاتھ میں مسنی اس شعر کا مطلب قریب قریب وہی ہے۔ جو غزل نمبر (۶) کے شعر نمبر (۱) میں بیان کیا گیا ہے۔ خواجہ صاحب کہتے ہیں۔ کہ چونکہ ہمارے محبوب کی مست آنکھوں میں مسنی نہایت اچھی معلوم ہوتی ہے۔ (یا اس کی نظروں میں مسنی اچھی ہے۔ یعنی اسے مسنی پسند ہے) اسلئے عاشقان قضا و قدر نے ہماری عنایت ہی مسنی کے ہاتھ میں دی ہے۔

پہلے مہرہ کی ایک اور طرح بھی تعبیر ہو سکتی ہے۔ اگر کچھ شاعر سے مراد ہمارے معشوق کی آنکھوں میں یا ہمارے معشوق کے نزدیک لیا جائے۔ تو شعر کے معنی اس طرح ہو سکتے۔ چونکہ مسنی ہمارے

و اگر مشوق کے نزدیک اچھی ہے۔ اس لئے ہماری باگ بی سستی کے ہاتھ میں نہیں ہے۔ یعنی ہم پر پی سستی کو مسلط کیا گیا ہے۔

اصطلاحات تصوف میں بی چتم محبوب کو مست ہی کہتے ہیں۔ چنانچہ صاحب گلشن راز نے چتم و لب پر لکھا ہے کہ۔

زخمیش خواست بیماری مستی	زعلش گشت پیدا عین سستی
زچتم اوست دلہامست و مخمور	زلعل اوست جانتا حلقہ مستور

اور پھر خواجہ صاحب کے اس خیال کی کہ ہماری عنان بی سستی کو ہاتھ میں ہی ہے۔ اس طرح تائید کی ہے کہ

وجود ما ہمہ سستی است یا خواب	حیہ نسبت خاک بارے باب
------------------------------	-----------------------

(۶۶) ترجمہ۔ میں جانتا ہوں کہ روز قیامت کو غالب نہ آئیگی شیخ کی حلال روٹی ہمارے حرام پانی پر۔ صرفہ۔ بالفتح۔ فائدہ و نفع و افزونی۔ آب حرام۔ شراب نان حلال۔ آب حرام کے مقابلہ میں نان حلال نہایت اچھی ترکیب ہے۔ نان حلال یہاں طنز آگیا ہے۔ ورنہ نان حلال کا مقابلہ آب حرام سے نہیں۔ بلکہ نان حرام کا مقابلہ آب حرام سے ہے۔ ترجمہ کا استعمال ہی خواجہ صاحب نے نہایت خوبصورتی سے کیا ہے۔ خواجہ صاحب خود نہیں ڈر رہے۔ بلکہ شیخ صاحب کو ڈر رہے ہیں شعر کا مضمون صرف اتنا ہے۔ کہ مجھے ڈر ہے کہ قیامت کے روز شیخ صاحب کی حرام خوری ہماری شر بخوری سے بڑھ کر نہیں ہوگی۔ یعنی مجھے یقین ہے۔ کہ قیامت کے روز شیخ صاحب سے ہماری نسبت زیادہ باز پرس ہوگی۔

یہاں پھر خواجہ صاحب نے غزل نمبر (۳) کے شعر نمبر (۱۱) کی طرح شراب کا دوسری حرام چیزوں سے مقابلہ کیا ہے۔ اور کہا ہے۔ کہ شراب ہی حرام ہے۔ مگر حرام کی روزی اس سے ہی بڑتر ہے۔ مگر یہ علوم میں شراب کو برا کہنے کا رواج ہو گیا۔ اور دوسری حرام چیزوں کو اتنا برا نہیں ملتے۔ ظاہر و بزرگوں پر یہ الزام عموماً لگایا جاتا ہے۔ کہ وہ کما کر روٹی کھانے کے عادی نہیں۔ اپنے مریدوں اور متفقدوں کے پیسنے کی کمائی سے ہی زرا اندوزی کر لیا کرتے ہیں۔ اس مضمون پر لسان العصر جناب اکبر نے ہی تہنیت خوب کہا ہے۔

عام الزام ہے اکبر یہ کہ پیتا ہے یہ کیوں	اس کی پکش نہیں سوتی کہ یہ کہا نکلیا
---	-------------------------------------

یعنی ہوا ام الناس اگر کوئی آدمی شراب پیئے۔ تو اس کا چرچا کرتے ہیں۔ مگر شہوت سی غریب
 قیموں کا حق زائل کر کے اپنا پیٹ بھرے۔ یا اور صد ہانا جانور طریقوں سے دولت جمع کرے۔
 تو اس کی پریش نہیں کرتے۔ مگر خدا کے نزدیک جیسا کہ خواجہ صاحب کی رائے ہے۔ فی الواقع
 شراب پینے والوں کی نسبت حرام کھانے والوں سے زیادہ باز پرس ہوگی۔

ایک صاحب اس شعر کے معنی یوں بیان فرمائے ہیں۔ کہ بچو ڈر ہے۔ کہ ہمارے عشق میں
 کوئی تصور واقع ہو جانے کی سبب سے برابر کا اتفاق ہمارے عشق پر قیامت کے روز غالب
 نہ ہو جائے۔ مگر یہ معنی غلط ہیں۔ اور مذاق شعری کے خلاف۔

مولانا حالی مرحوم نے ہی اسی مضمون کو نہایت اعلیٰ مذاق میں بیان کیا ہے۔

میرائی ہے رندوں میں پتی بچ سکین کہیں یہ برائی کہاں وہ برائی

ردیف نہ کی غزل نمبر ۱۱ کا شعر (۴) ہی تو یہاں اسی مضمون پر ہے۔ نیز یہ شعر معروف ہے اور معروف ہے
 (۵) ترجمہ سہل ہوا اگر تو گلشن احباب میں جاؤ۔ ضرور جاناں کج خدمت میں ہمارا پیغام عرض کر دینا۔
 (۸) ترجمہ۔ کہو کہ ہمارا نام خدا کو کیوں بھلائی ہو۔ وہ وقت خود آجائے گا جب تو ہمارے نام کو بھول جائے گا۔
 یہ ہر دو شعر قطعہ بند ہیں۔ قاصد و سبک عاشق کہتا ہے کہ اگر بزم جاناں میں جاؤ۔ تو میری طرف سے ضرور عرض
 کرنا۔ کہ میرا نام خدا کیوں بھلائی ہو۔ وہ وقت ہی آجائے گا۔ کہ ہمارا نام خود بخود مٹ جائے گا یعنی ہم نہ رہیں گے
 اسی مضمون پر کسی استاد نے کہا ہے۔

خود مکن بیگانگی بارے چو میدانی کہ چرخ آہنشتایاں راز یکدیگر حیرانی مے وہ

(۹) ترجمہ۔ میرا دل رز وئے سرو میں لالہ کی طرح افسردہ ہو گیا۔ لے مرغ بخت آخر کب تو ہمارے قابو آئیگا
 لالہ مشہور پھول ہے۔ کتنی قسموں کا ہوتا ہے۔ اس پھول کے اندر ایک آغ ہوتا ہے۔ محمود نامہ میں لکھا ہے
 ع۔ لے دل غبر دل از غم خال تو لالہ را۔ آدمی کے دل کو اندر ہی ایک سیاہ داغ ہوتا ہے۔ جسے سویدا
 کہتے ہیں پس وجہ تشبیہ ظاہر ہے۔ ہوا یعنی آرزو اشتیاق۔ لفظ ہوا کا استعمال بجائے لفظ باد
 خلاف محاورہ اہل علم ہے۔ مگر فہم معنی گرفتہ شدہ۔

شاعر کہتا ہے کہ لالہ کی طرح میرا دل ہی معشوق سرور قد کے اشتیاق میں گرفتار ہے۔ اور لالہ کی طرح میرے
 دل میں بھی داغ ہے۔ لے مرغ بخت تو میری دامن کب لے گیا۔ داغ دل کو اگر وہ خیال کیا۔ تب تو بے تاب رہے۔

مرغ معلوم -

(۱۰) ترجمہ - آسمان کا دریائے سبز اور کشتی ہلال - ہمارے حاجی قوام کی نعمت میں غرق ہیں -
 دریائے اخضر فلک - سے مراد آسمان - چونکہ آسمان ہی نیلیوں ہوتا ہے اور سمندر کو
 پانی کا رنگ ہی نیلا - اس لیے لحاظ وسعت و رنگ دریائے اخضر فلک کہا کشتی ہلال - ہلال
 کشتی غا ہوتا ہے - نیز دریائے اخضر منقطع ہے - اس لیے کشتی کہا ہے -

اس شعر میں گریز ہے - مضمون غزل میں مدح کی طرف کہتے ہیں - کہ حاجی قوام ممدوح خواجہ
 صاحب ایک وزیر تھا - جس کی نعل میں خواجہ صاحب بیٹھے تھے - ساغر ہاتھ میں تھا آسمان اور
 چاند کا عکس پیالہ میں پڑا - اور خواجہ صاحب کو مضمون ہو جہاں خواجہ صاحب نے سمندر اور کشتی پر
 کو ایک جام میں خوب غرق کیا - ممکن ہے کہ شعر میں کسی خاص ائدہ کی طرف اشارہ نہ ہو اور صرف
 مدعا ہو - کہ آسمان اور چاند سب میرے ممدوح کے پروردہ نعمت ہیں - شاعر ہمیشہ ایسے بالکل کیا کرتا
 ہیں -

(۱۱) ترجمہ - اے حافظ آنکھوں سے آنسوؤں کے دالے گرا - شاید کہ مرغ وصل ہمارا جال کا ارادہ
 کرے -

دانہ و دام و مرغ کا تعلق ظاہر ہے - خواجہ صاحب فرماتے ہیں - کہ اشتیاق یا میں اٹھک
 افشانی کر - شاید وصال نصیب ہو جائے -
 خواجہ صاحب نے مرغ وصل کی گرفتاری کیلئے دانہ تو اچھا منتخب کیا ہے - مگر عرفی کو شاید
 اس توجہ سے ہی اتفاق نہیں لکھا ہے -

عربی اگر بہ گریہ رشیدے وصال	صد سال سے تو ان تہمتا گریستن
-----------------------------	------------------------------

غزل (۵)

۱	صلاح کار کجا و من خراب کجا	۱	ببین تفاوت راہ از کجا بست با کجا
۲	چہ نسبت است بر ندی صلاح و تقویٰ	۲	سجاعت و عطا کجا نعمت رباب کجا
۳	دلہ ز صومعہ بگرفت خستہ سالوس	۳	کجا بست جیر مرغیان و شتراب ناب کجا

بشد ز یاد خوشش یاد روزگار وصال ۴ خود آن کرشمہ بجا رفت و آن کتاب بجا
 زر و نئے دوستی دشمنان چہ ریابد ۵ چراغ مردہ بجا شمع آفتاب بجا
 بہیں پسینہ خندان کہ چاہہ در آست ۶ بجا بے روی اے دل میں شتاب بجا
 چو کحل پیش ما خاک آستان شامست ۷ بجا رویم بغیر ما ازین جناب بجا

(۸) قرار و خواب ز حافظ جمع مدار اے دوست
 قرار حسیّت صبوری کدام و خواب کجا۔

(۱) ترجمہ۔ صلاح کا کہناں اندر میں خراب کہاں۔ دیکھ کہ راہ کا فرق کہاں سے کہاں تک ہے۔
 خواجہ صاحب فرماتے ہیں۔ کہ میں نہ شرب آدمی ہوں۔ میری صلاح کہاں ملن و میری حالت اور
 پرہیزگاری میں بعد المشرقین ہے۔

(۲) ترجمہ۔ صلاح و زہد کو رہی سے کیا نسبت و حفظ کا سننا کجا اور نغمہ رباب کجا۔

(۳) ترجمہ۔ میرے دل نے صومعہ و فرقہ مکر حاصل کیا۔ دیر مغال اور شراب خالص کہاں ہے۔
 صومعہ۔ عبادت خانہ ترسیاں و نصاریٰ جس کا سر باریک اور بلند ہوتا ہے۔ حجاز اعبادت خانہ
 اہل اسلام کو بھی کہتے ہیں۔ سالوس۔ خوش گو و چرب زبان۔ فریب۔ فریبے بندہ۔
 ویر۔ بالفح معبد ترسیاں۔ پریش گاہ کفار گنبد۔

خواجہ صاحب فرماتے ہیں۔ کہ مجھ کو عبادت خانہ میں جا کر تو صرف کرو فریب حاصل ہوا۔ ابیر
 مغال اور شراب بیک تلاش ہے۔ کہ شاید صحبت ساقی اور ساغرے میرے دل کا آئینہ بھر صاف
 ہو۔ یہاں خواجہ صاحب نے عابدان، ریاکار اور تحقیق ظاہر دار کو گونہ نصیحت کی ہے۔ کہ اس طرح من کے دل
 صرف سیاہ ہی ہوئے۔ اور کچھ فائدہ نہیں۔ ان کو چاہیئے۔ کہ عشق الہی میں خلوص پیدا کریں۔ اور
 صحبت عارفان کامل سے فائدہ اٹھائیں۔

شعار طست اسلامیان بجز اگر خواہی (معنی) کہ دروہر مغال آئی واسرار نہن بینی

(۴) ترجمہ۔ روزگار وصال یا دوش بخیر۔ یاد تو قبول کیا۔ وہ کرشمہ کہاں گیا۔ اور وہ عتاب کیا ہوا۔
 خوشش یاد۔ یعنی یادش بخیر۔ بطریق اعراض آیا ہے۔ پیلا مصرع اس طرح پڑھا جائیگا
 شد ز یاد خوشش یاد۔ روزگار وصال۔ اور نہ میں اس طرح پڑھا جائیگا۔ روزگار

وصال کہ یادش بخیر باو زیاد برقت یعنی وصال نصیب ہوئے مہمانی مدت گذری نہ زمانہ وصال (یادش بخیر) بالکل بھول ہی گیا۔ اور وہ کرشمہ و عتاب جو بوقت وصال ہوا کرتے تھے اب کہاں ہیں۔

پہلا مصرع ایک اور طرح سے بھی پڑھا جاسکتا ہے۔ یعنی بش ز زیاد خوش یاد روزگار وصال اور معنی یہ ہونگے۔ کہ معشوق کی دل خوش کن یاد سے زمانہ وصال یاد آگیا۔ صاحب گلبن معرفت نے اس شعر کے اس طرح معنی لکھے ہیں۔ کہ مجھ کی خوش طبعی سے زمانہ وصال یاد آگیا۔ اب وہ کرشمہ اور وہ عتاب کہاں گئے۔ جو خوش طبعی کے منافی ہوا کرتے تھے، مگر بوجہ کم فہمی یہ معنی میری سمجھ میں نہیں آئے۔ ناظرین شاید سمجھ سکیں۔ (۵) ترجمہ۔ دوست کے چہرہ سے دشمنوں کا دل کیا محال کر سکتا ہے۔ بچھا ہوا چراغ کہاں اور شمع آفتاب کہاں۔

اس شعر میں جو اصول پہلے مصرعہ میں بیان کیا گیا ہے۔ اس کی تائید میں دوسرے مصرعے میں مثال دیجی ہے۔ غرض یہ ہے۔ کہ جس طرح شمع آفتاب سے بجھا ہوا چراغ کچھ فائدہ حاصل نہیں کر سکتا۔ اسی طرح ہمارے محبوب کے چہرہ کے نور سے اغیار کا دل روشن نہیں ہو سکتا۔ ظاہر ہے۔ کہ آفتاب کی روشنی سے ہر ایک چیز روشنی حاصل کرتی ہے۔ مگر بجھا ہوا دریا سورج کی روشنی سے روشن نہیں کیا جاسکتا۔

سورہ الغام میں لکھا ہے۔ کہ انما یستجیب الذین یستمعون والموئی معہم اللہ۔ حضرت رسول کریم کی تبلیغ اور تلقین سے جب سیاہ دل کفار بھی فائدہ نہ اٹھا سکے۔ تو اس حضرت صلعم کو کہا گیا۔ کہ تم صرف انہی لوگوں کو ہدایت کر سکتے ہو۔ جن کے دل ابی تک بالکل سیاہ نہیں ہوئے۔ اور وہ لوگ جو مردے ہیں۔ یعنی جن کے دل مر چکے ہیں۔ ان کو اٹھانا صرف میرا کام ہے۔ حاصل کلام یہ کہ اگرچہ آفتاب نبوت تمام دنیا کی تاریکی کو روشن کرنے آیا تھا۔ اور اس کی پر نور شاخوں نے فی الواقع دنیا سے ظلمت کفر کو دور کیا۔ تاہم وہ لوگ جن کے دل بہت سیاہ ہو چکے تھے۔ ان پر اس حضرت کی تعلیم کا کچھ اثر نہ ہوا۔ استعداد کیلئے ضرور ہے۔ کہ استعداد ہو۔ جب کسی آدمی کو اندر بالکل استعداد ہی نہ ہو۔ تو اس کی تعلیم اور نصیحت بکراثر نہیں ہوتا۔ چنانچہ نبی کریم پر جو

(۶) ترجمہ۔ سیب زرخندان کو دیکھ کہ راہ میں کنواں ہے۔ اے دل تنہا جلدی جلدی کہاں جا تا ہے
 زرخندان۔ نرنگ۔ دان زائد بمعنی ذوق چاہ سے مراد چاہ زرخندان ہے۔ جو زیر ذوق ہوتا
 ہے غنچ یا غنچ وہ گوشت ہوتا ہے۔ جو زیر ذوق آونچہ ہوتا ہے۔ اور لازم غلبہ صوری ہے۔ اس
 گوشت میں چنٹیب ہوتا ہے۔ اسے چاہ زرخندان کہتے ہیں مستقوت کی ذوق کو سیب و تشبیب دیتے ہیں
 صوفیائے کرام نے سیب زرخندان اور چاہ زرخندان سے مراد لطف و قہر آہمی کی ہے چنانچہ مرقاۃ المفاتیح میں
 لکھا ہے۔ کہ۔

راہِ محبت میں جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے وصال سے پہلے بہت مشکل میں آتی ہیں۔ داغ کا شعر ہے۔	رہِ رواہِ محبت کا خدا حافظ ہے	اس میں دو چار بہت سخت مقام آتے ہیں
--	-------------------------------	------------------------------------

راه پراز چاه و نوزان بخیر	تا پیرو رود شور لغیر میل در
---------------------------	-----------------------------

جناب۔ بالفح۔ بالضم غلط ہے۔ بمعنی درگاہ و آستانہ۔

شعر صاف ہے۔ شاعر عموماً خاک و ریاء کو سرمہ کہا کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک استاد نے کہا ہے۔

روم جوئے سے دوسراستان فکتم
غبارِ خاک کے شش تو تیاے دیدہ کتم۔

دوسرے مصرعہ کے مضمون پر کسی استاد نے کہا ہے۔

تو کریم سلف و من گدا چینی بڑا کریم مدانی
درے دیگر تو نمائے من بجایا روم چو برانی ام

عارف نظامی علیہ الرحمۃ نے مخزن الاسرار میں لکھا ہے۔

جز در تو قبلہ نخواہم ساخت
اگر نہ تو از ی تو کہ خواہد لواخت۔

(۸) ترجمہ۔ اے دوست حافظ سے قرار و نیند کی امید نہ رکھ۔ تو اکیلا چھڑے صبر کہاں اور نیند کہاں
عاشقوں کی قسمت میں صبر اور آرام کہاں۔ رخ نہ صبر در دل عاشق نہ آب در غریب۔

عاشق بائید کہ سال و ماہ و شب روز
آرام و قرار و نور و نور و تابش نبود

غزل (۷)

۱	بخال مہندش بختم سمرقند و بخارا را	اگر آن ترک شیرازی بدست آورد امارا
۲	کنار آبے کنا باد و گلگشت محصلی را	بدہ ساتقی مے یافتی کہ در جنت نخواہی یافت
۳	چنناں بردند صبر از دل کہ ترکاں خواں را	افغان کبر و لیاں شمع شیرین کا شہر آشوب
۴	بآب رنگ و خال و خط و چہ حاجت از قیام را	از عشق ناتمام ما جمال یا مستغنیست
۵	کہ عشق از پردہ صمت برون آمد دلخارا	من از آن جن روز افزون کہ بوسخت آواہم
۶	کہ کس بخشود و بخشاید حکمت این را	حدیث از مطرب می گوید از دہر کہ تر جو۔
۷	جو انان سعادت مند بندہ دانا را	نصیحت گوش کن جاناک کہ جانم مستعانند
۸	جواب تلخ مے زید بلب لب شکر خارا	بدہم گفتی و سر ندہم عشاق اللہ کو گفتی

(۹) غزل گفتی و در گفتی بیا و خوش بخواں حافظ
کہ بر نظم تو افشاںد فلک عقد ثریا را

(۱) ترجمہ۔ اگر وہ ترک شیرازی ہمارے دل کو ہاتھیں لائی۔ تو اسکے خال سینہ کو سمرقند اور بخارا بخش دے

لفظ سہنو محاورہ فارسی میں یعنی راہزن دچور کے ہی استعمال ہوتا ہے۔ سہنو و منسوب بہ سہنو۔ حکایت کہتے ہیں کہ جب خواجہ صاحب کا یہ شعر امیر تیمور نے سنا۔ تو ان کو ہلکا کر دیا۔ کہ میں نے تمام عالم کو اس نے دیران کیا کہ عمر قند اور بخارا کو کہ میرا وطن ہے آباد کروں۔ تم ان کو ایک تل کے عوض پرزے ڈالتے ہو۔ خواجہ صاحب نے جواب دیا کہ یہیں غلط کشنی ہاست کہ بدیں ثوبت رسیدم، عاشق اپنے محبوب کی ایک ایک ادا پر جان قربان کر نہ سکتا رہتا ہے میں۔ سمرقند و بخارا کیا چیز ہیں۔ ساری دنیا سب بیزار ہو جاتے ہیں۔ محبوب حقیقی کی ہی حضوری اگر حاصل ہو جائے تو عاشق تمام دنیا کو ترک کرنے پر تیار ہو جاتا ہے۔ سید اکبر حسین ایک عاشق کی زبان ہی کہتے ہیں۔

امیر خسرو فراتے ہیں

۷۰ باقی - شراب باقی ماندہ - بمعنی دروہی استعمال ہو سکتا ہے۔

جنت - بالفح - بہشت - اصل میں اس ناع کو کہتے ہیں جس کے درختوں نے زمین کو پوشیدہ کیا ہوا ہو۔ مادہ جن ہو۔ بمعنی پوشیدہ گی۔ رکنا باد۔ بالفحم نام تفرج گاہ شیراز (از نعمات اللغات) مصلیٰ۔ بالفحم مطلق جائے نماز و عید گاہ خصوصاً عید گاہ شیراز کہ نہایت اعلیٰ سیر گاہ ہے۔
خواجہ صاحب ساقی و در خواست کرتے ہیں کہ جو تہہ ملی سی شرب باقی رہ گئی وہ ہی دیدے کیونکہ اگرچہ بہشت میں ہی کچھ شرب مل جاوے گی۔ مگر وہاں رکنا باد اور مصلیٰ کی نہیں اور سیر گاہیں نہیں ملینگی اور جو لطف ایسی جگہ شرب پینے سے حاصل ہوتا ہے۔ وہ بہشت میں حاصل نہیں ہو سکتا۔ یہ وہی رکنا باد ہے۔ جہاں خواجہ صاحب چھک کر تفسیر پڑایا کرتے تھے۔ اس نئے باقی کی کیفیت معلوم۔

(۳۰) ترجمہ۔ فریاد کہ غم و غمیریں کا شہر کو آشفتنہ کر دیا۔ معشوق دل و صبر اس طرح کیلئے جیت کر خزان
بن گیا۔

لونیایں۔ جمع لونی منسوب بہ بول بواؤ مجہول۔ بمعنی بے شرم و بے حیا۔ معشوق۔
خزان بن گیا۔ یعنی بمعنی غنیمت۔ ترکستان میں متواتر تھا۔ کہ سال میں ایک روز ایک عام غوث
موتی ہی۔ جس میں قسم کے عمدہ عمدہ کھانے تیار ہوتے تھے۔ اور پھر تمام قوم کو اشارہ ہوتا تھا۔ جس پر
ترک اس تمام خزان کو اڑا لے جاتے تھے۔ عام اصطلاح میں خزان بن گیا یا غنیمت ہوا ہوتی ہے۔ جسے
لوشنا گویا حرم ہی نہیں۔

اس شعر میں خواجہ حافظ نے معشوقانِ بازاری کی شکایت کی ہے۔ کہ بوجہ سین ہونیکے تمام شہر کیلئے
گویا وہ ایک نصیب میں۔ ماورجوانوں کے دلوں کو وہ مصیر کر دیتے ہیں۔ اور اپنی طرف مائل کر لیتے ہیں
اور یہ راہ زنی یعنی درباری وہ ایسی سیکی کر رہے ہیں۔ کہ گویا کوئی حرم ہی نہیں۔ یہ خزان خواجہ صاحب
نے غالباً اسلئے کی ہوگی۔ کہ ان لونیوں کا کوئی تدارک ہو جائے۔ ورنہ تمام شہر کیلئے باعثِ فقر ہوگا
ریاضیت ہے اور خدا جل جلالہ میں ملک و دست ہے۔ کہ خواجہ صاحب کی حسیدہ بنام شاخ نبات کا ابتدا
میں لڑا وہ تھے۔ اور کہ کچھ ان کا خیال دہریہ ہو گیا۔ اور اس شعر میں اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے مگر
اس شعر میں کسی خاص حکایت کی طرف کوئی اشارہ معلوم نہیں ہوتا۔ عام شکایت ہے۔ خواجہ وہ شکایت
عاشقانہ ہو یا نا صحابہ خیال کیا ہو۔ مزید بحث کیلئے دیکھو حصہ سوانحی۔

(۴۱) ترجمہ۔ ہمارے تمام عشق ہی جلالی رہے پرواہ ہے۔ رنگِ رخسارِ شکرِ رویا کو تو وہ نہیں
مستغنی۔ از استغناء بمعنی تو کبھی بوجہ نیازی۔

قدسی جس کیلئے مصنوعی۔ نگار کی ضرورت نہیں۔ اور یہ معشوق کو ہمارے ناکمل عشق کی پرواہ
ہے۔ اس کا حسن ان تمام لوازمات سے بے پرواہ ہے۔ ہم سے چاہیں یا نہ۔ اس کے عاشق
ہوں یا نہ ہوں۔ اس کے حسن کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔ سورہ آل عمران میں ہے۔ کہ من کفر
فان اللہ غنی عن العالمین۔ ایک اور ترجمہ دیا ہے۔ کہ جو ان کے بعد و افغان اللہ مافی السمووات
و مافی الارض و کلن اللہ غنی حمید۔
مولانا روم فرماتے ہیں۔

و اگر کسی کہ از اینها خالص است
لیکن نسبت بچو میں از ترست

و اگر کسی کہ از اینها خالص است
لیکن نسبت بچو میں از ترست

مطلب یہ کہ اگر کوئی شخص حسن خلق پر دلدادہ نہ ہو۔ تو اس کی ہمہ فرق نہیں پڑتا۔ کیونکہ جو چیز خاتم
کمال ہو۔ اسے قطع کی ضرورت نہیں اسلئے ہم اگر اپنے معبود کی پرستش کرتے ہیں۔ تو صرف اپنے
فائدہ کیلئے محبوب کو اس سے کچھ فائدہ نہیں۔ اور اگر ہم اپنی معبود کی پرستش کریں۔ تو اس کو کچھ
نقصان نہیں۔ سورہ عنکبوت میں اسی مضمون کی طرف اشارہ ہے۔ ومن جاہد فانما یجالیہنہم
ان اللہ لخصی عن العالمین۔

و اگر کسی کہ از اینها خالص است
لیکن نسبت بچو میں از ترست

و اگر کسی کہ از اینها خالص است
لیکن نسبت بچو میں از ترست

(۵۹) ترجمہ۔ میں اس روز افزوں حسن و جو یوسف رکھتا تھا۔ جانتا تھا۔ کہ عشق پر وہ عصمت
سے زینہ کو نکال لائے گا۔

اس شعر میں حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ کی طرف اشارہ ہے۔ اور کہا ہے کہ یوسف یوسف کا
حسن روز بروز ترقی پر تھا۔ اسلئے جو پہلی ہی معلوم تھا کہ یہ برق کسی زمین پر ضرور گیگی۔ اور آخر یہی ہوا
کہ زینہ پر عصبہ ہو کر پردہ عصمت سے باہر آگئی۔ زینجا کا پردہ عصمت سے باہر ہونا مشہور واقعہ ہے۔
گرمی الحقیقت خواجہ صاحب نے اسی قصہ کی طرف اشارہ کرنا مطلوب بنے تھا۔ انہوں نے حسن طبع
سے مراد لی ہے۔ اس میں کنت کنزاً مخفیاً فاجبت ان اعرف۔ کے مضمون کو ظاہر کیا گیا ہے۔ کہ
رب العزت کے جمال نے کائنات کو پردہ عدم سے باہر نکالا۔ لمعات شیخ فخر الدین عراقی
میں لمعہ دوم اسی مضمون پر ہے۔ قطعاً

و اگر کسی کہ از اینها خالص است
لیکن نسبت بچو میں از ترست

و اگر کسی کہ از اینها خالص است
لیکن نسبت بچو میں از ترست

و اگر کسی کہ از اینها خالص است
لیکن نسبت بچو میں از ترست

و اگر کسی کہ از اینها خالص است
لیکن نسبت بچو میں از ترست

و اگر کسی کہ از اینها خالص است
لیکن نسبت بچو میں از ترست

و اگر کسی کہ از اینها خالص است
لیکن نسبت بچو میں از ترست

و اگر کسی کہ از اینها خالص است
لیکن نسبت بچو میں از ترست

پیر نور حسن اور چوپیدار شد	عالم اندر نفس چوپیدار شد
وام کرد از حجب آل نظرے	حسن رویش بدید و شیدا شد
حسن مطلق کے روز افزون ہونے کے متعلق قرآن شریف میں ہے کہ کل یوم ہوا فی شان - مرزا غالب فرماتے ہیں -	
آرائش بجاں سقاج نہیں ہوڑا	پیش نظرے آئینہ دائم نقابیں
(۶) ترجمہ - شریعت کوئی بابت نہ کر - اور راز دہر نہ ہو چڑھ - کہ کئی جس کا گوشت نہ ہو - اور نہ کھولے گا -	
معنا - بضم میم و فتح عین - پوشیدہ شدہ - کور - نامینا کردہ شدہ - کان پوشیدہ - خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ راز دہر ایک معما ہے جسے کوئی آدمی ہی فتح اور حکمت حاصل نہیں کر سکتا - اسلئے بہتر ہے کہ ہم اس کو معرض بحث میں ہی نہ لائیں -	
دہر سے مراد خالق و مخلوق ہو دو ہو سکتی ہے - چنانچہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دہر اللہ ہے - اس کو برانہ کہو - اس میں شک نہیں - کہ ایک کسی سائنس دان اور فیاض نے راز دہر کو حل نہیں کیا - اور یقیناً یہ راز آئندہ ہی کبھی حل ہو گا - ذات باری کو صفات و ذات کے متعلق ہی اب تک زمانہ پیش و پنج میں ہے - عرفی نے کہا ہے کہ -	
نور حیرت و شرب اندیشہ اوصاف	بس تابیوں مرغ عقل از آتشیاں انداختہ
تمام دنیا معترف ہے کہ یہ راز ہمیشہ سربستہ ہی رہے گا - شیخ فرید الدین عطار فرماتے ہیں -	
گر صد ہزار سال ہم عقل کا ثنات	فکرت کنند در صفت عزت خدا
آخر لہجہ معترف آئندہ کلے الہ	دانستہ شد کہ هیچ نہ دانستہ ما
اگر دہر سے مراد زمانہ یعنی کائنات یا مخلوقات لیجائے - تو ہی ظاہر ہے کہ وجود کائنات کا راز ہی ایسا ہی سربستہ ہے - جیسا کہ اوصاف خالق کا - فارابی کی ایک باغی ہی ایسی مضمون پر ہے	
اسرار وجود مجملہ ہفتہ بسامد	و ان کو ہر بس شریف ناسفقتہ بماند
ہر کس بدلیل عقل چاہے ہفتہ بسامد	ان حکمتہ کہ اصل بود ناگفتہ بماند
سودا شہید راز دہر کا ایک مخبر ہے جو حقیقت کو یہ سن کرتا ہے -	

فمنسج - سر حقیقت نہ تو ہنس نہ کٹو و
 گشت راز و گراں راز کہ افشا میگرد
 یہ تھا چونکہ اب تک حل نہیں ہوا۔ اور امید ہی نہیں کہ یہی حل ہوگا۔ اسلئے خواجہ صاحب فرماتے ہیں۔
 کہ تو اس کے متعلق بات ہی نہ کر۔ اور شغل سے اور صحبت ساقی و مطرب میں مل کو نہ صرف کہہ
 یا نہ عشق آئی میں سرشار اور یوں و چراہی پوڑے۔

سر راز دل راز نہ اورانی و نہ من
 این حریف چاہے نہ تو خوانی و نہ من
 (۷۱) ترجمہ۔ اے جاننا نصیحت سن کہ جان سے عزیز رکھتے ہیں۔ نیک بخت جوان شیرازی
 نصیحت کو۔

شعر صاف ہے۔ اور اخلاق پر ہے۔ نو عمر جوانوں کیلئے پندیر دانا بے شک جان سے
 عزیز ہونی چاہئے۔ یہ شعر ان معنوں میں اکثر لوگ استعمال کرتے ہیں۔
 (۷۲) ترجمہ۔ تو نے مجھ پر کہا۔ میں خوش ہوں خدا تجھے معاف کرے۔ تو نے اچھا کہا تلخ جواب
 لب لعل شکر خاک و زیب دیتا ہے۔

یہ شعر بھی ان معنوں میں بطور ضرب المثل استعمال ہوتا ہے۔ اور اکثر استعمال ہوتا ہے کوئی
 جواب نہ کہے۔ تو اس کا جواب اس شعر سے بہتر کوئی نہیں ہو سکتا۔ مگر گفتی۔ خسروم۔ غمی زبید۔
 طنزاً استعمال ہوئے ہیں۔ اس شعر میں عاشقانہ اور ناصحانہ دونوں پہلو ہیں۔ کیونکہ معشوق کی گالیوں
 کا جواب بھی یہ اچھا ہے۔

بعض شایع جو اس شعر کا مخاطب مرشد کامل اور رہنما حقیقی بیان کرتے ہیں وہ غالباً عفاک اللہ
 اور میرزا کا ایک ہی معنوں میں استعمال کرتے ہونگے۔

شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے علم اخلاق کا یہ بین صیل ایک واقعہ کی صورت میں بیان فرمایا ہے۔

یکے راز و گشت تو نے داود شناسم
 تیر ز آئم کہ خواہی گفت آئی
 محل کرد و گفت اے نیک فرجام
 کہ دانم عیب من چون من ندانی

(۷۳) ترجمہ۔ اے داؤد تو نے غزل کی اور روق پر دے آؤ ورنہ تو تیری سے پڑھ۔ کہ تیری
 نظم پر آسمان بھند فریا کو قربان کرے

عقد۔ بالکمر۔ سلک مژارید۔ ہار۔ شریا۔ پرویں۔ چہ ستار آسمان میں باریک اور متصل

یہ یکدم لنگر آگے نہیں۔

چونکہ پہلے مصرع میں شاعر نے اپنی غزل کو مونشیوں کی لڑی سے تشبیہ دی ہے۔ اس لئے دوسرے مصرع میں خریا کو مقابل لایا ہے۔ چونکہ شکل میں مونشیوں کے ہار کی طرح ہے۔ شاعر عموماً اپنے کلام کی نسبت ایسے خریہ اشعار کہتے ہیں۔ اور یہ جائز ہے مہویہ نہیں خواجہ صاحب نے اس شعر میں الفاظ دور نظم۔ افشاں افشاں اور عقد کو نہایت خوش اسلوبی سے بجا استعمال کیا ہے۔

غزل (۷)

۱	دوش از مسجد سوئے میخانہ آمدیر ما	۱	چسیت یاران طریقت بلذتیں پیر ما
۲	در خرابات مغالانہ ہم منزل تنویم	۲	سکایں چنبر فنت است در عہد ازل پیر ما
۳	نام پیران و بسوئے کعبہ چوں آریم ہوں	۳	رو بسوئے میخانہ خمار دار و سر ما
۴	عقل اگر داند دل در بند زلفش چوں خوش است	۴	عاقلان دیوانہ گردن دازے زنجیر ما
۵	روئے خوبت آیت از لطف برما کشف ہے	۵	ز آن سبب جز ملاحظہ فرمائی نیست فی التفسیر ما
۶	با دل سنگین تا پہنچ در گھر شبے	۶	آہ آتش بار و سونالہ ششگیر ما
۷	مرغ دل صبیحیت بدام اقتادہ بود	۷	زلف بکشاویں بازار دست شد بخیر ما
۸	باد بر زلف تو آمد شد چہاں بر من سیاه	۸	نمیت از سر بود از لطفش ازیں تو تیر ما
۹	تیر آہ ماز گدووں بگذر و جان عزیز	۹	رحم کن بر جان خود پریز کن از تیر ما

برور میخانہ خواہم فنت چوں حافظ مقیم
چوں خراباتی شد لے یا طریقت پیر ما

(۱۰)

(۱۰)

(۱) ترجمہ۔ کل مسجد سے میخانہ کی طرف ہمارا پیر آیا۔ لے یا یاران طریقت اسکو بوجہ ہمارے کیا تیر ہے
(۲) ترجمہ۔ خرابات مغال میں ہم ہی ہم منزل ہوں۔ کیونکہ اسی طرح عہد ازل میں کیسی تیر ہوئی ہے۔

اسلامی ترجمہ۔ ہم سر پہ کعبہ کی طرف کس طرح منہ کریں۔ ہمارا پیر میخانہ کی طرف منہ رکھتا ہے
ازل۔ بقیعین ہمیشگی۔ وہ زمانہ جبکی ابتدائے ہو
خمار۔ بالفح و تشدیدیم۔ خمر ساز۔ نے نوش۔

خواجہ صاحب بیان فرماتے ہیں۔ کہ چونکہ ہمارا اسمائیں قیود و شریعت سے نکال کر لغت کی بالا
تریں منازل میں چلا ہے۔ اسلئے اگرچہ یہ ترقی مسجد سے میخانہ کی طرف معلوم ہوتی ہے۔ مگر ہمیں
اپنے پیر کی اطاعت سے چارہ نہیں۔ ہم ہی اپنے پیر کے ساتھ خرابات مغاں میں ہم منزل
ہوئے ہیں۔ کیونکہ روز ازل سے ہماری قسمت میں ہی لکھا ہے۔ ممکن نہیں کہ ہم اپنے مرشد کی
اطاعت و اطراف کریں۔ ان ہر سہ اشعار میں مطلب صرف اتنا ہے۔ کہ ہم اپنے رہنما کے حکم پر فوری
کو چھوڑ کر مستی اختیار کر لیا ہے۔ اور عاشقان الہی نے منزل ضرور طے کرنی پڑی ہے۔ اور اطاعت
مرشد ہی بے چون و چرا لازم ہے۔

دہم نہ تیرے بیت زن و ہشیما باش سجدہ و عظیم زہم باز دان یا چون بی بر تو تنگیم ہم یسح	تا بخودی پایہ نگہ دار باش ہر چہ ز طبع است و ز کم باز دان در راہ الفت کہ بود تیج یسح
---	---

مکن ہو کہ ان اشعار میں حضرت ابو محمد علیہ السلام کی خلد سے زمین پر آنے کے واقعہ کی طرف اشارہ ہو۔
کیونکہ عالم بالا کو بلا تکلف مسجد سے تشبیہ کیے گئے ہیں۔ وہاں ملائک ہر وقت تسبیح میں مشغول ہیں
اور سوائے اس کے ان کا وہاں کوئی اور شغل نہیں حضرت آدم علیہ السلام کو بھی وہاں ہی فرض سپرد
ہوا تھا۔ اس کے مقابل میں دار دنیا کو بھی میخانہ اور خرابات مغاں کہہ سکتے ہیں سطح اشعار کا
مطلب یہ ہو گا۔ کہ چونکہ آدم علیہ السلام نے اپنے کعبہ کے لئے اس خرابات میں آگے۔ اسلئے ہم مجبور ہیں
کہ ہم ہی اسی منزل میں قیام کریں۔ ہماری قسمت میں روز ازل کو ہی لکھا گیا تھا۔ کہ ہم ایسے علی
مقام کو چھوڑ کر اس خرابات میں آکر مقیم ہوں۔

سیر کیوں کر کر سیکے خلد میں ہم و اعظا ناواں
ہمارے حیدر محمد کو نہ وال ہنر کا ڈر آیا
ایک صاحب ان شعروں کے متعلق لکھتے ہیں۔ کہ حضور ربور کا نشانہ تسلیم کا نور مسجد عالم قدس
میں ہزار ہا سال تک تسبیح و تہلیل میں رہا ہے۔ اور پیر آنحضرت میخانہ یعنی مقام عشق تک پہنچا۔ اب

اس کے بعد ہماری سمجھ میں کوئی تفسیر نہیں آتی۔ سوائے اس کے کہ ہم ہی اسی طرف توجہ دلیں۔
یہ تاویل محض یہ معنی ہے۔ اور ان شعروں پر ہرگز اس کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ علاوہ برائے
جیسا پہلے لکھا جا چکا ہے۔ ع۔ بخدا دیوانہ باختر با محمد ہوشیار۔ کے ذریعہ اصول کی
نہایت احتیاط سے پابندی لازم ہے۔ حضور سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات
ببرکات کی نسبت میخانہ۔ خرابات مغاں اور خانہ خمار جیسے الفاظ کا استعمال ترک ادب و شامل
ہے۔ نعوذ باللہ۔ ہم یہ نہیں کہتے۔ کہ آنکھوں نے متنازل محبت کو طے نہیں کیا۔ طے کیا۔
اور ضرور کیا۔ مگر چونکہ آنکھوں صاحب شریعت اور صاحب سنت ہی۔ اس لئے اگرچہ انہوں نے عشق
آہی کے جام کیا خم کے خم خالی کئے۔ مگر عالی ظرفی کی وجہ سے ان کی تمکنت اور نفقت میں ایک مو
فرق نہ آیا۔ اسی مضمون پر خواجہ کے شعری دیکھئے۔

خرقہ رہن خانہ ہمارا درویش را | اسے ہر رند الہیہ سیر سائے گیر ما
گر شدیم از یادہ بدنام جہاں جہت | ہم جہیں رفت است از روز ازل قدر ما
(۴) ترجمہ عقل کو اگر معلوم ہو کہ دل اس کی لطف کی قید میں کیسا غوش ہو تو عاقل ہماری زنجیر کیلئے
دیوانہ ہو جائیں۔

قاعدہ ہے۔ کہ دیوانہ آدمی کو یا بہ زنجیر رکھتے ہیں۔ تاکہ وہ آزاد ہو کر کوئی نفاذ پر پانہ کرے۔
عاشق کی دیوانگی کا موجب بھی معشوق کی پریشانی زلف ہوتی ہے۔ اور اس کے قید کہہ کیلئے زنجیر کا
کام ہی زلف معشوق کے پیچ و تاب کے ہی سپرد ہے۔ دوسرے مصرعے میں زنجیر پاؤں کا اشارہ ہی
زلف کی طرف ہے۔ مراد یہ ہے۔ کہ اگر عقل مندوں کو معلوم ہو جائے۔ کہ ہمارا دل محبوب کی زلف کا
خیال میں کیسا مست اور فوش رہتا ہے۔ تو وہ ہی اسی زلف کے اسیر ہونے کیلئے دیوانہ ہو جائیں
عقل و دیوانگی کے متعلق مفصل پہلے لکھا جا چکا ہے۔ خواجہ کا شعر ہے۔

ما دل دیوانہ در زنجیر زلف کتبہ ہم | اے بسا عاقل کہ شد دیوانہ زنجیر ما
(۵) ترجمہ تیرے خواجہ سیرت چہرے لطف کی نشانی ہم پر ظاہر کی۔ اس لئے لطف اور خوبی کے
سوا ہمارے بیان میں کچھ نہیں۔

اس شعر میں الفاظ اُمت و تقدیر لفظ ایسا م استعمال ہوئے ہیں۔ اور نہایت اچھے پرانے میں لکھے ہوئے

ہیں۔ کثرت و تفسیر سے یہاں اُکثرت قرآنی یا تفسیر قرآنی مراد نہیں۔ جو ان الفاظ کے معروف معنی ہیں۔ مگر چونکہ پہلے مصرع میں لفظ اُکثرت آیا ہے۔ خواجہ صاحب نے اس کی رعایت سے دوسرے مصرع میں لفظ تفسیر کا انتخاب کیا ہے۔ اور اچھا کیا ہے۔ معشوق کے لئے خوب مراد خوب کی شان جمالی جاتی ہے۔ چنانچہ صوفی کہتے ہیں۔ کہ ریح۔

سخ این جامنظر حسن خداست

خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ جب ہم نے تیرے خوبصورت چہرہ کو دیکھا تو ہمیں اس سے کرم و الطاف کی نشانیاں نظر آئیں۔ اور اس لٹی لب ہماری تمام گفتگو لطف و خوبی کے بیانات و بہری ہوئی ہو۔ اور ضرور ہے۔ کہ جو شخص خداوند کریم کی شان جمالی کا مشاہدہ کر چکا ہو اس کی تمام زندگی اس کے تمام افعال و اقوال اور اس کے تمام اخلاق و اطوار آیت لطف کی تفسیر ہوگی (۶) ترجمہ۔ کیا تیرے چہرے کی ہر کسلیات اثر کرتے ہیں ہماری آتشبارہ اور شہ گیارہ کا سوز۔ گیسو در گرفتار یعنی موافق آتما کسی چیز پر چھوڑ دینا۔ جلانا۔ اثر کرنا۔ برابر ہونا۔ روشن ہونا۔ کشت بگیہ۔ یعنی رات۔ سحر گاہ۔ آخر شب۔ رات کو سہر کرنا۔ وہ مرغ جو آخر شب دناک واد کرے۔ وہ آدمی جو آخر شب عبادت کیلئے اٹھے۔ (غیاث اللغات)

عاشق ہمیشہ معشوق کو سنگدل کہا کرتے ہیں۔ اور ممکن ہے۔ کہ باری تعالیٰ کی شان جمالی کی طرف اشارہ ہو۔ شعر کے معنی روشن ہیں۔ خواجہ صاحب فرماتے ہیں۔ کہ ہمارا ہی گہرے والی آہ اور آخر شب کے نالہ کا سوز کسی رات کو تیرے چہرے سے دل پر کچھ اثر کرتے ہیں۔ لفظ درگیرہ چونکہ جلائے اور تیز اثر کر سیکے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اس لٹی بمقابلہ آتشبارہ کو کے اس لفظ کا استعمال کرنا کمال فصاحت ہے۔ صاحب گلین معرفت نے در گرفتار کے معنی دروازہ کھولنا بیان فرمائے ہیں۔ کمال کیا ہے۔

(۷) ترجمہ۔ مرغ دل کیلئے جمعیت کا شکار جال میں پھنسا تھا۔ تو نے زلف کھولی۔ اور پھر تارا شکار اہلہ سے منکمل کیا۔

جمعیت۔ دل جمعی

عاشق ہمیشہ زلف محبوب کی پریشانی کو اپنے دل کی پریشانی کا سبب خیال کرتے ہیں۔

چنانچہ کو اتنے صاحب نے ردیف ہڈی غزل (۱) شعر (۲) وغزل (۳) شعر (۴) میں بی بی خیال ظہر فرمایا ہے خواجہ صاحب فرماتے ہیں۔ کہ تم میرے خوبصورت چہرہ کو نہایت اطمینان سے اور دلچسپی سے دیکھ رہے تھے۔ کہ تو نے اپنی زلف کو کھولا۔ اور ہمارا دل پریشان ہو گیا۔ اسی شعر میں عالم حیرت کی طرف ہی اشارہ ہو سکتا ہے۔ عاشق حق اذ محبوب کے دربار میں نہایت اطمینان خاطر حسن مطلق کا مشاہدہ کر رہا ہے۔ اور اسی میں تغرق ہو کہ زلف کو کھلنے سے یعنی قسم کے بیرونی خیال کے دل پر آجانے سے وہ تمام مشاہدہ اور نظارہ آنکھوں سے غائب ہو جاتا ہے۔ اور عاشق کے دل کو بھر پریشان کر دیتا ہے۔ کیونکہ عاشق ہمہ تن چشم ہو کر دیدار معشوق میں محو ہوتا ہے۔ توجہ ذرا بھی رادہ راہ نہ ہوتی۔ اور تماشا غائب ہو گیا۔

در بزم وصالی بہ ہنگام تماشا	نظارہ جنبیدن مترگان گلہ دارد
-----------------------------	------------------------------

مرزا عبدالقادر ریدل نے بی اس حالت کو نہایت نزاکت سے بیان فرمایا ہے۔ اور کوئی بیرونی نہیں نزاکت ہمارے اس غزل میں سینا خانہ حیرت

مترہ بر ہم مزن ناگہنی رنگت شارا	ڈاکٹر اقبال نے ہی اسی مضمون پر کہا ہے۔
---------------------------------	--

انظارہ کو جنبش مترگان بی باری	نرگس کی گنہ سے تجھے دیکھا کر کوئی
-------------------------------	-----------------------------------

دیکھو ردیف ہڈی غزل (۱) شعر (۲) وغزل (۳) شعر (۴) (۵) ترجمہ۔ تیری زلف پر ہوا آئی اور جہاں مجھ پر سیاہ ہو گیا تیری زلف کی سوا میں اس سے زیادہ ہماری توقیر نہیں۔

اس شعر میں پھر وہی گذشتہ شعر کی طرح زلف کو پریشان ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے اور مضمون ہی قریباً قریب وہی ہے

ہوا جوڑا جو واں تو عین قدہ کہلا ہم پر	کہ حسن آباد میں اندھیری بے بندوبستی ہو
---------------------------------------	--

(۹) ترجمہ۔ ہماری آہ کا تیرا سمان ہو گد جا نا ہو۔ اے جان عزیز۔ اپنی جان پر گم کر اور ہمارے تیرے ڈر۔

اس شعر میں ہی عاشقانہ اور نہایت صحابہ دو نو پہلو موجود ہیں مظلوموں کی آہ سے ٹوٹنا چاہیے شیخ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

نیرس از غفلت و ماں کہ ہنگام دعا کردن	اجاست از درخت ہیرا سقا بار جمے آئیر
ہواجمہ صاحب سے ہی حرف اپنی آہ کے موتر ہونے پر زور دیکر مخاطب کو کہہ رہی الہی جان پر رحم کر۔ اور ہمارگی ہوں سو ڈر۔ عاشقوں کے نالے ہی آسمان میں بھی نہیں رہتے۔	
الہی خیر ہو چرخ تہن کی	لکے نالے ہمارے سہراٹھالے
خواجہ کہتا ہے۔	
از خدنگ آہ عالم سوزنا غافل مشو	کز کمان نرزم ز خم شس سخت با شد تیر ما
(۱۰) اگر تکیہ سے غفلت کی طرف دیکھیں تو پرچہ میں جو آیت ہے۔ سے یہ آیت لیتے ہیں۔ جب یہ آیت پڑھیں تو زبان ہو گیا۔ مقطع کے شعر کا مضمون یہی ہے۔ جو مطلع غزل میں ہے اس لیے اس کے متعلق زیادہ کچھ کی ضرورت نہیں البتہ لفظ خراباتی کے متعلق عارف محمد تبریزی قدس سرہ کی کتاب گلشن راز سے چند اشعار کا یہاں سچ کر نا غیر موزون نہ ہو گا۔	
خراباتی شدن از خود رہا نیست خرابات از جہاں ہمیشہ نالی است خرابات شیان مرغ جان است خراباتی خراب اندر خراب است	خودی کفر است اگر خودی را ماضی مقام عاشقان را ابالی است خرابات استان لامکان است کہ در صحرائی او عالم سہراب است
گزشتہ دامن رہند اس خمسار ز شبنمی و مریدی گشتہ بزار	
غزل (۸)	
۱ شب از مطرب کہ دل خوش باد وے را ۲ چناں در جان من سوزش اثر کرد ۳ حرفے بد مرا ساقی کہ ہر دم چو شوقم دید و رسا غمے افروزد	۱ تشنیم نالہ جان سوزنے را ۲ کہ بے رقت ندیدم بھی شے را ۳ ز زلف و رخ نمود و شمس ہے را بگفتم ساقی نہ خندہ ہے را

(۶)	چوبے خود گشت خانہ کے شمارہ	(۷)
	بنیں چو ملک کاؤس و کے را	

(۱) ترجمہ - رات مضرب ہو کہ اس کا دل خوش رہے۔ میں نے کانالہ جان سو سنا۔
 (۲) ترجمہ - میری جان میں اس کے سوز نے ایسا اثر کیا کہ میں نے کسی چیز کو بھی بے وقت نہ دیکھا۔
 (۳) ترجمہ - میرا دوست ایک ساتھی تھا جو ہر دم زلف و رخسوس کو دیکھتا تھا۔
 (۴) ترجمہ - جب اس نے میرا شوق دیکھا تو ساغر میں شراب زیادہ کر دی میں نے اس مبارک نام ساتھی کو کہا۔

(۵) ترجمہ - تو نے مجھے تشریف سے راہ کر لیا۔ جب نے پے درپے جامے کا دو زعفران کیا۔
(۶) ترجمہ - خدا نے مجھے مصائب کے شر سے بچائے (مدد کرے) اور خدا تجھے دو لونچ ہونے میں بھی نصیب دے۔
(۷) ترجمہ - جب حافظ بخود ہو گیا۔ تو کب سمجھتا ہے۔ ایک بج کے برابر بلکافوس کے کو۔
چونکہ غزل کے عام قاعدہ کے برخلاف اس غزل میں تسلسل مضمون موجود ہے۔ اور بطور قطعہ کے خواہ صاحب نے ایک خاص قلعہ کو منظوم کیا ہے۔ اس نے ضروری نہیں کہ ہر ایک شعر کی علیحدہ علیحدہ شرح لکھی جاوے۔ چنانچہ تمام غزل کے متعلق جو کچھ کہنا ہے۔ اکٹھا لکھا جاتا ہے۔
خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ گزشتہ رات کو مطرب سے کہ خدا اس کے دل کو ہمیشہ خوش رکھو
نے کے نہایت جان ہوز نالے مئے رجن کو مٹ کر میرے دل میں اس قدر رقت پیدا ہوئی۔ کہ
مجھے معلوم ہوتا تھا۔ کہ ہر شے میں رقت پیدا ہو گئی ہے۔ یہ عام قاعدہ ہے۔ کہ جب کسی آدمی کو
دل پر کوئی خاص کیفیت اپنی پوری طاقت سے طاری ہوتی ہے۔ تو تمام دنیا کی چیزوں کو وہ آدمی
اسی رنگ میں دیکھتا ہے۔ روزانہ تجربہ کی بات ہے۔ کہ اگر ہمارے دل میں کسی خاص قلعہ نے غم کی لہر
پیدا کر دی ہو۔ اور غم معمولی درجہ سے بڑھ گیا ہے۔ تو تمام دنیا غم میں نظر آتی ہے۔ جہاں آنکھوں میں
سایہ ہو جاتا ہے۔ برعکس اس کے اگر کوئی غیر معمولی فرحت میں حال ہو جائے تو ہر ایک شے
لشاش اور شاد نظر آتی ہے۔ خواجہ صاحب کے دل پر یہی نالہ نے کے سوز نے اس قدر گہرا اثر کیا۔

اور اتنی رقت پیدا کی۔ کہ ان کو معلوم ہوا کہ ہر شے میں رقت پیدا ہو گئی ہے۔
شیخ سعدی علیہ الرحمۃ سماع اور اس کے اثر کے متعلق فرماتے ہیں۔

مہ مغرب کہ آواز پائے ستور لکس پیش شوریدہ دل نرسور نہ عم داند آشفستہ سامان تہ زبر چو شوریدگان مے پرستی کنند نہ بی شتر بر حدائے عرب شتر را چو شور و طرب بہرست	سماعت اگر عشق داری و شور کہ او چوں گلج سبب بر سر نذر با آواز مرغے بنالختیر بر آواز دولاب تکی کنند کہ چو نش بر قصبانہ آرد طرب اگر آدمی را نباشد حسرت
--	--

جنتہ ارضہ خلیفہ فرماتے ہیں: ہر جگہ ایزہ تسمانی، نہ تسمیت در دلی آدمی نہ تسمیہ۔ چنانچہ شاعر
است کہ آتش در آہن و سنگ چنانکہ بر ختم آہن بر سنگ آں سر آتش آشکارا کرد و بجز افتد ہم چنین علیہ
آواز خوش موزون گوید راہ جنبانہ و در راں چنبرہ پیدا آورد و بے آنکہ آدمی را در راں اغنیایا باشد۔ آواز خوش موزون
تسا سبب است ہم مشابہتہ دارد از اربعی عالم ہاں سبب گاہی در دل پیدا آید و حرکتی و شوقی پیدا آورد و ہر کردار
دل آتش شوق حق تعالی باشد سماع اورا ہم بود کہ آتش تیز تر گردد۔

نے کی آواز میں درد و سوز سفر ہے۔ کہ شاید ہی کسی اور ساز میں ہو۔ مولانا نے روم نے اپنی عظیم الشان
مثنوی کی سیم اندھی نالہ نے سے کی ہے۔ اور کہا ہے۔

آتش است ابر با نکتہ و نیست باد آتش عشق است کاندہ نے قناد نے حدیث راہ پر خون میکند گر نبودے نالش نے را نثر	ہر کہ آتش ندارد نیست باد جو کشش عشق است کاندہ وقتاد قصہ ہائے عشق جنوں میکند نے جہاں را پر نہ کردے از نثر
--	---

خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ اسی نفل میں ہمارا ساتھ ہے۔ شریعت خیرہ تھو۔ چنانچہ زلف اندیشہ و نعل میں
کسی شب دیکھو اور کسی روز روشن کی کیفیت پیدا کرتا تھا۔ زلف و رخ اور شمس و سہم اف و نشر
غیر متب ہے۔ کیونکہ زلف کا تعلق دسے سے اور رخ کا تعلق شمس سے ہے۔ یہ کہ بالکس ساختن
ہمیشہ روئے یار کو آفتاب سے اور زلف کو شبنم پورے تشبیہ دیتے ہیں۔ لفظ زلف و شبنم یکساں ہے۔

معنی تشبہ تاریک۔ مگر مولوی محمد نجیبات الدین مؤلف عجایب اللغات فرماتے ہیں کہ لفظ دے کو جو لوگ نے کجور کا مخف کھتے ہیں اور اس کی سند میں خواجہ حافظ کا یہ مصرع پیش کرتے ہیں۔ غلطی پر ہیں کیونکہ لفظ کجور صرف بطور کلمہ صفت تشب کے ساتھ استعمال ہوتا ہے مطلق سیاہ رات کے معنوں میں کہی استعمال نہیں ہوا۔ اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے۔ کہ خواجہ صاحب کی اس مصرع میں اصل لفظ دے دے نہیں ہے۔ لفظ دے بمعنی سایہ و تاریکی استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ اس خیال کی تائید میں بعض نسخوں میں لفظ دے ہی لکھا گیا ہے۔

اگے چل کر خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ جب ساقی نے میری رقت کو ملاحظہ کیا اور دیکھا کہ خمیہ میں آتش شوق شعلہ زن ہے۔ تو اس کو فرو کرنے کیلئے اس نے خمیہ ساغر میں اوستہ ڈال دی جس پر میں نے مبارک قسم اور بایں ساقی کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ تو نے خمیہ پے در پے جام سے دیکر مچتی کے شر سے نجات دلوائی ہے۔ شر بہتی یا خودی اورے کے متعلق مفصل طور پر دیوان کے سب سے پہلے شعر میں بحث ہو چکی ہے۔ اس کے اعادہ کی ضرورت معلوم نہیں ہوتی۔ عربی شعر صرف ساقی کے حق میں بطور دعا کے استعمال ہوا ہے۔ لفظ نواثر یعنی اوارہ کسر مزہ جمع نائثہ ہے بمعنی منصفیت تارین تنہ دار بمعنی دنیا و عاقبت۔

مقطع میں خواجہ حافظ نے کہا ہے کہ جب ہم بخود ہو جائیں۔ تو بھر ملک کے کاوس اور خیر و کوہ ایک چوکی وقعت نہیں پڑتی۔ شراب کا خاصہ ہے۔ کہ سرور اورستی میں انسان کو اس قدر خیالات کی بلندی نصیب ہوتی ہے۔ کہ دنیا کے تفکرات کا اس پر کچھ اثر نہیں رہتا۔ اور فی الحقیقت اس کی نظروں میں بادشاہوں کی بادشاہی نہیں چمکتی۔ اور محبت الہی کا تو ایک جام انسان کو یہ قدر عالی بہت بنا دیتا ہے۔ کہ وہ دنیا کے دوں کو لات مارتا ہے۔ اور اپنی اس حالت کو تمام دنیا کی بادشاہی پر ترجیح دیتا ہے۔ اور سمجھتا ہے۔ کہ خدا کو پایا۔ امیر خسرو نے مطلع النواثر میں لکھا ہے

طرفہ سے بود کہ ساقی سپرد	کم ز شراب و دہر باقی سپرد
از ہمہ گاہ ہوئے تو روتا فتم	تا ہمہ با ہم چو حرایا فتم

مقطع میں لفظ جو کے استعمال میں ایک اور حکمت یہی ہے۔ جو قابل ذکر ہے۔ خواجہ صاحب نے چونکہ اپنی خودی کو شراب کے ذریعہ حاصل کیا ہے۔ اور شراب جو سے ہی بنائی جاتی ہے۔ اسلئے

تمام دنیا کی سلطنت کو جو کہ ایک دانہ کی قیمت بھی نہیں دے سکتا۔ یوں ہی جو چیز کو بہت کم قیمت بخانا ہو۔ اس کو جو سے مقابلہ کرتے ہیں۔

غزل (۹)

۱	تاجگری صفائے عمل فام را	۱	صوفی بیا کہ نشینہ صاف ست جام را
۲	کہ حال نیست صوفی عالی مقام را	۲	راز دروں پرده رازداں مست پرس
۳	کاخچا ہمیشہ باد بہت مست ام را	۳	حقا شکار کس نہ شود دام باز چین
۴	کایں دل نہاد در کف عشق نہ مام را	۴	من آں زماں مع بریدم ز عاقبت
۵	اے خواجہ باز من چشم غلام را	۵	مارا برستان تو بس حق خدمت مست
۶	آدم بہشت روضہ دار اسلام را	۶	در عیش نقد کوش کہ چون آنخورسند
۷	یعنی طمع مدار و سال دوام را	۷	در بزم دور یک دو فتح و کشتن پرو
۸	پیرانہ سر من بہ سنگ و نام را	۸	اسول شباب فتنہ پختی گئے ز عمر

(۹) (۱) صاحب فرید جہان مست ہے۔ اے صاحب پرورد
(۲) وز بندہ بندگی برساں شیخ جام را

(۱) ترجمہ۔ اے صوفی اگر جام ہے کا شیشہ صاف ہے۔ تاکہ تو شرابِ سرخ رنگ کی صفائی دیکھو
صوفی سے مخاطب ہو کر خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ آ اور دیکھ کہ جام ہے کا شیشہ صاف ہے۔
اور اس کے اندر سے مئےِ لعل کا رنگ صاف نظر آ رہا ہے۔ یا طالبِ حق کے روشن دل کو دیکھ
جہیں سوئے عشقِ خدا کے اور کچھ چیز نہیں ہے۔ اس کو اسیرِ محبتِ الہی کی شرابِ گل رنگ
صاف نظر آ رہی ہے۔ آ اور تو بھی اس سے کچھ فیض حاصل کر۔

(۲) ترجمہ۔ پروردگار کا راست رندوں کی پوجہ۔ کیونکہ صوفی لبنِ مقام کا خیال نہیں
نولانا عبد العلی بحر العلوم نے شرح مشکوٰۃ مولانا روم دفر اول میں خواجہ حافظ کے اس شعر کی ہی
ضمناً شرح فرمائی ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔ کہ صوفی کبھی صاحبِ حال ہوتا ہے۔ کہ حال وقتِ ساری

غالب ہوتا ہے۔ اور وہ غلبہ کی وجہ سے کوئی ایسی بات غنہ سے نکال دیتا ہے۔ جو بظاہر خارج از آداب ہوتی ہے۔ ایسے صوفی کو صوفی مغلوب الحال کہتے ہیں۔ جو غلبہ حال اس کی زبان پر وہ کلمات آجاتے ہیں۔ وہ معذوری۔ اور تجوری۔ کہ اس کے حال نے اسے یہ حکم کیا۔ اور کبھی صوفی صاحب مقام ہوتا ہے۔ اس صورت میں وہ اپنے احوال کا خود مالک ہوتا ہے۔ محفوظ ہوتا ہے۔ اور آداب کا پابند پس صوفی صاحب مقام آداب شریعتی علی وجہ کمال محفوظ رکھتا ہے۔ اور افشائے راز جس کا مقتضی حال ہے۔ وہ نہیں کرتا۔ البتہ اس صورت میں کرتا ہے۔ کہ مامور ہو۔

حکایت کہتے ہیں کہ ایک اہل اللہ نے حضرت شیخ اشیر خان شہاب الدین سہروردی قدس سرہ کو لکھا کہ کیا آپ کے پاس کوئی ایسا شخص ہے جو ایک پیالہ پئے۔ اور مست نہ ہو۔ آپ نے جواب میں فرمایا۔ کہ ایسے ہی ہیں جو دریائی جاویں اور طوکار نہ لیں۔ نبی کو رازدروں پر وہ سی پوری واقفیت ہوتی ہے۔ مگر وہ چونکہ صاحب مقام ہوتا ہے۔ اور عالی مقام ہوتا ہے۔ اس لئے وہ رازدروں پر وہ کوفاش نہیں کرتا۔ کیونکہ صاحب شریعت اور اور صاحب سنت نبی کو ضروری ہے کہ صاحب مقام ہو۔ ولی ہی موما صاحب مقام ہوتے ہیں۔ اگرچہ اکثر مغلوب الحال ہی ہوتے ہیں

رندان مست سے مراد اس شعر میں صوفیان مغلوب الحال سے ہے منصور نے انا الحق کہہ کر رازدروں پر وہ کافشا کیا۔ مگر کسی نبی نے یہ راز افشا نہ کیا۔ کیونکہ وہ مغلوب الحال نہ تھے۔ وہ موما انکس کی نہ تھی پر مامور تھے۔ اور عوام الناس کیلئے افشا راز کسی صورت میں مفید نہیں ہو سکتا۔

حکایت کہتے ہیں کہ ایک روز شیخ احمد جامی ایک منفت کے نیچے بیٹھے تھے۔ اور کھانا خوری سر پر رکھی تھی۔ فرمان رب العزت ہوا کہ اے احمد کلہ غدی تھی ہے شیخ بخوابدیا۔ کہ خدایا تیرے پاس اس کی قیمت ہے کہ خرید لیا۔ فرمان باری ہوا کہ اے احمد جو کچھ تو مانگیگا دوں گا۔ شیخ نے جواب دیا کہ خدایا اگر تو دنیا اور عاقبت مجھے دے تو اس کے عوض نہیں لوں گا۔ اور تو جو پہلے ہی میرا ہے۔ اور تیری پاس کیا ہے کہ دیکھا۔ حکم ہوا کہ احمد اتنی ہے ادنیٰ نہ کر۔ ایسا نہ ہو کہ میں اپنے بندوں کو کہوں اور پھر تم پر کوئی اعتبار ہی نہ کرے شیخ نے کہا کہ تو بھی کھانا نہ ہو کہ تیری

کریم کا بیان میں تیسرے بندوں کے سامنے گردوں اور پھر کوئی اور می تیری بندگی کی کشتی ہے۔
 اس روایت سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ رازدروں پروردہ کا اعتقاد ہی اچھا ہے۔
 (۳) ترجمہ۔ عتقا کسی کا شکار نہیں ہوتا۔ حال اٹھائے کیونکہ اس جگہ ہمیشہ حال کے ہاتھ ہوا آتی ہے۔
 عتقا۔ بالغ۔ ایک از گردن پرندہ ہے بعض کے نزدیک اس کا وجود فرضی ہے۔
 کیونکہ اس کو کسی نے نہیں دیکھا۔ وجہ تسمیہ عتق معنی گردن معلوم الاسم اور مجهول الحسم اشیاء پر
 یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔

خوش قسمتی و خواجہ صاحب کا اس شعر پر مولانا بحر العلوم نے مثنوی کے دفتر سوئم کی شرح بیان
 بیان فرماتے ہوئے لکھا ہے۔ مثنوی کے جن شعروں کی شرح کے ضمن میں مولانا نے اس شعر
 کی شرح فرمائی ہے۔ وہ یہ ہیں۔

چشم دریا دیگر است و کف در گدگر	کف پل از دیدہ در دریا بگر۔
جنبش کفنا ز دریا روز و شب	کف ہے بینی و دریا بی عجب
با چو کشتی با ہم بر تیز ز نیم	تیر و چشمیم و در آب و تقسیم
لے تو در کشتی تن رفتہ بخواب	آب را دیدی بگر در آب
آب را آبے ست کو میراندش	روح را رو حیت کو بخواندش

یہاں عتقا مراد ذات باری لگینی ہے۔ اور تمام حکیم اور عارف اپنے عجز کا اعتراف کرتے آئے
 ہیں۔ کہ خداوند کریم کی ذات و صفات کے متعلق پتہ لگانا محال ہے۔ اس امر کی تصریح مغل
 نمبر ۷ کے شعر نمبر ۶ میں ہو چکی ہے۔ مولانا بحر العلوم فرماتے ہیں۔ کہ ایک شارح نے لکھا ہے۔ کہ وہ
 لوگ جنہوں نے مشاہدہ ذات باری پروردہ معنی میں حاصل کیا ہے۔ وہ اس مشاہدہ کو تجلی
 ذاتی خیال کرتے ہیں۔ ان لوگوں کو ان اشعار میں تنبیہ ہوئی ہے۔ کہ وہ غلطی پر ہیں۔ کیونکہ اگرچہ
 یہ مشاہدہ محبوبے لیکن پروردہ معنی میں ہے۔ مشاہدہ ذات اور تجلی ذات ہے۔ جو صورت اور
 معنی و متبرہ ہو۔ جس شخص نے مشاہدہ ذات باری پروردہ معنی و روح میں کیا ہو۔ تو گویا اس کے لہجہ معنی
 و روح مرآت ہیں۔ اور ذات باری مرئیہ ہیں۔ آدمی کو کس طرح معلوم ہو سکتا ہے کہ وہ ذات
 حق عین روح ہے۔ اور تو ان مرآت معنی و روح کے جلوہ ذات کسی کو حاصل نہیں ہوتا۔ اس

بہشت جب زائد بہشت بھی چھوڑا۔ روضہ دارالسلام۔ بہشت بہشت۔ چونکہ باغ بہشت
جائے سلامت ہے۔ اسلئے روضہ دارالسلام کہا گیا۔ لفظ بہشت بمقابل روضہ دارالسلام خوب
استعمال ہوا ہے۔

خواجہ صاحب نے یہ شعر نقد و سب پر کہا ہے۔ اور عیش نقد کو یہ پرتز جی دی ہے۔ کہ عیش
نقد کی کوشش کر۔ عفت و عدو پر نہ رہ اور اپنے خیال کی تائید میں حضرت تادم علیہ السلام کا واقعہ
پیش کیا ہے۔ کہ جب ان کو عیش نقد منع کیا گیا۔ تو بہشت جیسی چیز کو چھوڑ کر چلے آئے۔

ہر وقت خوش رہ دست بردستم تار	کسرا و قوت نیست کہ انجام کار حسیست
------------------------------	------------------------------------

حکیم عمر خیام نے بی اسی مضمون پر یہ رباعی کہی ہے۔

گوشت بہشت و نوش و کوثر باشد	و انجائے نابہ شہد و شکر باشد
چرکن قسج بادہ و بردستم نہ	نقد سے تر تر از سبب خوشتر باشد

ایک اور رباعی میں بی عیش نقد کی تاکید کی ہے۔

ایں فنا غریب سب گذرد	دریاب و سیکہ با مر سب گذرد
ساقی غم فداے حریفان خوئی	پیش آریا کہ شب سب گذرد

ایک صاحب نے اس شعر کے معنی اس طرح بیان فرمائے ہیں کہ زندگی ہی برف کرد فکر کی کوشش کرنی
چاہیے۔ اور محبت آجائے گی۔ تو ایسے ہی بھتا ڈگے۔ جیسے حضرت تادم بہشت سے نکالے
جائے پروہاں کی عیش کیلئے بھیتا ہے تھے۔ چہ خوب!

(۷) ترجمہ۔ بزم دور میں ایک دو پیالے پی اور چلا جا یعنی وصال دوام کی امید نہ رکھہ۔
شعر آسان ہے۔ قابل تشریح نہیں فرماتے ہیں۔ کہ بزم دور میں ایک پیالے ہی (جائیں
تو غنیمت جان لی۔ لے اور چلا جا۔ اس بزم کو ثبات نہیں۔

چوں صبح اس مین میں نہ ہم کھل کے ہنس لگو	فرصت رہی سو میری اک نفس رہی
---	-----------------------------

(۸) ترجمہ۔ لے دل جوئی گذر گئی اور تو نے عمر سے کچھ فائدہ نہ اٹھایا (پول نہ چنا) بڑھاپے
میں تنگ و نام کی کوشش نہ کر۔

خواجہ صاحب فرماتے ہیں۔ کہ جوئی گذر گئی اور تو نے سو ابدانی کو کچھ حاصل کیا۔ اب عمر میں

ننگ ناموس کا خیال چھوڑ۔

عمر ساری تو کبھی عشق بیتاں ملے سن

آخری عمر میں کیا خاک سلمان ہوئے

(۹) ترجمہ۔ حافظ جام جم کامرید لے صبا جی اور بندہ بطون سے شیخ جام بندگی پہنچا۔

شیخ جام۔ جام مقام درخراسان (مولانا عبدالرحمن جامی) جام کے کسی بزرگ یا ممکن ہے۔
خواجہ قطب الدین گجانی جامی نیشاپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ کی طرف اشارہ ہو۔

خواجہ صاحب قاصد صبا کو کہتے ہیں۔ کہ شیخ جام کو جامر میری طرف سلام عرض کر دو اور کہہ دو
کہ حافظ جام جم کامرید ہو چکا ہے۔ اب اس بیعت کی ضرورت نہیں ہو۔ شہو ہو۔ کہ خواجہ صاحب نے
کسی کی حجت نہیں کی (نفحات الانس) نیز دیکھو شعر ت ۹۔

غزل (۱۰)

۱	میرسد مژدہ گل بلبل خوش الحان را	۱	رونی عہد شباب سرت گریستان را
۲	خدمت ماہریاں سرو گل و لیجان را	۲	لے صبا گریجو انان چین بازرسی
۳	مضطرب حال مگردان من سرگزبان را	۳	لے کہ بر ماہی از عنبر سار چو گان
۴	در سر کار خرابات کندامیان را	۴	ترجم آن قوم کہ بر در کشاں موندند
۵	ہنسٹ کو کہ بائے بخرو طوفان را	۵	یار مردان خدا باش کہ در کشتی نوح
۶	کس سیاہ کاسہ سر نہ خربختہ مہمان را	۶	برواز خانہ گردون بدرونان مطلب
۷	خاکروب و مہجہ نہ کیم مژگان را	۷	گریہیں جلوہ کن مجیبہ بادہ فروش
۸	گر تو گشتہ شوی دائرہ امکان را	۸	نشوی واقف یک نکتہ ز اسرار وجود
۹	گو چہ حاجت کہ بر افلاک کشی ان را	۹	ہر کرا خواہی گاہ آخر بدو مشتہ خاک
۱۰	وقت آن است بدو دکنی تہان را	۱۰	ماہ کنعانی من سند مہر آن قہر شد
۱۱	کہیم برزدہ گیسوی مشتہ افشان را	۱۱	در سہ زلف ندرم کہ چہ سودا داری
۱۲	کہ شمشیر سیر نہ شود سلطان را	۱۲	ملک زادگی و کج قناعت نہی ست

(۱۳۴) خاں نظامی نے خود زندگی میں خوشنماں بن گئے
(۱۳۵) دامنِ زور ویران چون گراں تشرن را

(۱) ترجمہ - دوبارہ بارغ اور دلفین عہد شباب پر۔ میں خوشنماں کو پہلوں کی خوشخبری پہنچتی ہے۔

(۲) ترجمہ - اے صبا اگر تو جواناں چین کی باتیں لے جاؤ۔ تو ہر دگل اور ریجان کو ہمارا سلام کہہ دو۔

بستان - مخف بوستان - باغ - رنجیاں - نازبو۔

باغ میں پھر موسم بہار آگیا۔ اور ہل خوشنماں کو پہلوں کی آمد کی خوشخبری پہنچ رہی ہے۔ عہد شباب سے مراد جوانی اور حجاز موسم بہار۔ عاشق قاصد صبا کو کہتا ہے۔ کہ جب تو جواناں چین کی باتیں لے جاؤ۔ تو میری طرف سے ہی ان کو سلام عرض کرنا۔ بستان سے مراد بزم یا مراولیک اور ضرورہ کو اسید وصال سمجھ کر حقیقت پر آپ خود پہنچ سکتے ہیں۔ کہیں میری ضرورت نہیں۔

(۳) ترجمہ - اے کہ تو چاند پر خنجر سار سے ہالہ ڈالتا ہے۔ تہہ سرگردان کو مضطرب حال نہ بنا۔
عنبر - ایک نثر خوشبو ہے یعنی کہتے ہیں کسی جڑی جانور کی گرہن ہے۔ اور غالب ظن یہ ہے۔ کہ یہ ایک خوشبودار دم ہے۔ جو بیاضوں میں سے نکلتی کر دیر کا ذریعہ سمندر میں جاتا ہے۔ اور وہاں بوبرت ہوتا ہے۔ سارا - یعنی خالص صرف عنبر خشک اور زر کی صفت میں استعمال ہوتا ہے۔ عنبر سارا یعنی زلف عنبرین۔

چوگان - مخف چوگان - چوہل یعنی خمیدہ گان کہ نسبت گو چوگان کی مشہور کھیل میں جو خمدار لکڑی استعمال ہوتی ہے۔

مطلب یہ ہے کہ تو اپنے چاند جیسے نورانی تہہ پر زلف سیاہ کو پیشان کر کے عاشق سرگردان کو زیادہ مضطرب نہ کر۔ زلف کو چوگان سے جو بہ نما ہونے کے تشبیہ کی ہے۔ تیروان ہالہ میں لاکھ کو گواؤ ہالہ کو چوگان سے تشبیہ کی جا سکتی ہے۔

زلف کی پیشانی کی جو کیفیت عاشق کے دل کی ہوتی ہے۔ وہ پہلے ردیف ندا کی غزل (نثر) شعر عنبرین اور غزل نمبر (۱) کے شعر (۲) کی شرح میں لکھی جا چکی ہے۔ (اعادہ کی ضرورت نہیں) (۴) ترجمہ - میں ڈرتا ہوں کہ وہ لوگ جو خوشبوں پر ہنستے ہیں خرابات کا سلاطین ہیں ایسا ان کو صرف کر دینا۔

شریہ صاحب دین نے یہ فرمایا کہ اگرچہ تو نے اس کو دیکھا ہے مگر یہ تو
کار خودی وہ کار خرابات میں اپنی ایمان کو ضائع کر دینگے۔ کار خرابات سے مراد یہاں سیاہ اعمال ہیں
یہ لوگ بخاری کی تو تفحیک کرتے ہیں۔ مگر اپنے نامہ اعمال کو نہیں دیکھتے۔ یہ مہتمون رہ لیت
ہذا کی غزل نمبر (۱۱) شعر نمبر (۱) میں ہی اچکا ہے۔ نیز دیکھو حضرت علیؑ -
اخلاقاً بھی دوسرے کے عیبوں پر ہنسنا اچھا نہیں۔ حضرت رسول کریمؐ نے فرمایا ہے کہ
”من عیب للاحیہ لم یحیث حتی یرقع فیہ“ یعنی وہ آدمی جو دوسروں کے عیب بیان کرتا ہے مرنے
سے پہلے اپنی عیبوں میں خود گرفتار ہو جاتا ہے۔

گرد خور خور سے ترن سناں را	گرد و دست و دہن و بونہ نم زواں را (پیغام)
تو غزبدیں کی کہن سے خورم	صد کار کنی کہ عی غلام سناں را

(۱) ترجمہ۔ مردان خدا کا دست ہو کہ شتی نور، میں ایسا سی خاک پر جو طوفان کو ہوڑے
سے پانی کے برابر نہیں سمجھتی
یہ شعر ناصحانہ طرز میں ہے۔ فرماتے ہیں کہ مردان خدا کے ساتھ محبت پیدا کر۔ اور ان کی صحبت
سے مستفید ہو۔ اور ساتھ ہی اپنے بیان کی تصدیق میں فقہ حضرت نوح علیہ السلام کی طرف اشارہ
کرتے ہیں۔ طوفان کے وقت حضرت نوحؑ کے ساتھ کشتی میں ہو کوئی موجود تھا بچ گیا۔
حضرت نوح علیہ السلام گریہ خاک سے تھے مگر ان کے دل میں طوفان کی اتنی ہی منزلت نہ تھی
جتنی ایک چلو پانی کی۔ اور ان کی برکت سے ان کے ساتھی بھی سب طوفان سے بچ کر نکل گئے
اسی طرح مردان خدا کی صحبت اختیار کرنے سے آدمی اس دنیا کے طوفانِ معاصی سے بچ سکتا ہے
بعض شارحین نے خاک سے وہ مٹی مراد لی ہے۔ جو کشتی نوحؑ میں تھی۔ اور جس سے حضرت
نوحؑ نے تمیم کیا تھا۔ کیونکہ آپ طوفان قابل وضو نہ تھا۔
(۲) ترجمہ۔ خانہ گردوں سے بابر نکل جا۔ اور روٹی نہ بانگ کیونکہ یہ سیہ کا بہ آخر پہنا
کو قتل کر دیتا ہے۔

سیہ کا بہ۔ مسکتہ بخیل۔

یہ شعر بھی اخلاق میں ہے۔ مطلب یہ کہ دنیا نے دوں سے وفا کی امید نہ کر کہہ۔ اس گری نکل جا

کیونکہ آخر کار اس گہر کا نہان ہمیشہ اراجا ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اسی مضمون پر فرمایا ہے کہ

تحرز من الدنيا فان فناءها | تحل قلوبنا على ما بقا

ہر کہ ازیں کامہ یک انگشت خورد	کامہ یک حلقہ انگشت کرد۔ (نظام)
-------------------------------	--------------------------------

(۷) ترجمہ - اگر مہینچ بادہ فروش ایسی جلوہ نما کرے تو میں بلیکوں کو میخانہ کے دروازے کا چاروہ بنا دوں گا۔

فنجیہ - بچہ مرغ - خاک روپ - جارو پ - ہاٹرو -

یعنی بخیہ بادہ فروش کی جلدہ افزوی کی اسید پرین میں مخیانہ کو اپنی پانکوں سے صاف کروں گا
گو یادیدہ غول فروش راہ۔

(۸) ترجمہ - اسرار وجود کے ایک تختہ کا یہی تو واقعہ ہو گا۔ اگرچہ تو دائرہ امکان میں گسترہ ہو جائے
دائرہ امکان یعنی کائنات - اصطلاح اہل حکمت میں (۱) امکان اسے کہتے ہیں۔

ممكن كعدم وجود ضرورى نه ہوں چنانچہ حسیات حادثہ مثل انسان و دیگر حیوانات نباتات
جمادات۔ ان كو ممكن الوجود كہتے ہیں (۲) امتناع اسے كہتے ہیں جس كا عدم ضرورى ہو۔ جیسے
سركب خدا۔ محال ہي كہتے ہیں (۳) وجوب اسے كہتے ہیں۔ جس كا وجود ضرورى ہو مثلاً ذات
ارى تعالى۔ واجب الوجود ہي كہتے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ اگر تو تمام کائنات کے دانہ میں گھر شتہ ہو کر رہے۔ تو ہی ایک جگہ سے حل نہیں کیا
اس شعر کی تشریح الف و اور الف پ وغیرہ اشعار میں گر چکی ہے۔

(۹) نثر حمیہ۔ جس شخص کی خواجہ اخرو و مشت خاک پر کو کہ اسے کیا حاجت ہے۔ کہ مکان کو آسمان پر پہنچاتا ہے۔

یہ نصحت ہی آبِ زرعہ لکھنے کے قابل ہے۔

اعتبر يا ايها المغرور بالعم المسديد | اس شداوين عاد صاحب القصر المشد

اسی مضمون کے لئے دیگر شعرت ۲۳

۱۔ رفیق تریں کارہ وال سہرا مہمند کہ خانہ ساختن آئین کاروانی نیست

سایه و روشی

(۱۰) ترجمہ۔ اسے میرے ماؤ کنعان میں بند کر دیا ہو گیا اب قید ہے کہ تو قید خانہ کو انوش ہو
 ماہ کنعان۔ حضرت یوسف علیہ السلام
 حضرت یوسف علیہ السلام کی قید کی طرف اشارہ ہے۔ قید خانہ سمجھنے کے بعد وہ آخر کار عزیز
 مصر بنے۔ یہاں ماہ کنعان سے مراد عاشق کا روح ہے سند مصر سے مراد وصال محبوب
 اور زندان سے مراد قالب غمضری ہے۔ جس میں طائر روح بند ہے۔
 مولا طوطی ترش سیزی نے کہا ہے۔

وقت آں شد کذلک ناموس باز رہد
 طوطی روح رسد در شکر ستارہ جمال
 طوطی روح زبیر انوش یا نہ رہد
 شام سیار سیت زخو غائی اس باز رہد
 (۱۱) ترجمہ۔ تیرے سر زلف میں نہیں جانتا کہ تو کیا سودا کرتا ہے۔ کہ گیسوئے مشک افشان
 کو تو نے پریشان کیا ہوا ہے۔

مسئلہ ظاہر ہے۔ کہ معلوم نہیں تجھے زلف کے متعلق کیا خیال ہے۔ کہ تو نے اپنے گیسوئے
 مشک افشان کو برجم کیا ہوا ہے۔ پہلے کئی دفعہ کہا جا چکا ہے۔ کہ عشق کی زلف کا عاشق کے
 دل پر کیا اثر ہوتا ہے۔ اس شعر میں الفاظ سر۔ سودا اور بہم برز وہ جنوں کی نسبت سے آئی ہیں
 گویا تیری زلفوں کے سر میں کچھ جنون ہی۔ کہ ہمیشہ پریشان رہتی ہیں۔ پریشانی جنون کا خاصہ ہے
 (۱۲) ترجمہ۔ ملک زاد کی اور گوشہ صبر ایک ایسا فرزند ہے۔ جو تلوار سے ہی بادشاہ کو حال نہیں
 یہ شعر ہی اخلاق میں ہے۔ قطعہ ذیل ہی اسی مضمون پر ہے۔

دو قرص نال اگر آئندرم است یا از جو
 بچا گوشتہ دیوار خود بخب طرب من
 سہ تائے جامہ اگر کہنہ است یا خود تو
 کہ کس کو بیز ازس جابجہ ستر و آنجا رو
 زفر مملکت کی قیاس دو بخیر و
 ہزار بار فزوں تر بہ نزد این حسین

(۱۳) ترجمہ۔ اے حافظ شراب پی رندی کرو خوش۔ لیکن دوسروں کی طرح قرآن کو فربہ کجاں بنا
 خواجہ حافظ نے اس شعر میں ریاکاری اور تزویر کو تمام گناہوں ہی بڑا گناہ بتایا ہے اور کہا ہے۔ کہ
 شراب خواری اور رندی اتنی معیوب نہیں۔ جتنی ریاکاری۔ اونی الحقیقت قرآن شریف کو فربہ
 کجاں بنانا سب سے بڑا اور سب سے بڑا گناہ ہے۔

امیر سوداوی نے کہا ہے۔

توسیت بر اقم الکتاب
زیر کتاب ہر شے شیطان منہ

نسیج بر زریں چرخ
ورق تہ زلفت لہان منہ

نعر (۱۱)

۱	کہ لشکر بادشاہی ز نظر مراں گدارا	۱	مبارزان سلطان کہ سانداس عارا
۲	مخ میچاہہ تا بان ل میچ سنگ خارا	۲	چہ قیامت است جانا کہ بخت تھانوی
۳	مگر کن شہاں شیب مدد کن خارا	۳	ز رقیب تو سیر نجد اسے پناہم
۴	تو ازیں چہ سوداوی کہ مکنی مدارا	۴	و ان رہے تسووی چہ مزار بر فروزی
۵	ز فریب او بیندیش و غلط مکن نگارا	۵	خزہ سیاست اگر در خون اشارت
۶	یہ پیام آشنائے بہ از آشنارا	۶	بہ شہرین امیدم کہ نسیم جھکا ہے

(۱۱) بخدا کہ حرمہ وہ تو بہ شہاں شیب
(۱۲) کہ دعائے جھکا ہی اثرے کنہ شہارا

(۱) ترجمہ۔ بادشاہ کے لوگوں کو کون یہ دعا پڑھائے۔ کہ بادشاہی کا لشکر تیرے پاس نہ آئے۔
مبارزان سلطان۔ بوجہ ادب کوئی وجہ راست براہ راست سلطان کا نام نہیں ہوتی۔
ملازموں کے نام ہوتی ہے۔ کتب انشاء کے ملاحظہ سے یہ بات روشن ہو سکتی ہے۔
مطلب ہی ہے۔ جو شعر الف سہ کا ہے۔ صاحب نگاہ بن حریف نے اس شعر کا اردو ترجمہ یہ
کیا ہے ”سلطان کے ملازموں میں سے کون ایسا ہے۔ جو ہماری یہ دعا پڑھائے۔ الخ“ یہ
ترجمہ بالکل بے معنی اور غلط ہے۔

(۲) ترجمہ۔ اے جانا کیا قیامت ہو تو نے عاشقوں کو کہانی سپہ ہواہ تا بان کی طرح اور دل
سنگ تخت کی طرح ہے۔

عاشق کہنے لے گا کیا قیامت ہو کہ حقوق اپنا فوجی ہوتے ہی پرہیز کر آئے

مخلص نہ کر۔ اور کہیں اپنے عشق میں فنا نہ کرنا، اللہ اکبر
(۶) ترجمہ۔ رات بھرا سی امید میں ہوتا ہوں کہ صبح کی ہو معشوق کے پیغام سے عاشق کو
شاد کرے۔

عاشق کی رات بے ہوشی اسی امید میں گذرتی ہے۔ کہ صبح معشوق کی طرف سے کوئی نامہ و پیام
آجیگا شعر ایشہ صبحا کو یا نسیم صبح کو قاصد یا خیال کرتے ہیں۔ طالبان حق کی بی غم وصال
محبوب کی آرزو اور امیدیں سہر ہوتی ہے۔ عشق الہی کی صورت میں شب سے مراد زندگی مستحکا
ہوگی۔ شرب نہیں بلکہ شرب و روز۔

(۷) ترجمہ۔ خدا کیلئے حافظ سحر خیز کو ایک گھونٹ سے کہو کہ صبح کی دعا تیرے حق میں ترک کرچی
خواجہ حافظ ساقی سے ایک جرئت سے کی درخواست کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ حافظ سحر خیز
ہے صبح کی وقت تیرے لئے دعا کریگا۔ جو موثر ہوگی۔ دعائے صبح گاہی تمام دعاؤں کی نسبت
زیادہ مستجاب ہوتی ہے۔ چنانچہ میر نے کہا ہے۔

اس وقت ہر دعا واجابت کا عمل میر | اک نعرہ تو بی بیش صبح گاہ کر

اگر معشوق شیش کو غنایاں کیا دیا۔ ہے تو دوسرے شریک کا کیا نسب ہو گا۔ کہ نہ اسے جہاں ہی
تیری درگاہ میں موثر اور قبول ہوتی ہے۔

نعل (۱۲)

۱	کہ سرکہ و بیاں تو داؤ دا مارا	۱	صبا بلطف ہو آن غزال رخسار
۲	انھو نے محنت و ظلمی شکر خارا	۲	شکر فروش کہ غرض دراز نہ دیرا
۳	کہ پریشانی ہوئی لب شیدا را	۳	نور و حسن اجازت مگر داؤ لے کل
۴	بہ بند و انجم بد مرغ وانا را	۴	بکس بلقی تو ال کرو صیدا اہل نظر
۵	بہ یاد از فیلکن باو پیارا	۵	چہ با جلیب شینی و پاوہ بیجا لی
۶	سچی تہان جوش شیم بہ پیارا	۶	نہ انجم از چہ پیار نہک شستائی نیست

جزا میں قدر تھوڑا کثرت رجال و غیب | کہ حال مرد و فانیست روزیبا را

(۸) در کتب مشتمل ہے چہ خوب گزشتہ حوالہ
(۸) سماع زہرہ بر قصہ آورد سچارا

(۱) ترجمہ۔ اے صبا اس غزال کو نرمی سے کہہ کہ تو نے ہکا کوہ و بیابان میں سرگشتہ کیا ہے غزال۔ بالغت۔ آہو بہن۔ بکسر اول غلط ہے۔ رعنا۔ لہجہ زن گول و مست۔ زن خوشیتن آرا۔ محاورہ فارسی میں مہی زیبا۔ خوشنما۔ چالاک و متکبر استعمال ہوتا ہے۔ بیاباں۔ لغت۔ بعض کہتے ہیں۔ کہ بکسر ہے۔ کیونکہ دراصل بے آب تھا۔ بمعنی چھرائے بے آب۔ شاعر بیاباں پھر صبا کو ایسا نامہ بر بناتا ہے۔ اور کہتا ہے۔ کہ جا کر میرے معشوق کو کہو کہ تیرے عشق میں تیری طلب میں ہم سحر اگر دو گئے۔ عاشق ہمیشہ بوجہ پریشانی طبیعت اور دیوانگی کے گھر کو چھوڑ کر جنوں کی طرح بادیہ نوردی اختیار کرتے ہیں۔ غزال کو بوجہ خوبصورت آنکھوں کے معشوق سے تشبیہ کرتے ہیں۔ غزال کا تعلق کوہ و بیابان سے ظاہر ہے۔ مرزا بیدل کوہ و بیابان میں نہیں جاتے۔ اپنے دل میں ہی تلاش محبوب کرتے ہیں۔ اور اچھا کرتے ہیں۔

خیال نامہ گرم گریباں دو اند مارا کچھ مھرا | چہ سازد آواز دل کہ راہ میر و حرم گیرد

یہ شعر غزل کے معنی میں اس شعر میں بیان کر رہا ہے۔ کہ کوہ و بیابان میں سر اڑا دیا اور تشریح اس سے ہی بڑھ کر ہے کہ کوہ و بیابان میں سر دینا یعنی محنت و ثابت قدمی۔ یعنی اے عاشقانِ خدا تم نے پیروان کی سبھودی کیو اسطے بڑی بڑی محنتیں کیں، بلند پروازی کا بلبلو (۲) ترجمہ۔ شکر فروش کہ خدا اس کی بھوکا کرے۔ کیوں مٹاؤ شکر خاں مہربانی نہیں کرتا۔ شکر فروش و مراد معشوق نہیں ہے۔ او مٹاؤ شکر خاں مراد ہوسہ کا طلبگار عاشق۔

(۳) ترجمہ۔ لے گل شایہ غروشن نے تجھے اجازت نہ دی کہ تو عند رب شید کی پرش حال کرے معشوق کو مخیا طے کر کے کہا ہے۔ کہ شاید تجھ غروشن نے اجازت نہ دی۔ کہ تو اپنے عاشق شیدا کی پرش حال کرے۔ اس خطاب میں قدرے طنز ہی پائی جاتی ہے۔

آتنا سب یہ اعضا کے اتنا جنت تر | بگاڑا تجھے خوبصورت بنا کر

(۴) ترجمہ۔ جس خلق سے اہل نظر کو شکار کر سکتے ہیں۔ مرغ و انا کو بند اور جال کو گرفتار نہیں کرتا

یہ شعر اخلاق میں ہے۔ مطلب یہ کہ میں فکر نفس کو جس سیرت و ناپا جو رہتا ہوں۔ اور کسی خیال کی ضرورت نہیں۔ مولا نا حالی کا شعر ہے۔ کہ

اس میں اس ملک کی دولت زیادہ

یہ شعر میں تین باتیں ہیں۔ پہلی یہ کہ میں غلامی میں غلامی کا مطلب کام نہیں کرتا۔ ممکن ہے یہ شعر پہلے شعر کے ساتھ قطعہ بند ہو۔ اس صورت میں غلامی کا مطلب یہ ہوگا۔ کہ اے گل تو نے اپنے من کے غور میں میل کی پرستش حال کی۔ مگر یاد رکھ کہ دانا عاشق کو شید اکو نے کیلے دمن سیرت ہی چاہئے۔ صرف حسن صورت ہو کام نہیں نکلتا۔ (۵) ترجمہ۔ جب تو دوست کے پاس سچا کر بادہ بھائی کرے تو حرفیان بادہ بھیا (یا بادہ بھیا) کو یاد کر۔

مطلب صاف ہے۔ عاشق اپنے مخالف کو کہتا ہے کہ اگر تو نرم جاتان میں سچا کر بادہ بھیا کو یاد کرنا۔ یا تو مجھے مراد پریشان حال۔

یہ شعر میں تین باتیں ہیں۔ پہلی یہ کہ میں غلامی میں غلامی کا مطلب کام نہیں کرتا۔ ممکن ہے یہ شعر پہلے شعر کے ساتھ قطعہ بند ہو۔ اس صورت میں غلامی کا مطلب یہ ہوگا۔ کہ اے گل تو نے اپنے من کے غور میں میل کی پرستش حال کی۔ مگر یاد رکھ کہ دانا عاشق کو شید اکو نے کیلے دمن سیرت ہی چاہئے۔ صرف حسن صورت ہو کام نہیں نکلتا۔ (۵) ترجمہ۔ جب تو دوست کے پاس سچا کر بادہ بھائی کرے تو حرفیان بادہ بھیا (یا بادہ بھیا) کو یاد کر۔

عاشق کے یہ بی مہر کی باتیں ہیں۔ کہ غلامی میں غلامی کا مطلب کام نہیں کرتا۔ ممکن ہے یہ شعر پہلے شعر کے ساتھ قطعہ بند ہو۔ اس صورت میں غلامی کا مطلب یہ ہوگا۔ کہ اے گل تو نے اپنے من کے غور میں میل کی پرستش حال کی۔ مگر یاد رکھ کہ دانا عاشق کو شید اکو نے کیلے دمن سیرت ہی چاہئے۔ صرف حسن صورت ہو کام نہیں نکلتا۔ (۵) ترجمہ۔ جب تو دوست کے پاس سچا کر بادہ بھائی کرے تو حرفیان بادہ بھیا (یا بادہ بھیا) کو یاد کر۔

خواجہ صاحب فرماتے ہیں یہ معلوم نہیں ہوتا۔ کہ شہینوں میں رنگ آشنائی کیوں نہیں ہوتا یعنی ان گلوں میں بوئے وفا کیوں نہیں ہوتی۔

ہم نہ ناز نہ حسد ہووے۔

شوب روز کے باوق ہووے۔

طیر فارابی نے ہی کہا ہے۔ کہ

شہین اس ملک از منیستان طلب

رنگ آشنائی کیوں نہیں ہوتا۔

اسی مضمون پر امیر خسرو و شیخ فرماتے ہیں۔

سختہ پوچھو نہایت و قیام نوستہ

آئی نہ از کرمہ و مازت نہ از اند

(۸) ترجمہ - سو اسے تیر و چال میں کوئی عجیب نہیں بنا سکتے کہ تیر و زبیر پر ہر دو شا کا خال نہیں۔ اس شعر میں پچھلے شعر کی طرح پھر معشوق کی یو فانی کا گنگہ ہے۔

[م کو ان سے وفا کی ہے امید] [جو نہیں جانتے۔ فاکیا ہے]

(۸) ترجمہ - آسمان پر کیا عجیب ہے۔ کہ حافظ کے کلام سے زہرہ کا سماع مسیحا کو قص میں لائے۔ زہرہ - نام ستارہ حروف - تیسری آسمان پر ہے۔ اور یہ خوب صورتی اس کو رقصہ فلک کے غیرہ ناموں سے پکارتے ہیں۔

خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ کچھ عجیب نہیں کہ میرا کلام آسمان پر ہی پہنچ چکا ہو۔ زہرہ میری غزلوں کو گارہی ہو۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر سماع زہرہ سے وجد و رقص کی حالت طاری ہو گئی ہو۔ یہ معمولی شاعرانہ فخریہ قطع ہے۔

غزل (۱۳)

۱	ساختم از کرم زور در راجہ	۱	خاک سے زور سر ز آہام را
۲	ساختم در کرم نہ تاز سر	۲	کرشم من الق رزق لایم را
۳	گر چہ بدنامیست نزد عاقلان	۳	مانے تو اسیم تنگ و نام را
۴	بادہ در دہ چند ازین باد غور	۴	خاک بے نفس نا فرجام را
۵	دود آہ سینه سوزان من	۵	سوخت این فسر کان خام را
۶	حرم را ز دل شید من	۶	کس نے بتیم ز خاص و عام را
۷	با دلارامے مرا خاطر خوش است	۷	کز دلم یکبارہ برد آرم را
۸	ننگ و دگر بر اندر من	۸	ہر کہ دیباں سرم اندم را
۹	از سر دنیا گذشتی غم تو	۹	خوش بخوریم خوشی آرایام را

(۱۰) عاقبت روز سے پہلی کام را (۱۱)

(۱) ترجمہ - اسے ساقی آٹھ اور جام مے دے۔ غم یا م کے سر پر خاک ڈال۔
خواجہ صاحب پھر ساقی سے جام مے کی درخواست کرتے ہیں تاکہ اس کے ذریعہ سے دنیا
کے فکرات سے نجات ہو۔ دیوان کے پہلے شعر کے نیچے اس امر کی پوری تفصیل کو ساتھ بحث
ہو چکی ہے۔ غم غلط کرتے اور مشکلات کو طے کر لیا سب سے اچھا ذریعہ مے ہے۔ دیکھو شعر ۲۲
عمر خیام کی یہ رباعی اسی مضمون پر ہے۔

ساقی! خنجر برونج تو دوست	طوفان غم اردر آید از پیش بستی
در یادہ گزشتہ تی فوج تو دوست	

(۲) ترجمہ - جام ساقی سے ہاتھ نہ ہٹا۔ تاکہ سرور اس پستان تو اناروں۔
دلچ - درویشوں کا بھینسی لباس - ارزق قیام - نیلگون۔
خواجہ صاحب غم سے مکی درخواست کرتے ہیں تاکہ وہ دلچ رہا کو تن و آثار دیں اگر دلچ ارزق
فام سے مراد آسمان لی جائے۔ تو معنی ہونگے کہ شراب کے نشہ سے مجھ میں اتنی عالی مقام پیدا
ہو جائے کہ آسمان سے ہی اونپر نکل جاؤں۔ اور تاثرات گردوں سے بچ جاؤں۔
(۳) ترجمہ - اگرچہ عقلمندوں کے نزدیک بدنامی ہے۔ مگر تم تک و نام کے خواہاں نہیں۔
خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ اگرچہ شراب پینا عقل مندوں کے نزدیک جب رسوائی ہے۔ مگر میں
تنگ و ناموس کی ضرورت نہیں۔

(۴) ترجمہ - شراب کو یہ باد غرور کب تک - بلا انجام اور نامبارک نفس کے سر پر مٹی (ہو)
اس شعر میں پھر یہ خیال ظاہر کیا گیا ہے کہ شراب خودی - یا غرور کبھی کو دور کرنے کیلئے مفروض
ہو۔ نفس بخار جو انسان کو دل میں غرور اور تکبر پیدا کرتا ہے۔ اور خیالات ملوثی کا موجب بننا یہ داروئی
تلخ اسکے مرض کیلئے بہت مفید ہے۔ حکیم عمر خیام نے بھی یہی خیال ظاہر کیا ہے۔

مے خور دن من نہ از ہر کس طربا بست	نے بہر فساد و تزکی بن اول بست
خواہم کہ نہ بخودی بر آرم لفتے	مے خور دن و مست بعد از بستی

مرزا غالب فرماتے ہیں

مے سے غرض نشاط ہو کس رو سیاہ کو	ایک گونہ بخودی چور دن ات چاہئے
---------------------------------	--------------------------------

(۵) ترجمہ - میری جاننے والے سینے کی آہ کے دھنوں نے ان خام اور پھیرے والے لور کو چلبلیا۔
 انسر دگان خام ہو وہ لوگ مراد میں جبکہ عشق نامتام ہے۔ اور بوجہ اس غمی کے ان کو دل بھر
 ہو گیا۔ یعنی وہ زائدان ظاہر پرست جن کے دل جہاں گئے ہیں
 آتش عشق جو سینہ عاشق میں ہوتی ہے۔ اس کی یہ خاص ہے کہ وہ قسم کو خرق خاشاک کو
 جلا دیتی ہے۔ کیونکہ طالب حق کے رسم پران لوگوں کے اثرات میں سنگٹے کا کام کرتے ہیں
 ڈاکٹر اقبال نے قریب قریب ہی خیال ظاہر کیا ہے۔

میر نے یہ بھی فرماتے ہیں کہ میری جاننے والے سینے کی آہ کے دھنوں نے ان خام اور پھیرے والے لور کو چلبلیا۔

(۶) ترجمہ - پیر شمس نے ان کو نامتام سے پیرا کر دیا۔
 عاشقان صادق و محرم را در حرف عاشقان صادق ہی ہو سکتے ہیں اور پھر کیا سو کوئی دنیا میں بہت
 کی۔ اسے خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ محرم را نظر نہیں آتا۔ جس کو اس قسم کے درد دل سنائوں۔

سب کو کئی قسم کی باتیں سنیں۔ اس سے ان کو کئی باتیں یاد آئیں۔

(۷) ترجمہ - اس شخص کو ماہنامہ دل میں دہن ہوئی۔
 دل آرام - آرام دل بھی معشوق

اگرچہ عشق نے میرے دل کو صبر و آرام بالکل دور کر دیا ہے۔ پھر میں اپنی محبوب کے ساتھ خوش رہتا
 ہوں۔ عاشق کو اس آرام میں ہی آرام ہوتا ہے اور یہ پھر اپنی عشق اس کے لئے قرار دل ہوتی ہے۔

عشق اگر نہ ہوتا تو ہم نہ روزگار ہوتا
 (۸) ترجمہ - پھر باغ میں سر کو نہیں دیکھیں گے۔ جس نے اس سر و سیم اندام کو دیکھ لیا۔

سر کو قدر یا سر کو شبیہ ہی نہیں۔ خواجہ صاحب کہتے ہیں کہ حق دہی نے اس سیم اندام و
 سہی قدر معشوق کو ایک فتح دیکھ لیا۔ اس کی نظر میں قدر سر کی کچھ قدر و منزلت باقی نہیں رہتی۔
 اور فی الحقیقت سر کو قدر یا سر کو نسبت ہی کیا ہے۔

سر کو قدر یا سر کو نسبت ہی کیا ہے۔

(۹) ترجمہ - دنیا سے کوئی نہ کیا نام نہ لھا جوئی سے لھا۔ اور نہ لھا جوئی سے لھا۔
 خواجہ صاحب فرماتے ہیں۔ کہ جب تو (جام) کی برکت سے (آلام دنیا) آزاد ہو گیا

تو چہ کچھ نہ کر - باد تو تھی کرار تو تھی کو اسی شمع فاختی سے نڈار رہے -
 (۱۰) ترجمہ - اے حافظ دن رات کی سختی میں صبر کر - آخر کار تو ایک روز مقصود حاصل کریگا
 اس شعر میں شاعر نے یہ ظاہر کیا ہے - کہ عاشق کو رات دن کی تکالیف، تہ اور کسر عشق
 کی طغیانوں سے تبدیل نہیں ہونا چاہیے - کیونکہ آخر کار کسی روز گو یہ مقصود ضرور ہاتھ آئیگا -
 اس شعر میں ہی عاشقانہ اور اخلاقی ہر دو پہلو موجود ہیں - مؤلف نے کہا ہے -

اور ازنی شب بخت جان گدا ز خسرو را
 اولیک مے گزرد برامید صبح وصال

غزل (۱۱)

۱۔	بخت بد تا بجائے بردا بختور ما	۱۔	ماں پرستیم و تو دانی و دل غمخوار
۲۔	تو اہل سلائے برساند بر ما	۲۔	از شمار مرثیہ کیون زلف تو در زکیرم
۳۔	کہ و فایا تو قسیرین باد و خیرا و رما	۳۔	بدعا آئیم ہم بد عبادت برآر
۴۔	بخت از ہمہ انصاف تمام دا و رما	۴۔	گر ہمہ خلق جہان برین تو حیف خوردند
۵۔	نخواں بردہوائے تو بیرون از سرما	۵۔	بسرست گریختیم الم سیرم بخرد و سشد
۶۔	شکستہ امیر شہزادہ بھج جان و رما	۶۔	فلک آزارہ ہر سوکت ہم دانی
۷۔	دین خوشکری لبثتہ چشم تر ما	۷۔	وز و منہ عیم خیر بد از سوز و رونا
۸۔	ورق گل محبت است از ورق دفتر ما	۸۔	ما ز وصف رخ زیبائے تو تا دم زندہ ایم
۹۔	اے خوش آن روز کہ آید بکشت بر ما	۹۔	ز و داشتہ کہ پیائے لبلاست یارم

(۱۰) مگر کہ گوید کہ کجی رفت خدا را حافظ
 (۱۱) گویا ری سفسکے کرد و برفت از برما

(۱) ترجمہ - ہم چلے گئے تو جانتے ہو - اور ہمارا ٹھکانہ جہنم بخت بد کہاں تک ہمارے آب
 و دانہ کو لے جائے گا -

تو کہتے ہیں کہ یہ غزل خواجہ صاحب نے عشقِ خرابات کے فرق میں کہی ہے۔ کیونکہ وہ تیار سے بعد از کوہِ جلال تھی۔ مابقی صرف لطیفِ راز و نیاز ہے۔ ورنہ خواجہ صاحب تیار ہی ہیں مگر مطلب صرف یہ ہے۔ کہ ہم اپنے معشوق سے جدا ہوئے۔ اور پھر ہمارے دل پر اس صدمہ سے گذرتی ہے۔ وہ ہمارا دل جانتا ہے۔ یا ہمارا معشوق۔ خدا جانتے ہمارے بُرے نصیب کی وجہ سے ہمارا آب و دانہ کہاں کا ہے۔

(۲) ترجمہ۔ بیکوں سے آتسوؤں کے قطرے گر کر تیری لبت کی طرح موتیوں سے بھر دوں گا۔ اس قاصد کو جو تمہارا سلام ہم تک پہنچائے۔

قاعدہ ہے۔ کہ جب کسی آدمی کی غیر معمولی طور پر خاطر منظور ہوتی ہو۔ تو اس پر زر و گوہر بنا کر کیا جاتا خواجہ صاحب فرماتے ہیں۔ کہ اگر کوئی قاصد تیری طرف سے اگر مجھے تیرا سلام پہنچائے۔ تو میں انگوٹھ سے گوہر شکن سپر اسقدر نشتر کروں گا جسقدر تیری آنکھوں میں موتی پروئے ہوئے ہیں وہ گوہر مسمار ہو جاتے۔ کہ سپر ہوتی نشتر کر کے اسکو موتیوں میں بدولت لگا۔ شعراء آتسوؤں کو عموماً موتیوں کو شمشیر دیتے ہیں۔ قاعدہ ہے۔ کہ خوشی کے وقت ہی انسان کے آتسوکل پڑتے ہیں۔

(۳) ترجمہ۔ میں دعا کرنے لگا ہوں تو ہی دعا کیلئے ہاتھ اٹھا۔ کہ فائز تیری بات سے ہو جاؤں گا۔ خواجہ صاحب غزل کو کہتے ہیں کہ آؤں کرو عاکرین کے خدا ہمیں وفا شمار کرے اور میرا درد گارہ خواجہ صاحب اس قسم کی دعاؤں میں عموماً معشوق کو شریک ہونے کیلئے کہتے ہیں۔ دیکھئے شعر۔

یہ مدعا صرف یہ ہے۔ کہ خدا را بے وفا مست ہو۔

(۴) ترجمہ۔ اگر تمام خلق جہاں تجھ پر اور تجھ پر حریف کریں۔ تو ہمارا خدا ان کو اس علم کا بدلہ لے گا۔ حریف۔ بالفتح۔ ظلم۔ بستم۔ جوہ۔ (از خیاباں)

اگر اہل جہاں تجھ پر اور تجھ پر جو تجھ پر عشق کے حصار کریں تو اس کا بدلہ خدا تعالیٰ ان کو خود لے گا۔ اس شعر کا ترجمہ کرتے ہوئے صاحبِ مبین معرفت نے یہ گل کھلایا ہے۔ کہ اگرچہ جہاں کی تمام خلق تجھ پر اور تجھ پر غمناک کرتی ہے۔ لیکن ہمارا خدا اس غم کو انصاف تو قتل کر دیتا ہے۔

(۵) ترجمہ۔ تیرے سر کی قسم اگر تمام جہاں میرے سر پر شوکرے۔ ہمارے سر پر تیری راز و نیاز ہو سکے۔ بسرت۔ میں تبسم ہے۔ تیرے سر کی قسم۔

اس شعر میں اور کچھ شعریں سلسلہ معشوق و معشوقہ کے مطالبہ یہ ہے۔ کہ تیرے سر پر شمع کہ اگر تمام
جہان ہی میرے سر پر ترک عشق کیلئے جوش و خروش ظاہر کرے۔ تو ہی میرے دل سے تیری محبت
اور تیرا عشق کم نہ ہوگا۔ اور خدا ان لوگوں کے جو روتہم کا بدلہ خود لے لیا۔

(۶) ترجمہ۔ آسمان مجھ پر طرف آوارہ کرتا ہے۔ تو جانتا ہے۔ اسکو ہماری جان پر صحت پر رشک آتا ہے۔
آسمان کو ہماری جان پر در اور روح افزاء محبت پر رشک آتا ہے۔ اور عاشق معشوق کا دل ٹھنڈا سے
نہیں بھاتا۔ یہی وجہ ہے۔ کہ آسمان مجھ کو ایک جگہ قرار نہیں دیتا۔

(۷) ترجمہ۔ ہم درد مند ہیں اور ہمارے اندرونی سوز کی خبر تو میں ہماری بیابان محبت پر شمع پر شمع
خواجہ صاحب کہتے ہیں کہ ہم درد مند ہیں اور ہمارے سوز سینہ کا ثبوت ہمارا دہن خشک ہوتا ہے۔
درد و دل ہمارے لب ہی خشک ہو گئے اور جو غنی اندر رہتی بذریعہ خیر آنکھوں میں آ کر آنسو بن گئی۔

(۸) ترجمہ۔ ہم نے جب سے تیرے خوبصورت چہرہ کی تحریف کا دم مارا ہے۔ پھول کی نیلیاں ہی
ہماری کتاب کے ورق سے شرمندہ ہیں۔

جب سے ہم نے تیرے پھول جیسے چہرہ کی توہیف شروع کی ہے۔ ہماری کتاب کو ورق تیرے
گل رخسار کی تحریف کی وجہ سے رشک گزار ہو گئے ہیں۔

یعنی تیرے رخسار کی نزاکت اور رنگینی کی تحریف پر کچھ غزلیں لکھی گئی تو کاغذ میں ہی اتنی نزاکت اور رنگینی
پیدا ہو گئی۔ جتنی برگ گل میں ہی نہیں ہوتی۔

(۹) ترجمہ۔ جلدی ہو کہ ہمارا معشوق سلامتی سے واپس آئے۔ وہ دن بہت اچھا ہوگا۔ کہ
سلامتی سے ہمارے پاس آؤ۔

پہلے مصرع میں عاشق اپنے مشتاق دل کو تسکین دیتا ہے۔ کہ معشوق جلد ہی واپس آئے گا۔ یا
وعلیٰ ہے۔ کہ اے خدا میرے محبوب کو جلدی سلامت واپس لا۔ دوسرے مصرع کا مضمون صاف ہی

ع لے خوش آں روز کہ آئی و بے ساز آئی
(۱۰) ترجمہ۔ اگر کوئی پوچھے کہ کہاں کیا خدا را احاطہ ہو زاری ہو سکر کیا اور ہمارا پاس ہو جا گیا۔

اس شعر کی ترکیب بخوبی قدر سے پیچیدہ ہے۔ دو طرح شعر چھپا جاسکتا ہے اور دوسری ہو سکتی
ہیں۔ ایک یہ کہ شاعر اپنے آپ کو مخاطب بنا کر کہے کہ اگر کوئی تجھ کو پوچھے کہ معشوق کہاں گیا۔

تو اسے ہر لحاظ سے خدا سے بڑا کر لےو۔ کہ عہد ہمارے پاس ہے چلا گیا۔ اس صورت میں اگر میرا سے
 حرا د اذکنار ما ہوگی۔ دوسری صورت یہ ہے کہ معشوق کو مخاطب کر کے شاعر کہتا ہے۔ کہ ہمارے
 بعد اگر کوئی پوچھے۔ کہ خدا را بتاؤ حافظ کہاں گیا۔ تو کہو کہ روتا ہوا ہمارے پاس ہی چلا گیا۔

غزل (۱۵)

۱	تا بیکام دل ببیند دیدہ ماروت را	۱	لطف باشد گزینشی از گدا ماروت را
۲	کاشکے سرگزندیدے دیدہ ماروت را	۲	ہمچو بارونیم دایم در بایئے عشق زار
۳	گر نہ گفتے غمنا از حس او ماروت را	۳	کے شدے ماروت رجا ہے خدا نشہر
۴	بلبل اس تند گوئی دیدہ چوں ماروت را	۴	بوئے گل رخاست گوئی ہر چہ بات و بود

(۵) سبکچم چور و جفا ہائیت ز جہراں لے صنم
 روئے مینا تا بہید حافظ ماروت را (۵)

اس غزل کے مستحسن معنی بزرگوں کا خیال ہے۔ کہ جو عہد حاضری میں ہے۔ ایک تہہ چوں
 اکثر لفظوں میں موجود نہیں دوسرے ان کا خیال ہے۔ کہ تکرار کافیہ باوجود صنعت ایہام کے خواجہ صاحب
 کی تشابہاں شان نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ چونکہ کل عموماً یہ غزل یوں حافظہ لفظوں
 میں موجود دیکھی جاتی ہے اس لئے اس کی تحفیف موزون نہیں۔ اگرچہ مولف کی ناقص رائے میں
 یہ غزل ایسی معمولی طرز کی ہے۔ کہ حافظ کی زبان سے نکلی ہوئی معلوم نہیں ہوتی۔ شعروں میں بندش
 الفاظ بلاغت اور خیال کی آمد خواجہ صاحب کی معلوم نہیں ہوتی۔

را (۱) تر چم۔ مہربانی ہوگی۔ اگر تلو سائلوں سے اپنے چہرہ کو نہ چھپائے۔ تاکہ حسب خواہش ہر
 آنکھ تیرے تیرے کور دیکھ لے۔

گدا مار۔ یعنی گدایاں۔ روت را۔ یعنی روئی تھوڑا۔ دوسرے مصرع میں روت را بمعنی رٹی
 ترا۔ مطلب صاف ہے۔

(۲) تر چم۔ بارونہ کی طرح ہم ہمیشہ سداً عشق میں نہ حال رہتے ہیں کاش کہ ہماری سب کچھ تیرے چہرہ کو نہ دیکھتیں۔

(۵) حافظا کریا نے ہوس شاہ و منت میدہ
(۵) یا فحی در سر و دو عالم ز منت عجز و عجز

(۱) ترجمہ۔ جب سے تیرے جمال نے عاشقوں کو اپنے وصل کی صلا دی۔ جان و دل تیری دلف و خال سے بلا میں گرفتار ہو گئے۔
اس شعر میں صلا دی صلائے الست بریکم ہے۔ جب جس مطلق نے انسان کو خود بلا کر اپنا شیدا بنایا۔ اور بھی اس بلا نے حیران میں ڈالا۔

نیش کی مجلس چھو گیا شاہ جکاد صبح است
اسی پچھا تو تو نسیم تہا زوری ہمیدل ہوں میں
جان و دل اور زلفت و خال میں امت و شمع مرتب ہے۔ عاشق کی بیان عشوق کی زنت و بلا میں پڑی۔ اور اس کا دل معشوق کے خال کی وجہ سے داغدار ہے۔

لے داغ بر دل از غم خال تو لالہ را

(۲) ترجمہ۔ جو (مصائب) عاشقوں کی جان تیرے حجر کے ہاتھ سے برداشت کر رہی ہے کسی نے یہاں میں سوائے شہیدان کر بلا کے نہیں دیکھے۔

کشتگان کر بلا سے مراد شہیدان کر بلا ہے۔ لفظ کر بلا تحف کرب و بلا کا ہے۔

(۳) ترجمہ۔ مہار معشوق اگر رندی اور سچی کرتا ہے۔ تو اسے میری جان تجھے پہلے ہی سنوری اور زہ کا ترک کرنا چاہیے۔

اگر مہار معشوق رندی و مستی کرتا ہے۔ تو میں سب سے اول سنوری اور زہ کو ترک کرنا چاہیوں
اس شعر میں ترک اور ترک کا استعمال تینیں محرف ہے۔ کیونکہ اختلاف حرکت ہے شعر کا معنی
قریباً وہی ہے۔ جو بے سہارہ رنگین کن و لے شعر میں ہے۔

(۴) ترجمہ۔ ہر دم عیش و موم شادی اور وقت خوشی اور ایام عشرت کے پلینہ نو کو لے دل غنیمت جان۔

مطلب صاف ہے کہ یہ چار دن کی چاندنی جو اس کو غنیمت جان۔ یہ ہر دم عیش و موم شادی
ہمیشہ نہیں رہیگا۔

(۵) ترجمہ۔ اے حافظا اگر بادشاہ کی قدم پوی تجھ کو حاصل ہو تو گویا تو نے دو زہراؤں

میں عزت اور عظمت کی تربیت حاصل کر لی۔
شاہ سے مراد مدوح یا مستحق۔ مگر غالباً ممدوح۔

روایف (ب)

نخل (۱۱)

۱	اصْبُوحُ الصُّبُوحِ يَا حَبَابِ	مید ملج کالہ بستہ صحاب
۲	المدام المدام يا احباب	مے چکدڑ الہ بر رخ لالہ
۳	خوش ہو شیدا و نغماتی ناب	مے دزدان زمین پیچہ بہشت
۴	راج چوں نعل نشین در باب	تخت زرین زو بہت گل چین
۵	داشت بجان بستی کباب	لبہ زبان تو حقوق ملک
۶	افتح یا مفتح الابواب	در خیابانہ بستہ اند سگر
۷	کہ بہ بند سیکدہ بشتاب	درین مونسے عجب باشد
۸	فالقوا اللہ یا اولی الالباب	زادہ اسے نوش رہ ندانہ
۹	مے نوشین کج بیانگے باب	بر نشان ز آب زندگی جوئی
۱۰	لعل نگار را در باب	چوں سکند حیات اگر طلبی
۱۱	موسم گل نوش بادہ تاب	برخ ساقی پیری پیکر

حافظانم مجوز کہ شاید بخت
عاقبت بر شد در تہرہ نقاب (۱۲)

(۱) نثر حبسہ صبح چھوٹ نہی ہے اور بادلوں نے شے لگائے ہیں سہ دو متواتر صبح

پیو) رتھراپ صبح (پیو)

کلمہ - بالکسر و تشدید بلام - (۱) باریک حالی کا پردہ جو مجھوں کو دور رکھنے کیلئے لگایا جاتا ہے (برہان) (۲) صاحب کشف و موید نے بمعنی خیمہ سائبان کہا ہوا اور یہاں یہی دوسرا معنی شاعر کہتا ہے کہ صبح بچو ٹہری ہو باولوں نے سائبان لگا ڈیا ہے۔ چاہے یہ کہ بزم اصحاب مجھے اور دوسروں کی شروع ہو۔ بادلوں کو اکثر شجر سائبان اور خیمہ و تشبیہ دیتی ہیں چنانچہ چودھری خوشی محمد ناظر فرماتے ہیں - ع - یہی چھوڑ دیری بادل کو کہہ رہے فنان لگاتی ہیں اس غزل میں خواجہ صاحب نے ہر نقشہ موسم کا کھینچا ہے - وہ میوہ خواروں کے عین حسب منشا ہو (۲) ترجمہ - قطرے لالہ کے رخسار پر گر رہے ہیں اے دوستو شراب! شراب! ہمیشہ ہماری تہ الم - (۱) اولاً - ان مثنویوں میں اکثر تہ الم بنیاد کہتے ہیں تاکہ دوسری معنوں کا کشش نہ ہو چنانچہ قافیہ لگتا ہے

(۲) اوس یا شبنم نظم میں کسی دفعہ یہ لفظ بمعنی شبنم استعمال ہوتا ہے مثلاً شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کا شعر
 تراجم برآلہ غرور آمدن کا نام خمر
 راست یوں کہ سخن گویے سترق نرینیا

(۲) غالباً یہ لفظ مطلق بارش لیلیٰ ہی استعمال ہوتا ہے۔

صبح کا وقت ہو۔ اچھا گیا ہی۔ گلہ پڑنیم کا قطرے پڑے ہیں۔ پابارش کے قطرے پڑ رہے ہیں۔ موسم یوں ہی تو بہ شکن ہے۔ اور خواجہ صاحب کو غالباً شیخ سعدی طبع یہ نظارہ دیکھ کر عارض کلیہ عرق کر دہا یا یاد آگیا ہو گا۔ اور اس یاد میں احباب کو تاکید کرتے ہیں کہ ساغر کے دور کو علی التواتر جاری رکھو۔

(۳) ترجمہ۔ باغ میں بہشت کی ہوا جلیبی ہے۔ خوشی سے ہمیشہ مئے خالص پیو۔
 نسیم۔ بادِ نرم۔ یکوئی چیز میں خوشبو ہو۔
 اس شعر میں تو خواجہ صاحب نے چمن کو فردوس بریں کا ہم پلہ بنا دیا ہے۔ پھر مئے شباب
 کی شہرا با طہور ہے۔

(۴) ترجمہ۔ بھولنے باغ میں تختہ زین بچھایا ہے۔ اور شراب جو حلالِ شہید کی

طرح ہے۔ پیو۔ حال کرو۔

راح۔ خوش ہونا۔ خوشی۔ شراب۔ یہاں بمعنی شراب آیا ہے۔

رنگدار بیوہوں کی کثرت سے گویا تین میں فرض زریں بچھا ہوا ہے۔

ترجیح۔ اسے بخود چون تین چہرے ہیں۔

(۵) ترجمہ۔ تیرے لب و دندان کے حقوق ملک کباب شدہ بیویں کی جان پر ہیں۔

لب و دندان۔ وہیں مشوق کو نکدان کو تشبیہ دیتے ہیں اور سب کو ملک پاشی پوئیں۔

ع۔ تبسم سے وہاں خالی ممکنان ہوتے جاتے ہیں

لب و دندان سے یہاں تبسم مراد ہے۔ کیونکہ تبسم کو وقت لب و دندان نظر آتے ہیں۔

مطلک صاف ہے۔ کہ عاشقوں کے سینہ ہائے کباب پر تو۔ تبسم سے ملک پاشی کی یہ بی

عاشقوں کی بی بی باغیچہ شکوری ہے۔ اور حق ملک کا اعتراف۔

(۶) ترجمہ۔ شاید شراب خانہ کا دروازہ بند کر دیا گیا ہے۔ اسے دروازوں کے کھولنے

والے دشمن کو حل کر کے دے دیا ہے۔

(۷) ترجمہ۔ ایسے موسم میں تعجب ہے۔ کہ شراب خانہ کو بند کر دیا گیا ہے۔

ان دونوں شعروں میں ہنسی ہے۔ جو بی بی نے فرمایا کہ میں شہید اور غار نکلی

نکھڑاں ہوا۔ تو اس نے سخت نشین ہو کر اس کے ساتھ تمام لفظ میں تبسم کر کے

اور جتنے شراب خانے تھے۔ سب اس کے ساتھ بند کر دیئے تاکہ صابروں کو شراب نہ ملے

لے اور دیگر شعروں کے وقت سے اس اٹھ پر نہ لیں کہیں۔ خواجہ صاحب نے یہ غزل بھی

اسی وقت لکھی ہوگی۔ خواجہ صاحب کے دیوان میں دو اور غزلیں ہی اسی واقعہ پر ہیں۔

خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ حکام وقت نے بیوہ نے کاروازہ بند کر دیا ہے۔ اسے

خدا تو تمام دروازوں کو کھولنے والا ہے۔ تمام مشکلات کو حل کر دیا ہے۔ اس دروازہ کو

بھی کھول۔ کیونکہ ان دنوں میں جب کہ موسم بہار شباب پر ہے اور آج کل ابراودہ شہ ہار

گل شکستہ و دریں بخت ہے۔ یہاں کا بند کرنا عجیب بدبخت ہے۔ دیکھو غزل ۸۸ ص ۸

میت اور غزل ۱۵۱ ص ۱۵۱ دلیف دال۔

(۸) ترجمہ - ہر مذہب کی شرح نے ذاتی گمراہی کے بعد انہیں نفس فسادات طور پر
خواجہ صاحب یہاں زیادہ کو پی زندوں میں شریک ہونے کے لئے کہتے ہیں اس شعر کو
دو طرح معنی ہو سکتے ہیں ایک تو یہ کہ زیادہ اگر شراب پیتا ہے - تو زندوں کی طرح بنی - یہ نہیں
کہہ سچ ہاتھ میں ہوا اور قبولِ عمل ہیں - رہا گاری نہ کر اور خدا سے ڈر دوسرے معنی یہ ہو گئے کہ
لے زائد تو پی زندوں کی طرح شراب پینا شروع کر تاکہ تو ہی مست اور بخود ہو جائے -
اور زندہ کے اس بارگراں سے سبکدوش ہو جائے - کیونکہ انھوں نے صرف اولیٰ الباب کے
واسطے آیا ہے - مست محدود ہیں -

(۹) ترجمہ - اگر تو اب حیات کا پتہ لینا چاہتا ہے - تو شرابِ خالص اور باگاہ باب کی طلب کر -
آبِ زندگی چشمہ حیوان - آبِ حیات - نوشین شیرین منسوب بنوش یعنی
شہد (برہان قاطع)

خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ آبِ حیات کا متلاشی ہو تو شراب اور نغمہ رباب کو تلاش
کر - کیونکہ نغمہ رباب اور شراب انسان کو زندگی بخشتے ہیں یعنی جان پرور و روح افزا ہیں
(۱۰) ترجمہ - اگر سکندر کی طرح تو حیاتِ ابدی چاہتا ہے تو معشوق کے لبِ لعل کی طلب کر
(اسے حاصل کر -)

سکندر اور خواجہ خضر علیہ السلام کا قصہ مشہور ہے - آبِ حیات کی تلاش میں نکلے تھے -
خضر نے تو پی لیا - اور سکندر رہ گیا - خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ اگر تو پی سکندر کی طرح
آبِ بقا کا پیاسہ ہے - اور حیاتِ جاودان کا طلب گار ہے - تو معشوق کے لبِ لعل تک
رسائی حاصل کر - کیونکہ وہ عاشق کا آجیات ہے - افسوس پورے کہا ہے -

جاں سودہ اندوختہ و چشمہ حیات | زال پر خمیر پایہ لعلت شربتہ اند

خمیر قاریاں نے ہی لبِ لعل کو آبِ حیات کہا ہے -

کیونکہ یہاں تا نزدِ بے شباش | تو کوئی سربِ بیخ بنستہ تہذو

اسطلاحاتِ تصوف میں شرم و بے شرمی کے متعلق گفتگو راز میں کہا ہے -

زہ چشمش خواست بیماری و مستی | زہ لعلش گشت پیدائش و ہستی

<p>زخمِ دوست و لبِ مست و خمور زخمِ چشم و ہمہ و لبِ حیر خواہ زخمِ زہرے و دہستی بخت زخمِ زہرے و لبِ کار سازد</p>	<p>زخمِ دوست و لبِ مست و خمور زخمِ چشم و ہمہ و لبِ حیر خواہ زخمِ زہرے و دہستی بخت زخمِ زہرے و لبِ کار سازد</p>
<p>(۱۱) ترجمہ۔ ساقی پر پی پیکر کے سامنے موسم بہار میں شراب خالص پی۔ موسم گل۔ موسم بہار۔ در محذوف ہے۔ (۱۲) ترجمہ۔ اے حافظِ ممکن تہ ہو۔ کہ متوق بخت آخر کار چہرہ سے پردہ اٹھائے گا۔ وہی بھون ہے۔ جو شعر الف سلا میں ہے۔</p>	
<h2 style="text-align: center;">غزل (۲)</h2>	
<p>گفتی و بنایں لہ گم کند مسکینِ غریب خانہ پرورد و چہ تار آید دمِ حیدینِ غریب گر ز خار و خارہ ساز و لیم و بالینِ غریب خونِ تار آں خال مشکینِ بخت کس غریب گرچہ بود و ز کارستان خط مشکینِ غریب ہو گر زل و توان بر صحنہ سرینِ غریب در تیر گاہا چن لکن چوں بنالِ اس غریب ورنہ تو ای سافت را خستہ و سکتینِ غریب</p>	<p>گفتم اے سلطانِ خواہ کج کن ای غریب گفتمش بگذر زمانے گفت محذوف ہم یادار خفتہ بر سنجی شایہی نازنی را چہ قسم اے کہ در زخمِ زلفت جان چند پر کشناست بہر غریب اشتادہ است آں مور خطِ گردخت تے نہایت شمس و در رنگِ آہ و ہوش گفتے اے شامِ غریبان طرہ شہر بنگ تو با ز کلمہ ماہرین عارض گل کون ہوش</p>
<p>(۹) گفت حافظ اشعار الہیہ مقامِ حیرت (۹) دور بود گر شہر خستہ و سکتینِ غریب</p>	
<p>(۱) ترجمہ۔ میں نے کہا کہ اے خوبصورتوں کے بادشاہ اس غریب پر رحم کر۔ تو اس نے کہا کہ اپنے دل</p>	

کے لیے مسکین غریب گراہ ٹوا رہے۔

معشوق کا جواب بس یہ ہے کہ ہمارا کیا قصور ہے تم اپنے دل کے پیچھے اس قدر تکیہ کر رہے ہو۔ اب ہمیں کیا کہنے ہو۔ مرزا غالب نے شاید معشوق کو یہی جواب دیا ہو کہ تو نے کچھ طعن و ملامت کیا تو ہی۔

دلن یا جہان گر کیوں سکون فدا رہد
عظمیٰ کی نیچر کا فر کو مسلمان سمجھا

علی بن ابی طالب کو مسلمان سمجھا

تاریخ ۱۳۰۲

زمانِ محرم کہ بدیناں کی تین مہینہ

وہمیں اپنے آپ کو

۱۰۴) اگرچہ ہمیں نے اس کتاب کی تصدیق و تائید کی ہے مگر یہ صرف ایک کتاب ہے۔
کی کتاب کس طرح ہو سکتا ہے۔

کتاب کس طرح لکھتا ہے۔

جنگر کے ساتھ برما۔ محذوف ہے۔ خانہ پرورد اور غریب بالقابل نے میں غریب
یعنی مسافر ہوتا ہے۔ اس نے لطافت ظاہر ہے۔

اسلام ترجمہ - مازنین جو سنجائی پر سوچا ہوا ہے کیا ٹھ - اگر کوئی تو یہ کہی گا اور سخت تھوڑے ستر بالین بنا
سنجایا - بالکسر ایک جہانور کا نام ہے - جس کے پوست ستر سوستین بناتے ہیں -

رنگ خاکستری ہوتا ہے۔ اس جانور کے پورے کوہی پنجاب کہتے ہیں۔ بالفتح بھی درست ہے۔
خواجہ صاحب معشوق کا جواب سن کر دل میں کہتے ہیں کہ فی الواقعہ جو شخص آرام میں ہو۔ اسے سوسر

کا کیا فکر ہے۔ کیس حال میں ہے۔

(۴) ترجمہ۔ اے کتیری زلف کی زنجیریں لئے خوشنماؤں کی جہان و تیرے رخسار پر خال مشکین کیا اچھا مسکین مسافر ہے۔

مسکین غریب مرنے کے ساتھ نہیں بلکہ خال مشکین کے ساتھ ہے۔ کیونکہ خال رخ یا ریشم نہ اسی طرح ہے۔ جس طرح کوئی رنگی رنگستان میں۔

خانے کی تعمیر شد ۲۰۰۵	زمین کی خریداری ہوئی ۲۰۰۵	(۱۰۰)
-----------------------	---------------------------	-------

زمکى محب از ديدن پاوه (هن)

و شماره بخال در اصطلاح تصویف -

بر آن لوح خطه خاش سپید است که آن مرکزین و محیط است

لے آں مرکز میں خط است

از روشند خط و در هر دو عالم

روز و شب در طلب

از ان حال میں ہوں تباہ است	عکس نقشہ خال سیاہ است
چو خال حال میں ہوں خوش نیست	وزان منزل میں ہوں شاد نیست
مداغم خال و عکس دل باست	دیادول عکس خال دل نہ باست
ز عکس خال و دل گشت پیدا	ویا عکس دل ان جا شد پیدا
دل اندر روئے او یا اوست در دل	ہر الوشیدہ گشت پیدا

(۵) ترجمہ - تیرے رخسار کے گردہ و رخسار میں عجیبے رنگ ہوا ہے۔ اگرچہ شوق و فتنہ میں بہت شکنجہ لپیٹا نہیں ہوتا۔

مور خط - خط کو عموماً مورچہ سے تشبیہ دیتے ہیں۔ خواجہ صاحب کہتے ہیں کہ اگرچہ نگارستان میں خط شکنجہ کو عجیب بات نہیں لکھا معمولی چیز ہے۔ مگر تیرے رخسار پر خط شکنجہ نہایت خوبصورت اور نہایت عجیبے رنگ ہوا ہے۔

رخ اینجا نظر حسن خدا نیست	مرا در خط جناب کبریا نیست
حسن خط شیدہ از کوئے	کہ از ان نیست بیرون ہو بروئے
خط آمد سبزہ زار عالم جان	از ان کردند بخش آب حیواں -
ز تار کچی زلفش روز شب کن	ز مطلق چشمہ حیواں طاب کن -
خضر و ار از مقام پانی	بجو از خطش آب زندگانی
نہفتہ زیر ہر موئے از و ناز	ہزاران عسل از بردہ راز

(۶) ترجمہ - تیرے چاند جیسے چہرہ کے رنگ میں عکس نے نظر آتا ہے جس طرح رنگ - انگوٹھ سر میں پر عجیب معلوم ہوتا ہے۔

ارغوان ایک درخت ہے جس کی ٹہنیاں باریک ہوتی ہیں اور موسم بہار میں سارے درخت پر پھولوں کا جاتا ہے اور پتے بالکل نہیں ہوتے دوسرے موسم میں اس پر پتے لگتے ہیں اس پر پھول کو ارغوان کہتے ہیں۔

سدرین - بانسہ ایک مفید درخت ہے سدری نشا ہے۔ یہ فانی نہیں سترن کہتے ہیں۔ ہندوستان میں سیوتی کہتے ہیں۔

خواب نہ صاحب کہتے ہیں کہ تیرے چہرے پر جیسے پیر سے پر شراب کا رنگ لایا تو صورت اور عجیب معلوم ہوتا ہے۔ جیسا تختہ لسن پر ارغوان کا بیہ ہو۔

(۷) ترجمہ یہ کہ کہنہ پر منی لایا (نہر گئے لفظ) مسافر کو شام کی تھکاوٹ جب یہ غریب و تار توڑ طرہ شہر تک۔ سیارہ زمین پہنچی بار آچکا کہ کہنہ عاشق کی لہریں عاشق کو دل کیسا اثر کرتی ہیں۔ عاشقوں کی کو وہ بغیراری کا موجب بنتی ہے۔ اسلئے شام غریب کہا یوں ہی عاشق کی لہریں کو بوجہ لبانی کے شب مذاق سے تشبیہ دیتے ہیں اور بوجہ سیاہی شب بھور کہتے ہیں۔

نالہ بحر کے اثر کے متعلق فریاد شجر الفنا ہے

(۸) ترجمہ۔ پھر میں نے کہا کہ اے میرے چاند وہ چول جیسا چہرہ نہ چپا ورنہ تو ہم کو خستہ حال و مسکین اور غریب بنا دینگا۔

عارض معنی رخسار سان معنوں میں یہ لفظ عارض ہو گا۔ عارض نہیں۔

پچھلے شعر میں خوابہ صاحب نے زلف کی شب تار کا ذکر کر کے ابابہ عارض کی جانوائی کی درخواست کی ہے مسافر یعنی ساکن کیلئے چاندنی رات غنیمت ہوتی ہے۔

(۹) ترجمہ۔ کہ اے مسافر صاحب شام مقام حیرت میں پہنچے عجب نہیں کہ غریب (مسافر) خستہ و مسکین ہو کر بیٹھے۔

اس شعر میں خوابہ صاحب کے گفت اور باز گفت کا جواب یہ دیا ہے کہ جب شہر تابی مقام حیرت میں ہے تو پھر ایک مسافر جو ابی درمیانی منازل کو ہی طے کر رہا ہے۔ وہ کیونکر خستہ و مسکین نہ ہو۔

غزل (۳)

۱	سایہ زار باد حجاب از آفتاب	آفتاب زار باد حجاب
۲	ماہ بزم جو رہی زلف تاب	دست ماہ مہر بر بند و کھن
۳	گر در آن خوش بزم شمع تاب	از خیال ماہ ز شمع تاب

انہی بھر کوئی آدمی میرے خیالات کی وسعت اور رفت کو نہیں پاسکیگا۔ یا یہ کہ کسی کا خیال ہی مجھ
بہت پہنچ سکیگا۔

(۴) ترجمہ۔ معشوق مستور اور مست بے صبر خالقہ آباد اور درویش خراب حال۔
خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ ادھر معشوق صیا ختم اور باہمکت ہیں اور ادھر عاشق بیضیر کو
ہیں۔ وہی مثال ہے۔ کہ خالقہ تو خوب بارونق اور آباد ہو۔ مگر درویش خراب حال ہوں۔

معمور اور خراب ضدین عموماً عمارت کی صفت ہو کر آتے ہیں ستوری اورستی ہی ایک دوسری کی ضد ہیں
(۵) ترجمہ۔ آنسوؤں سے جام میں ہیں نے خون قانع کیا۔ امیر و شراب سے برباد کردی۔
سرشک۔ بجز تین قطرہ آب چشم اشک۔ آنسو۔

مطلب یہ کہ میں نے جام شراب میں اپنا خون لٹا دیا۔ کیونکہ میری آنکھوں میں آنسو تھے۔
ان کا عکس جام میں پڑا۔ اور بوجہ رنگ شراب کے وہی سرخ نظر آئے۔

(۶) ترجمہ۔ شراب کے لئے مارنا چاہئے۔ محتسب کو مارنا بے حد و حساب۔
محتسب۔ وہ اہلکار جسے سپرد منوعات شرعی کا تذکر ہو۔ حد شرعی مترا۔
اس شعر کے دو طرح معنی ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ محتسب شہر کو بے حد و حساب سزا دیتی چاہیے
کیونکہ وہ محتسب ہو کر شراب پیتا ہے۔ یا یہ کہ چونکہ وہ شراب سے ہمیں منع کرتا ہے۔ اس لئے
سزا کا مستوجب ہے۔

(۷) ترجمہ۔ اگر محتسب توں کے سوز کو جانے۔ تو فوراً شراب سے انکی آنکھ پانی ڈالے
محتسب پر اظہار غضب کر کے خواجہ صاحب پھر خود کہتے ہیں کہ محتسب ہمیں جو بخواری سے منع
کرتا ہے اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ وہ ہمارے سوز دردوں سے نا آشنا ہے۔ اگر اس کو
ہمارا سوز دل معلوم ہو جائے تو وہ اس گ کو بھیلے کیلئے خود اس پر شراب چڑھے۔
(۸) ترجمہ۔ اے حافظ و حفظ نصیحت کہو کہ نہ کرے معشوقان خطا کو چھوڑنا چاہا نہیں۔
خطا یا اختلا۔ نام شہر مابین ترکستان و چین۔ و توران۔ ترکان خطا یعنی معشوقان۔
صواب۔ ضد خطا یعنی درست و راست۔

مطلب یہ ہے کہ اے حافظ و حفظ کہو کہ وہ خط و نصیحت نہ کرے۔ اور ہمیں عشق

سے منع نہ کرے۔ کیونکہ عشق پہوننا ایسا کام نہیں۔

ایک شارح صاحب کہتے ہیں کہ اپنے مصرع کا مکن دوسرے مصرع کے ترک ہو متعلق ہے یعنی ترک مکن معلوم نہیں کہ وہ نبود صواب کو پھر کیا کرینگے گو مکن عام محاورہ میں استعمال ہوتا ہے۔ خوان ایک فصل کا مخاطب خود تکلم اور دوسرے کا مخاطب اعلا ہو۔ یاد نو نو کا مخاطب تکلم ہی ہو۔ مدعا ایک ہی ہے۔

غزل (۴)

۱	کہ آمدنا گہان دلدارم مشب	تعالیٰ اللہ چہ ولت ارم مشب
۲	جہا اللہ شو کرد ارم مشب	جو دیدم رونے خویش بجا ارم
۳	ز بخت خویش بر خور ارم مشب	بہاں عشق از خویش بر آورد
۴	چون تصور کشی برد ارم مشب	کشش تا الحق بر زمین سخن
۵	رسید از طبع بید ارم مشب	برای لیلۃ القدر بستم
۶	کہ سر لوش از طبق برد ارم مشب	بر آن غم کہ گر خود میرود سر
۷	از کوہ سخن وہ حق دارم مشب	تو صاحب بختی من مستحقم

(۸) ہمے ترسم کہ حافظ گوگود
(۸) ازیں شور کہ سر ارم مشب

اس غزل میں پہلی سہل منہور ہو چکی ہے۔ عاشق کو وصال محبوب نصیب ہوا ہے۔ اور اسی خوشی پر دم نشہ سہرائی کرتا ہے۔ اپنے مذاق کے مطابق اسے شہادۂ حسن مطلق خیال کریں یہ اصل معنی شوق مجاز و تہو نوروں پر اس غزل کا اطلاق ہو سکتا ہے۔

(۱) ترجمہ کے سچان اللہ میری رات کیا دوزخ آہتا ہوں کہ میرا معشوق آگہان ج رات گیا۔

(۲) ترجمہ۔ جب میں نے اسکا خوبصورت چہرہ دیکھا۔ تو تجدد کیا۔ خدا کا شکر کہ میری رات

نوشخت (نیکو کار) ہوں۔

خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ اللہ اکبر آج میں کیسا خوش نصیب ہوں کہ میرا معشوق کا کہاں لکھنا ہے اور ہو گیا۔ میں اس کے خوبصورت چہرہ کو دیکھ کر شکر و تعظیم کا سجدہ بجالایا۔
دوسرے شعر میں نیکو کردار کے معنی نیکو کار ہیں گویا سجدہ کرنے سے میں نیکو کار ہو گیا۔
یا نیکو کردار سے مراد نیک نخت لے لی جائے۔

(۱۶) ترجمہ۔ اسکے وصال سو میرے عیش کا درخت یا ر اور سٹھا۔ اپنی نخت سے سیرت پرانہ و زبور لفظ برخور دار مرکب ہے۔ اور اسکی ترکیب کے متعلق کئی رائیں ہیں داہیلی اور اصغر رائے یہی کہ یہ لفظ برخور دار کا مرکب ہے اگر کلمہ نسبت۔ برخور اور دار کا مرکب نہیں (۱۷) صاحب کشف نے یہاں ایک لطیفہ پیدا کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ یہ لفظ مرکب ہے۔ بر اور خور اور دار سے یعنی بر و خور و مدار۔ (۱۸) تیسری رائے یہ کہ برخور دار یعنی درست برخور دن کے ہو۔ دار یعنی درست اس لفظ کے معنی ہر صورت میں ایک ہی ہیں یعنی کامیاب۔ برومند۔

(۱۹) خون نقش انا الحق زمین پر بنا لگا منصور کی طرح اگر تجھے آج رات سولی پر لٹ گائے۔
اس شعر میں حضرت منصور صلاح کے قصہ کی طرف اشارہ ہے۔ انہوں نے مغلوں کا حال ہونے کی حالت میں انا الحق (میں خدا ہوں) کہہ دیا۔ جس پر بموجب فتویٰ شریعت ان کو سولی دی گئی۔ مشہور ہے کہ ان کے خون کے قطروں سے ہی آواز انا الحق آتی تھی۔ خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ آج وصال حاصل ہونے سے میں اسقدر فنا فی المعشوق ہو گیا ہوں۔ کہ اگر مجھے ہی آج معشوق سولی سے توہیر انون زمین پر چب کر لگا۔ تو نقش انا الحق پیدا کر لگا۔ یعنی زمین پر خون سے انا الحق لکھا جائیگا۔ اہل تصوف کے نزدیک منصور کا انا الحق کلمہ حق تھا۔ کہو کہ ان کے نزدیک خدا کے علاوہ اور کوئی موجود نہیں۔ اس لئے مطابق اصول ہمہ اوست۔ سب کچھ وہی ہے۔ چنانچہ کہہ گیا ہے کہ توحید ان نسبت کہ اور ایگانہ دانی۔ توحید ان است کہ اور ایگانہ باشی۔ یعنی توحید یہ نہیں کہ تو خدا کو ایک سمجھا۔ بلکہ یہ ہے۔ کہ تو اس کے ساتھ ایک ہے۔ خواجہ صاحب کا مطلب یہ ہے کہ آج مجھے ہی شانہ ذات سے رتبہ لگانا باشی حاصل ہو گیا ہے۔ اور میں ہی فنا فی اللہ ہو کر انا الحق کہو کا مستحق ہو گیا ہوں۔

اس شعر کے دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ اگر آج مجھے یہاں معشوق قتل ہی کر دے، تو میں
دعویٰ دار نہ ہو گا۔ چنانچہ اسکی تائید میں میرا خون ہی جب زمین پر گرے گا۔ تو نقشِ انا الحق پیدا کرے گا۔
یعنی وہ بھی شہادت دیگا۔ کہ خون حق ہو۔ یعنی خون جابر ہے۔ خون ناحق نہیں۔
(۵) ترجمہ۔ لیلیٰ القدر کی برات میرے ہاتھ لگی بختِ بیدار کی وجہ سے آج رات۔
برات۔ فارسی لفظ ہے۔ اس پروانہ کو کہتے ہیں جس کی بوجہ خزانہ سرکاری روپیہ ملے
یعنی چالان یا چک۔ مجازاً معنی دینا۔ عطا کرنا۔

لیلیٰ القدر۔ ایک رات ہے جو سال میں ایک بار آتی ہے۔ اس کے تعین کے متعلق
مختلف روایات ہیں۔ اور کوئی رائے قطعی نہیں۔ مگر کثرت رائے اس پر ہے۔ کہ یہ رات ماہ
رمضان کی ستائیسویں رات ہے۔ اس کی فضیلت کے متعلق قرآن شریف میں لکھا ہے۔ کہ
”ہم نے قرآن شریف کو شب قدر میں بھیجا۔ اور تو کیا جانتا ہے۔ کہ شب قدر کیا ہے۔ شب قدر
ہزار ماہ سے بہتر ہے۔ خدا تعالیٰ کے حکم سے فرشتہ اور جبرائیل اس رات کو اترتے ہیں۔ ہر کام میں
اس رات کو سلامتی ہے۔ اور یہ سلوے خیر تک ہوتی ہے۔“

مشہور ہے۔ کہ اگر آدمی اس تمام رات کو جاگتا رہے۔ تو ضرور مشاہدۂ الہی سے سرفراز ہو گا۔
خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ مجھے تقریباً بیسے وصال سے آج ہی رات کو لیلیٰ القدر کے فوائد حاصل ہو گئے۔
(۶) ترجمہ۔ یہ ارادہ ہو کہ اگر سر ہی چلا جاوے۔ طبع سے سرپوش آج رات اٹھا دوں گا۔
خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ مجھے آج اس قدر فرصت اور انبساط حاصل ہے اور اس قدر سستی
پیدا ہوئی ہے۔ کہ ارادہ ہے۔ کہ آج ضرور ہی راز ہائے سربتہ کو فاش کر دوں یعنی میں ہی
وصال حق میں اس قدر محو ہو جاؤں کہ منصور کی طرح انا الحق کہوں اور اگر سر ہی جانا رہے۔ تو یہی
اظہار حق اور افشاءِ راز سے باز نہ آؤں۔ شعر کے مجازی معنی آپ خود بخالیں

اے سیر کو تازہ کردم من زبان اگر تو خواہی زانہ دروں خود بخواں

(۷) ترجمہ۔ تو صاحبِ دل ہے۔ میں سخی ہوں جس کی کواۃ دے آج ہتھار ہوں۔
اس مضمون پر خواجہ صاحب دوسری جگہ کہتے ہیں۔

نصاب جن تو خدا مال است زخود ام وہ کہن نہیں سیرم

یعنی تو متاع حسن میں میرا ہے۔ اور صاحب انصاف ہے۔ تجھ پر زکوٰۃ فرض تو نہیں تھی بلکہ
اور تجھ پر زکوٰۃ جائز طور پر صرف ہو سکتی ہے۔

(۸) ترجمہ۔ تجھے ڈر ہے کہ حافظ نحو ہو جائیگا۔ اس شور و جواں آج رات میرے سر میں ہے
نحو۔ بفتح میم۔ کاغذ یا تختی وغیرہ سے حروف یا نقوش کا مٹانا پاک کرنا۔ اصطلاح صرفیہ
میں عادات و اوصاف بشری کا کم ہونا زائل و معدوم ہونا (غیاث)

خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ میں وصال محبوب میں اس قدر از خود رفتہ ہو گیا ہوں اور میرے سر
میں اس قدر تصورات و تخیلات کا زور ہے۔ کہ مجھ کو ڈر ہے کہ میں بالکل خود ہی نہ ہو جاؤں۔

غزل (۵)

صبح دولت مید کو جام بھجوا آفتاب	۱	فرستے زین یکجا باشند بدہ جام شراب
خانہ بے تشویش و ساقی یار و نظیر نہ گو	۲	موسم عیش سے دور ساغر و عہد شباب
شاہد ساقی سنت است افشار و مطرب کو	۳	غمزہ ساقی چشم جو پرستان کہ و خواب
خلوت خلعت و جا امن و نہ ہنگامش	۴	ایکے کو تنہا یہ پیدار سیٹا رب یا نحو اب
از خیال لطیف نے نشاط چلاک طبع	۵	در خمیر برگ گل خوش منید نہاں گلاب
از بے تفریق طبع و زلیخا حسن طرب	۶	خوش بود و ترکیب بوجہ جام با نعل مزاب

تاشدان ماہ مشتری در ہائے حافظ را بگوثر

میر سدرم بگوثر نہرہ گل بانگ رباب

(۱) ترجمہ۔ صبح اقبال کا طلوع ہے۔ جام شراب مثل آفتاب کے کہاں ہے اس کو اچھا تو
کب ہوگا۔ جام شراب دے۔

صبح دولت سے مراد خوش نصیبی کا آغاز صبح کی رعایت سے انتخاب لایا گیا ہے۔ جس طرح

صبح کے لیے۔ آفتاب ضروری ہے۔ اسی طرح خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ صبح وصال ہے۔
جام شراب ضروری ہونا چاہیے۔ اس کی بہتر بھڑکون سا وقت ہوگا
(۲) ترجمہ۔ گھربا آرام۔ ساقی مہربان اور مہربان لطیفہ گو ہے۔ عیش کا موسم ہے۔ دور ساغر چلتا ہے
اور جوانی کا زمانہ ہے۔

اس شعر میں اور اگلے دو شعروں میں خواجہ صاحب نے ترم وصال کا نقشہ کھینچا ہے۔ خانہ بے
تنتوش سے یہ مطلب ہے۔ کہ وہاں کوئی تحمل نہیں۔

۱۔ اور لے بے باغ ہو ساقی مجھ پر روش
۲۔ در و در ہاں خلسہ ہو کروش باختم بجا سیک
(۳) ترجمہ۔ معشوق اور ساقی رقص کرتے ہیں عطر بنا چ رہا ہے۔ ساقی کے عمر نہ نے ہے
پرستوں کی آنکھ سے نیند دور کر دی۔

دست افشاں اور پاکوب۔ رقص کر نیوالا۔ ناچنے والا۔
نغمہ۔ معشوق کا چشم و آبرو سے اشارہ کرتا۔
(۴) ترجمہ۔ خلوت خاص ہو جائے امن ہو اور آرام کی پکیزہ جگہ۔ الہی جو یکم میں کہتا ہوں خواب میں ہو
یابیداری میں۔

نرمیت گاہ۔ پاکیزہ جگہ۔ سرسبز اور تازہ مقام ہائش بالضم۔ آرام۔ الفت۔
اگر بالکسر پڑیں۔ تو یعنی آدمیان۔ مگر یہاں بالضم معنی آرام ہے۔

دوسرے مصرعہ عام محاورہ میں استعمال ہوتا ہے۔ جب کسی آدمی کو کوئی خاص نعمت یا کوئی غیر معمولی خوش
خلاف امید کر حسب خواہش مل جائے تو اس موقع پر یہ مصرعہ پوچھا جاتا ہے۔ یعنی آدمی حیران ہوتا ہے
کہ کیا یہ سچ ہے۔ چہ نیست ملگنی۔ غالباً یہ مصرعہ خواجہ صاحب کا اپنا نہیں۔

خواجہ صاحب نے پہلے تین شعروں میں فی الواقع ایسا سین کھینچا ہے۔ جو عاشقوں کیلئے ایک
نعمت غیر مترقبہ ہے۔ اور اگر کسی عاشق کو یہ موقع ہاتھ آجائے تو بے شک وہ شک کیس کا
کہ میں جاگتا ہوں۔ یا خواب دیکھ رہا ہوں۔

(۵) ترجمہ۔ لطف سے کمال و قدرت کے چالاک ہوتا ہونے پہنچول کے پتوں کے اندر
گلاب کو خواب پوشیدہ کیا ہے۔

مشاطہ - بالعموم و بشیرین - وہ عورت جو خورنوں کے بالوں کو کٹتی کرے اور ان کو آرائش عروسانہ میں مدد کرے - ضمیر - اندرون دل - مشاطہ ضمیر کہ جگہ اگر خیر طبع تو ہی معنی دہی ہونگے - مشاطہ چالاک طبع دو طرح پڑ جا سکتا ہے - ایک یہ کہ چالاک طبع صفت ہو - اور مشاطہ موصوف ہو یعنی مشاطہ چالاک طبع معنی باوصیایہ کہ مشاطہ چالاک طبع پڑ جا جائے - یعنی طبیعت یا قدرت کی چالاک مشاطہ یعنی قدرت مطابقت و صورتوں میں ایک ہو کہ باوصیایہ قدرت اس خیال سے کہ گلاب لطف سے کو دو بالا کر دیتا ہو پہول کی پکڑیوں میں گلاب پیدا کرتی ہے - (۶) ترجمہ طبیعت کی تفریق کیلئے اور حسن و خوشی کے زیب کیلئے جام زرین اور شراب کی ترکیب بہت اچھی ہے -

لعل مذاب - لعل مشہور قیمتی پتھر - مذاب معنی گداختہ شدہ - گلا ہوا - پگھلا ہوا - پگھلا ہوا اعلیٰ یعنی شراب سرخ - خواجہ مذاب نے عرق مفرح قلب کا اچھا نسخہ جو زیر زلیبہ - (۷) ترجمہ - جب سے وہ مابوش حافظ کے موتیوں کا کافوں کیلئے خریدار ہوا ہے - زہرہ کے کانوں میں ہر وقت رباب کی آواز جا رہی ہے - گلاب تاک - آواز قلندران و شاطران - شادی کے موقع پر لوگ جو شور کر رہے تھے - آواز بلبل - آواز خوش خوش خبری -

ماہ و مشتری کے استعمال میں صفت ایہام ہے مشتری ایک ستارہ کا نام بھی ہے - اور یہاں معنی خریدار -

مطلب یہ ہے - کہ جب سے وہ مابوش ڈرامے حافظ یعنی کلام حافظ کو کانوں کے لئے خریدنے لگا ہے یعنی نینہ لگتا ہے - تب سے حافظ کی غزل اس بات - آہنگی سے رباب کے ساتھ گائی جانے لگی ہے - کہ زہرہ کے کانوں تک پہنچتی ہے - زہرہ ایک ستارہ ہے -

غزل (۶)

۱	ریاض صلتی بادر ریاض رضوان آب	۱	رتاب تیر تو دار دوش سر دوزخ تائب
۲	چشم من بہشت جو بہار باغ بہشت	۲	خیال گر بہشت تو نمیداند خواہ
۳	بہشت عارض قد تو بردہ لایبناہ	۳	بہشت طوطی و طوطی لہم و حسن ماب
۴	بہار شرح جمال تو دادہ در سہر سہل	۴	بہشت زکریا بل تو کردہ در سہر باب
۵	لب و دہان ترالے بسا حقوق نامک	۵	کہ بہشت بر جگر ترش و سینہای کباب
۶	لب و خوشایق الی و کام دل نہ رسید	۶	بہار اگر پسندیدی زنجی خوش تاب
۷	گمان مبر کہ بدو تو عاشقان مستند	۷	خبر نداری از احوال از اندان خراب
۸	حراب دور بہت شدید کہ جوہر سہل	۸	پدیدے شود از آفتاب عالم تاب

(۶) مہل کہ تیر بہ پیہودہ بگزرد حافظ
بکوش و حاصل عمر عزیز را در باب

(۱) ترجمہ - تیرے وصل کے باغ سے باغ بہشت تازگی حاصل کرتا ہے۔ تیرے ہجر کی آگ سے دوزخ کی آگ گرنی لینی ہے۔
ریاض - جمع روضہ بمعنی مرغزار یا باغات۔ رضوان - بالکسر بمعنی خوشنودی و تمام فرشتہ جو موکل بر بان بہشت ہے۔ ریاض رضوان - رضوان کا باغ یعنی باغ بہشت۔
شاعر کہتا ہے کہ تیری بزم وصال ایسا روح پرور اور رفیقا مقام ہے کہ باغ بہشت کو بھی جو رونق حاصل ہے۔ اسی سے ملی ہے۔ اور دوزخ کی آگ میں جہنم و جہنم کی آگ تیرے جہنم کی آگ کا ایک حصہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ باغ بہشت میں جہنم کی آگ کی فوج و راحت ہوگی وہ اس واسطے ہوگی کہ وہاں محبوب کا مشاہدہ ممکن ہوگا۔

سنتے ہاں جو بہشت ہے کیا نہیں ہے	نیک بند اگر وہ تیری بلبل ہو گاہ
اور اہل دوزخ کو جتنا عذاب ہو گا۔ وہ اسی وجہ سے ہو گا۔ کہ وہ مشاہد حق کو محروم ہونگے۔	
ویری تمام صوفیائے کرام کا خیال ہے۔	
(۱۲) ترجمہ میری آنکھوں کی طرح تمام رات باغ بہشت کی نہیں تیری سنت آنکھ کی صورت، خواہ میں دیکھتی ہوں۔	
جو تبار۔ وہ جگہ جہاں بہشت نہیں ہوں مطلقاً یعنی بہشت کا خیال۔ بالغ پندار و صورت	
جو خواب میں بھی جاسے۔ یا بیداری میں تصور کجائے۔ وہ صورت جو پانی میں یا آئینہ میں نظر آئے۔	
مطلب یہ۔ کہ میری آنکھوں کی طرح باغ بہشت کی نہیں ہی تمام رات خواب میں تیری سنت آنکھوں	
کی صورت دیکھتی رہتی ہوں۔ یعنی عرف انسان ہی نہیں۔ بلکہ باغ بہشت خود تیرے دیدار کا مشتاق ہو۔	
اس شعر کا دوسرا نسخہ یہ ہے۔ چشم کے درخشاں ہے۔ اس صورت میں یہ جانی ہو گئے۔ کہ میری دوزخ	
آنکھیں جو اشک افشانی کی وجہ سے جو تبار کی طرح بنی ہوئی ہیں۔ تمام رات خواب میں تیری گیس	
مست کا تصور باندھے رہتی ہیں اس صورت میں یہ بہتر افسوس کہ جو تبار کو خواب نہیں۔ وار نہیں ہوتا۔	
(۱۳) ترجمہ۔ تیرے حسن عارض ازرقہ کی پناہ مانگی ہے۔ بہشت اور طوبیٰ نے یہ اچھا ہے۔ ان	
کے لئے اور اچھی جائے پناہ ہے۔	
طوبیٰ۔ حونت طیب۔ یعنی خوشبودار و تروترو پاک تر عیش۔ خوشی۔ بشارت فرحت۔	
(۱۴) ایک فرحت کا نام ہے۔ جو بہشت میں ہے۔ اور مراد اہل بہشت کے مکان پر اس کی ایک شلخ ہے۔ قہر	
کے میوے اور خوشبوئیں اس سے پیدا ہوتی ہیں۔ ماب۔ جائے پناہ	
مطلب یہ۔ کہ بہشت نے یا وجود تمام خوبصورتیوں کے تیرے خوبصورت چہرہ کی پناہ مانگی ہے۔	
اور طوبیٰ نے یا وجود اس قدر راست قدموں کے تیرے قدم کی پناہ مانگی ہے۔ اور ان دونوں کیلئے	
یہ بہت اچھا ہے۔ اور بہت اچھی جائے پناہ ہے۔ غزل ہذا کے شعرا و لکچر یہاں ہی خیال	
ظاہر کیا گیا ہے کہ باغ بہشت اور درخت طوبیٰ کو جس قدر حسن و برکت حاصل ہے وہ سب اس محبوب کے	
حسن کی برکت سے ہے۔ طوبیٰ اہم و حسن ماب۔ قرآنی الفاظ ہیں۔ عارف جامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔	
طوبیٰ کہ بہشت عظیمہ پر از شایعہ و برکت	ہست لریا صفتش دستہ گیاہ

ایسی صورت حال کس است؟ کیا نفعی را

(۵) ترجمہ تیرے دلچندان کو بہت ہی حقوق نمک خمی جگروں اور کیا بٹندہ سینوں پر ہیں۔
 دہن کو نمکدان کہتے ہیں۔ وہی مضمون ہے۔ جو شرب یا میچ سے مطلب یہ ہے۔ کہ تیرے لب
 و دندان نے زخمی جگروں اور جیلے ہوئے سینوں پر کئی دفعہ نمک چھڑکا ہے۔ اور عاشقوں کی بڑی
 عشا فرحت بجا ہے۔ غنائیہ یا زخموں پر نمک ہی پھڑکا کرتے ہیں اور اسے مرہ سمجھتے ہیں۔ بہت حقوق نمک

شعور را به سرشت کند و نمونتا ہوں تم دل | تیرا بے سر و خلق میں یہی تم حکم ہیں (فوق)

انہی مضمون پر مبنی -

مزا اس میں ہے تاہو تک پہنچ کر پھر

(۶) اگر تجھ پر غم اور غمخیزیاں اور درد کو پہنچا۔ شراب کر کے جتنی خوش ہو سکا کہہ دینا۔
علامہ - بزمِ شراب - خونِ ناب - خون اور آب - خون پانی ایک کرنا - نہایت بچ و غم کرنا۔
خون آنسوؤں میں بہانا - شفت - خوتا بزم - شراب کو کہتے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ شرابِ عشق کافی نہ مل سکی اسلئے ہم دل کو بیخون کرتے رہے۔ مگر دعائیں نہ پہنچے۔
 ایک صاحب نے اس طرح فرماتے ہیں: ہمارا دل جل گیا۔ اور قصہ تک نہ پہنچا۔ بیخ جاننا اگر آئسوگر نہ کرنا۔

(۷) ترجمہ۔ یہ خیال آ کر کہ تیرے عہد میں موت عاشق ہی مست ہے کیا تجھ زائد و کمی خراج مال ہو گا؟
عاشق تو خیر تیری شہر اس عشق سے مست ہی ہیں۔ مگر ادھر زائد و کم کو دیکھو کہ وہ کسی اور نشیمن ہی پر ہو
ہیں۔ ہم تیرے مست ہیں۔ اور وہ دنیا کی خرابات کے خواباتی۔ خواجہ گوریا کار زائد و کم تو بہت
کی لغزت ہے۔ اور تمام دیوان اسی سے بھر پڑا ہے۔

(۸) ترجمہ - سچے تیرے نسب کو پہنچتے ہیں آئیے کہہ دے کہ اس عالم کا تاج پہنچتا ہے۔
مشہور ہے کہ تمام خوبصورت اور قیمتی پتھر اور جواہرات اصل میں صرف معمولی پتھر ہوتے ہیں۔
سورج کی شعاعیں کسی کیمیائی ترکیب سے ان پر اپنا عمل سالہا سال تک کرتی ہیں اور انکو موجودہ آب و
تاب دیتی ہیں۔

خواجہ صاحب کہتے ہیں کہ پہلے تو سنا ہی تھا۔ گراں یقین ہو گیا۔ کہ بیگ لعل آفتاب ہی بنتا
ہے کیونکہ تیرے لیے لعل تیرے آفتاب شمار کے نور کے زیر اثر پرورش پاتے ہیں۔
(۹) ترجمہ - حافظہ تھوڑا کچھ بوجہ گہرا جائے۔ کوشش کرو اور غور و زیر سے غائر جاؤ۔
عزیز۔ ارجسند۔ مرغوب۔ کمباب۔

ردیف - (ت)

غزل (۱)

۱	بیابان قمری سست بنیاد است	۱	بیابان قمری سست بنیاد است
۲	زیر چہ رنگ تعلق پذیرد آزاد است	۲	غلام محبت آنم کہ زیر چرخ کمبود
۳	کہ اس حدیث سپر طریقیم یا دست	۳	نصیحت محنت یا دیگر دور عمل آر
۴	کدیں تجوزہ عروس نزار دانا دست	۴	موجود حق عہد از جهان سست نہاد
۵	سروش عالم علیم چہ مزداد او دست	۵	چہ گوشت کہ میخیزد درون سست خراب
۶	نشین تو ندای نسیم تحت آبا دست	۶	کہ بے بلند نظر شاہیاد سدرہ شین
۷	مداومت کہ دریں دام گاہم افتاد است	۷	تراز فکرہ عرش سے زندہ عقیقہ
۸	کہ اس طبعہ غمزہ زہر وے یا دست	۸	غم چہاں تجوز دین من سراز یاد
۹	کہ بر من و تو دور آسپار کشاد است	۹	رہا بدادہ بدو و زینتین کرکشا
۱۰	بنالہاں مسکین کہ جائے فریاد است	۱۰	لشال مہر و وفا نیست درہ جسم کل

شب چیمہ میری سسٹم نظر رکھنا
(۱۱) قبول خاطر و لطف سخن خدا و دوست

یہ غزل بندش الفاظ اور معانی کے لحاظ سے خواجہ صاحب کی مقبول ترین غزلوں میں سے ہے۔
دنیا کی ناشائستگی اور بیوفائی پر کئی گئی۔ اور جوتی پروئے گئے ہیں۔ غزل میں مسلسل مضمون موجود ہے
اور مقطع میں خواجہ صاحب کے حاسدان ماضی و حال کے سپردہ اعتراضات کا مختصر جواب ہے۔
(۱) ترجمہ۔ اگہ امیدوں کا محل نہایت ہی کمزور اور بنیاد والا ہے۔ جام لاکھ ٹکری بنیاد وہاں پر
تھما رہا ہے۔ امیدوں اور آرزوں کا مقام۔ یعنی دنیا مشہور ہے۔ کہ دنیا پر امید قائم۔
سخت و سست کی بندش میں خواجہ صاحب نے کمال کیا ہے۔ مطلب یہ ہے۔ کہ دنیا پر امید
پر قائم ہے۔ نہایت کمزور بنیاد کا مکان ہے۔ کیونکہ امید خود محض ایک سوہنہ ہے جسے ہر مہینہ
سلسلہ انسان کیلئے موجب یاس ہے۔ اور باعث تکلیف۔ خواجہ صاحب جام کی طلب کرتے ہیں
تاکہ اس سلسلہ ہم د امید سے نجات پائیں اور اس چند روزہ زندگی کو آرام سے گزاریں۔

اگر امید نہ مہیا یہ ہو تو خاتمہ یاس
بہشت ہی۔ تیرے بار بار دہرائے کیسے

دوسرے مصرع میں ایک اظہار ہے جو قابل لحاظ ہے۔ مجازاً سست بنیاد چیز کو
کہتے ہیں کہ اس کی بنیاد ہوا پر ہے۔ گریہاں ٹکری صورت میں توفی الواقع انسانی زندگی کی بنیاد
ہوا پر ہے۔ نفس ہمارا مایہ حیات ہے۔

(۲) ترجمہ۔ ہر انسان شخص کی بہت کا غلام ہوں۔ چونیئے آسمان کے نیچے ہر ایک چیز سے جو رنگ
تعلق قبول کرتی ہو۔ آزاد ہو۔

دنیا میں چونکہ ہر ایک چیز کو دوسری چیز سے ایک تعلق ہے۔ حیوانات۔ نباتات اور جمادات
میں کوئی چیز کوئی فرد ایسا نہیں جو کسی دوسری شے سے تعلق نہ رکھتا ہو۔ اسی لئے دنیا کا ایک نام نشاء
تعلق ہی ہے۔ اگر پری فلاسفی میں ہی کہا گیا ہے کہ کائنات تعلقات کا ایک جال ہے یعنی ہر ایک
چیز کو مختلف دوسری اشیاء سے مختلف تعلقات ہیں۔ اس لئے فروری ہے کہ آدمی جو کائنات میں
سب سے زیادہ ترن رکھتا ہے۔ زیادہ پائید تعلقات ہے۔ اور فی الحقیقت ہے ہی ایسا۔ مگر خواجہ

صاحب فرماتے ہیں کہ میں اس شخص کی بلند ہستی کا قائل ہوں گا۔ جو اس انسان کے نیچے ہر ایک ایسی چیز سے جو رنگ تعلق اختیار کرے۔ آزاد ہو۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ وہ آدمی بے شک نہایت عالی ہمت ہے۔ جو دنیا کے تعلقات سے پاک ہو۔ صوفیائے کرام کے نزدیک انسان سچی خوشی صرف اسی صورت میں حاصل کر سکتا ہے کہ تعلقات دنیا سے آزاد ہو۔

انگشت گرتا شد خوش تو اس زریں	تعلق گرتا شد خوش تو اس مرو
------------------------------	----------------------------

اور سچ ہے کہ دنیا میں انسان کو جس قدر کیفیات ہوتی ہیں۔ اور تمام اسباب جو کم و بیش انسان کو مضطرب کرتے ہیں۔ وہ تعلقات کہہ جاسکتے ہیں۔ ان کے بغیر انسان بے شک بے چین رہتا ہے۔

بدنامی حیات دور و دور بود بیش	آہم حکیم با تو گویم چساں گزشت
ایک روز عرف بنی دل شد یار و آل	روز دیگر تکبیر دل تو ال گزشت

ایک شارح نے اس شعر کا مطلب اس طرح بیان کیا ہے۔ ”کہ جتنی چیزیں آسمان کے نیچے ہیں سب میں ہی کا رنگ ہے۔ مگر پھر دیکھو تو وہ کسی میں نہیں۔ یعنی سب کچھ فانی ہے۔ اس اعتبار سے اگر وہ ان چیزوں میں ہوتا۔ تو فنا ہوتا۔ لیکن وہ باقی ہے۔ اس سے ظاہر کہ وہ سب میں ہے اور پھر کسی میں نہیں۔“ شاید ناظرین اس شرح کی شرح فرما سکیں میں تو نہیں سمجھا۔

(۳) ترجمہ میں تجھے ایک نصیحت کرتا ہوں۔ یاد رکھو اور اس پر عمل کرو کہ یہ بات میں نے یہ پیر طہیوت کوئی (۴) ترجمہ کہہ کر فرمایا ہے۔ جہاں سے عہد و چہاں کی مٹی تہہ ہو ٹوٹ سکے تو کہہ یہ بڑھیا بھڑا رہا خداوندوں کی بوی ہے۔

یہ دو شعر قطعہ بند ہیں۔ مجوزہ بڑی محبت۔ واما۔ مرو کہ خدا مرہ آدمی کی نئی شادی ہوئی ہو۔ بالقابل عروس وہ عورت جس کی تازہ شادی ہوئی ہو۔ فقط واما وہ ہندوستان میں پہلی شوہر و خسر استعجال ہوتا ہے۔ مگر یہ مجبازی تھی میں۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ لفظ وایم آیاد کا مشتق ہے۔ یعنی دعائیہ لفظ ہے جسے ہمیشہ آیاد رہو۔

خوایم نہایت فرماتے ہیں کہ دنیا سے یہ امید رکھو کہ یہ عہد کی کجی اور روفادار ہوگا کہ یہ بڑھیا ہزار ہا خداوندوں کی بوی رہ چکا ہے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں

یا عاشق الدین التبرک و مجرب ہر طرف آراستہ روئے دگر	ہو تندرست از ارکب شہت ہر نفس میل لبوے دگر
خواجہ کا شعر ہے۔	
دل در سیر زن خنجر گرد مر بند	اکیں عروس سے مست کہ در عقد۔ ایہ دام است
حضرت عیسیٰ کا مکالمہ	میں کیا رو چہا کہ تیرے کہتے شوہر میں۔ تو اب یہاں کیا کہہ رہا ہے
ہیں۔ پوچھا کہ مرگے یا طلاق دی جاویدا کہ سب کو میں مار ڈالار حضرت عیسیٰ نے کہا تعجب ہو کہ یہ حق دوسروں کے ساتھ تیرا یہ سلوک دیکھتی ہیں اور غیرت حال نہیں کرتے۔ تجھے یہ محبت کرتے ہیں۔ اللہ ہم عصمتا میں سحرما (خدا یا ہوا کی جادوگری ہو پچا) کیا۔ سعادت۔ امیر خسرو دہلوی کہتے ہیں۔	
ہفت و تیریں ختم شہو ساز ہر طرف آراستہ روئے دگر	میں فریب اندویر نا نواز ہر نفس میل لبوے دگر
(۵) ترجمہ۔ میں نے کیا کہوں کہ کل منیٰ نے میں جیب میں مست و خراب تھا۔ عالم غیب کے مژدہ بننے والے نے مجھے کیا کیا خوشخبریاں سنائیں۔	
(۶) ترجمہ۔ کہا کہ اے بلند نظر والے اور سدھ پرستھے والے شہساز تیرا آشیانہ یہ تکلیفوں کا گوشہ نہیں ہے۔	
(۷) ترجمہ۔ تجھ کو لکڑہ عرش سے بلا رہے ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ اس حال میں تیرا کیا قرار ہے۔ یہ نبیوں کے لئے ہے۔ سر و کش۔ انجیل میں۔ نام جبرائیل علیہ السلام اور ہر فرشتہ کا نام جو پیام خیر لائے۔ سدھ۔ بالکسر۔ درخت کنار جو ساتویں آسمان پر ہے۔ اور چھ صدقہ انبیاء ہی کہتے ہیں۔ جبرائیل علیہ السلام وہاں تک ہی پہنچ سکتے ہیں۔ صرف حضرت مدد دل کریم منعم معراج کے وقت اس درخت سے اُگے گئے اور کوئی فرشتہ وغیرہ نہیں گیا۔	
شیمین۔ پرندوں کا گھونسلہ۔ صغیر۔ پرندوں کی آواز۔ ہر آواز پرندوں کو بلاتے ہیں۔ مرکب پیل	

ان نیکو خیزوں میں خود بھی جانتے۔۔۔ تیرے بنیاد ہے۔۔۔ کہ انسان اگر جیہاں دنیا میں پیدا نہیں کیا ہو اور اسی میں رہتا ہے۔ پھر بھی وہ دھڑل عالم بالائے تعلق رکھتا ہے۔ اور اس کا اصلی وطن بھی وہی ہے۔ جہاں سے وہ اپنے رائے آفرینش میں آیا۔ اگرچہ اسے یہاں ضرور رہنا ہے مگر اس کو یہاں کی بستگی پیدا نہ کرنی چاہیئے۔ اور اس محنت آیا اور جال کو اپنا نشیمن نہیں جانتا چاہیئے۔ یہ صرف ایک عارضی قیام گاہ ہے۔ اس کو اپنا مستقل مسکن خیال کر کے اتنا لگا پیدائیں کرے چاہئیں۔ اور ہمیشہ اپنی نظر کو بلند رکھنا چاہیئے۔ بلند نظر۔ سدرہ نشین۔ شیشیں۔ کھنگرہ۔ وغیرہ۔ دام گاہ یہ سب الفاظ شاہباز کی رعایت سے آئے ہیں صنعت مراعات نظیر ہی (۸) ترجمہ۔ دنیا کا نعمت کی اور میری نصیحت کو نہ بھول۔ کیونکہ یہ نادر حکمت میں ہے ایک لک و سنا ہو۔ (۹) ترجمہ۔ قیمت پر راضی رہ اور پیشانی بویں دور کر۔ کیونکہ مجھ پر اور تجھ پر اختیار کا دروازہ کھلا ہوا نہیں ہے۔

یہ شعر قطعہ بند ہیں وادہ دیا ہوا قیمت یعنی جو کچھ خدا نے تجھے دیا ہے۔ خواجہ صاحب نے تسلیم و فدا اور چار و خستیار کے متعلق لکھا ہے یہ مطلب یہ ہے کہ جو خدا تعالیٰ نے تیری قیمت میں لکھا ہے۔ اس پر راضی ہو۔ اور شاکر رہو۔ کیونکہ جو اُحد و شکر چارہ نہیں اگر یہی مثل ہے۔ کہ جس کو کا علاج نہ ہو۔ اسے برداشت کرنا ضروری ہے۔

تسلیم و رضا پیشہ کن دست ادبیری	چوں نیک باد جہاں عمر میر تو میرست
سج سخی تیرے ارستہ فرما لے ہیں	یہ کچھ ہوشیاری ہے
چو نتوان برا فلاک دست آستن	خواری ست با کو کشش ساختن
(۱۰) ترجمہ۔ خندہ گل میں بہر و وفا کا نشان نہیں ہے۔ اے مسکین تیرے دل کو روئے کا مقام ہے۔	ظاہر ہے۔ کہ تم گل بالکل ناپائیدار ہے۔ بھول دو روز میں مر جیا جائے گا۔
ریاض دہر میں ہیں تو نیک ملک کہیں	وفا کی جس میں ہو تو وہ کھلی نہیں ملتی

اسی مضمون کے لئے دیکھو شعریت طبع

(۱۱) ترجمہ۔ اے خام شوق شاعر جانتا ہو تو کیا ہو کر رہا ہے۔ قبولیت اور طبع کا نام خدا وادہ۔ مطلق میں خواجہ صاحب نے شعر کے محمول کے مطابق فرمایا ہے کہ اے خام شوق شاعر

حافظ پر گزشتہ کتاب سے۔ غیر نیت اور نیت خیر اور اس سے۔

اس سعادت بزور بازو نیست | امانت بخشہ خدائے نبندہ -

نزل (۲)

۱	برو بکار خود لے واعظ ایچہ فریاد است	۱	ہر افتاد دل ز کف ترا چہ افتاد است
۲	بکام تانرسانہ مرالبش چوں نانے	۲	نصیحت ہمہ عالم بگو کش من باد است
۳	میان او کہ خدا آفریدہ است از بیچ	۳	وقیقا بیت کہ تیج آفریدہ نکشاد است
۴	گدائے کوئے تو از مہشت خست مستغنی نیست	۴	اسیر بند تو از ہر دو عالم آزاد است
۵	اگر چہستی شقم خراب کرد و لے	۵	اساس ہستی من میں خراب آباد است
۶	دلا منال ز سیداد جو ریاد کہ یار	۶	ترا الغیب ہمیں کردہ است ایلاد است

(۱) برو فسانہ خوان و فصول مدم حافظ
(۲) کہیں فسانہ و فصول مرا لے یاد است

(۱) ترجمہ۔ لے واعظ ہا اپنا کام کہ یہ شور کیا ہے۔ میرا تو دل اتنے ہو گیا ہے۔ تجھ کو کیا خواہ ہے
ترا چہ افتادہ است۔ استاد مجھ پر ابھی نصیحت۔ اتفاق۔ حادثہ کے استعمال ہوتا ہے

لے خراب حال کو زائد نہیں ہے تو | ترجمہ کویرانی کی بیڑی اپنی بسیرا تو

(۲) ترجمہ۔ جب تک اس کے اسیرا محمد پورانہ رہینگے۔ نئے کی طرح تمام جہان کی
نصیحت میرے کان میں ہوا کی طرح ہے۔

اس شعر کو مضمون پچھلے شعر کے سلسلہ میں ہے۔ خواجہ صاحب کہتے ہیں کہ جب تک
معتوق کے لب۔ مجھے اس پر محمد پورانہ چھاپا ہے۔ یعنی جب تک مجھے پورا دل نہ لے لیا۔
اس وقت تک میں ہی خراب حالت میں رہوں گا۔ اور تمام جہان کی نصیحت ہم پر قطعاً
کوئی اثر نہ کرے گا۔ ظاہر ہے کہ اس کے اسیرا کویرانی کے ہے۔ تو وہ تمام

ان کے لئے بے شک بہشت مجھے تھے نہیں۔

اس سانس میں بھی حق زلفہ اہل | اہل حق دوزخ نکستہ باغ اہل (دعویٰ)

اسی طرح جو آدمی عشق الہی کے زنجیر میں اسیر ہو جائے۔ وہ باقی تمام نبیوں سے آزاد ہوتا ہے۔
تخلیق ماسوائے اللہ کو وہ قطع کر دیتا ہے۔ اور تمام انکار و آلام سے پاک ہو جاتا ہے۔

بند متوقی ہیں بہت بیبا | اہل حق ہیں بہت بیبا (دعویٰ)

ترجمہ: اگرچہ عشق کی کستی نے مجھے خراب کر دیا ہے۔ مگر میری تیری بستی کی بنیاد سے
خوابی سے محکم ہو گئی ہے۔

خواجہ صاحب فرماتے ہیں۔ کہ اگرچہ تیری عشق نے مجھے بظاہر خراب کر دیا ہے۔
مگر حقیقت یہ ہے۔ کہ میری زندگی کی بنیاد اس خرابی سے آباد یعنی محکم ہو گئی ہے۔

کمال ترقی ہے۔ یہ ہے کہ جو خراب | اہل حق ہیں بہت بیبا (دعویٰ)

دوسرے معنی میں یہ بھی ہو سکتے ہیں۔ کہ اگرچہ تیری عشق نے مجھے خراب کر دیا ہے۔ مگر چونکہ میری
ہستی کی بنیاد ہی خراب آباد یعنی عالم اہل پر ہے۔ اس لئے اس کا خراب ہونا بھی بہتر
(۲) ترجمہ۔ اسے دل متوقی کے طور سے نہ رو۔ کیونکہ اس نے تیرے نصیب میں
یہی کیا ہے۔ اور یہ انصاف ہے۔

خواجہ صاحب فرماتے ہیں۔ کہ تو بجز بار میں بد دل نہ ہو۔ تیری قسمت میں یہی تھا۔
اور یہ انصاف اور حکمت پر مبنی ہے۔ محبوب کی رضا پر سر تسلیم خم کر۔

(۳) ترجمہ۔ اے حافظ! جانتے نہ سنا اور یاد نہ ہو۔ کیونکہ یہ کہانیاں
اور احوال مجھے بہت یاد ہیں۔

خواجہ صاحب کا یہ شعر اکثر ایسے موقعوں پر چہاں کوئی کسی کو بہکائے۔ یا اپنی رائے
پر لانا چاہے یا خواہ تو اہل آدمی پر نصیحت گوئی کی عشق کرے۔ استعمال ہوتا ہے۔
اور زبان زد شعروں میں سے ہے۔

نخل (۳)

۱	روزہ کیسوں شدہ جلدی ہو رہا ہے	۱	مے بھانہ بچوش آبدوی باندھواست
۲	نوبت زہد و نشان گران جان بچرشت	۲	وقت شاموی و طرب کون لہذاں نکھاست
۳	چہ ملامت بود آن اکہ چو مایادہ خورد	۳	ابن عیسیٰ بر عاشق بند و نہ خطاست
۴	بادہ نوشی کہ در قیج ریائے نبود	۴	بہتر از زلف قرشی کہ در و رو و ریاست
۵	مانہ مردان ریائیم و حریفان نفاق	۵	آنکھ او عالم سرست بدین حال گواہ است
۶	فرض ازید بگذاریم و کس بدستیم	۶	و آنچہ گویند روانیست بگویم رو است
۷	چہ بود گرین و تو چہ قسج بادہ خوریم	۷	یاد از قول رزان است نہ از قول بخت است
۸	ابن عیسیٰ کزین عجب جلال خواہد بود	۸	و رو و عجب شدہ مرمی بای عیب کجاست

(۹) حافظ از عشق خط و خال تو سرگردان است
بجو ریکاروی نقطہ دل پابر جاست

اس نخل میں ایک حاکم تسل مضمون موجود ہے۔ خواجہ صاحب یہاں بھی زائد ان ریاکار اور زائد بادہ خوار کا مقابلہ کرتے ہیں۔ خواجہ صاحب کے مذہب پابان ہستہ بر گناہ (۱) ترجمہ۔ رمضان گزر گیا۔ عید آئی۔ اور دل خوش ہوا۔ شراب سے فغانہ میں جوش ہوا۔ انگلی چاہئے۔

شعر کا مطلب صاف ہے۔ اس مضمون کو مختار شاعر نے بے غش و بے لہجہ لکھا ہے۔

(۱)	ہلال عی براوج فلک ہویدا شد	(۱)	کلید سیدہ تم شہر او ہویدا شد
(۲)	عبد آمد و کار ما کو خواہد کرد	(۲)	ساقی مئے ناز و سو خواہد کرد (غیا)
(۳)	ساز و ساز بنوہ کویچہ و زرت	(۳)	بدر و شب شہر و شہر و شہر

ماہِ محمد سعید اشرف نے تو پورا رمضان کا مہینہ سہوگے خانہ میں گزار دیا۔ عید کے روز شاید معلوم ہوا کہ رمضان گزر گیا۔ ملا صاحب خواجہ صاحب سے بڑھ گئے۔

ترجیمہ کیا ہے خانہ اقامت کو دم | اتفاقاً رمضان بچہ سو سہوگے

(۶) ترجمہ۔ ریاکار اور سخت جان زاہدوں کی باری نڈنگی۔ رندوں کی شادی اور طرب کرنے کا وقت ہوا۔

گمراہ جاں۔ سخت جاں سست۔ کابل (سربان قاطع)

خواجہ صاحب یہاں زاہدوں کو زبرد فروش کہتے ہیں۔ کیونکہ ریاکار آدمی کا زہد اخلاص سے نہیں ہوتا۔ وہ گویا اپنے زہد کا خدا سے نہیں بلکہ لوگوں سے اجڑ چلا کرتا ہے زاہدوں کو گمراہ جان کہنے کے دو سبب ہوتے ہیں۔ ایک ان کی کاہلی اور دوسرے ان کی محبت دنیا کی وجہ سے سخت جانی۔ ظاہر ہے کہ ماہ رمضان زاہدان ریاکار کی آمدنی کا مہینہ ہے (۳) ترجمہ۔ اس آدمی کو کیا ملامت ہے۔ جو ہماری طرح شہر ایٹے۔ (کیونکہ) یہ عاشق رند کے لئے نہ عیب ہے نہ خطا۔

خواجہ صاحب کہتے ہیں کہ عاشقانِ رند مشرب کے مذہب میں بادہ نوشی کوئی عیب نہیں (۴) ترجمہ۔ شراب پینا جنہیں کہ کوئی زیادہ ہو۔ اس زہد فروشی سے اچھا ہے جس میں ریا ہے۔ اس شہر میں خواجہ صاحب نے صاف کفظوں میں بد فوشتی اور بادہ پرستی کا مقابلہ کیا ہے اور بتایا ہے کہ ریاکاری سے بادہ نوشی اچھی ہے۔ اسی مضمون کے لئے دیکھو شعر اعلیٰ

پے والے تاج

نوفخز بایں گئی کہ من مے نخورم | صد کار کنی کہ مے غلام است آن را

(۵) ترجمہ۔ ہم ریاکار نہیں اور نہ منافق ہیں۔ خدا جو بھیدوں کا جاننے والا ہے اس کا پروا نہ عالم۔ بھیدوں کا جاننے والا۔ عالم الغیب۔ خدا۔

(۶) ترجمہ۔ خدا کا فرض ادا کرتے ہیں اور کسی سے برائی نہیں کرتے۔ اور جس چیز کو کہتے ہیں کہ روا نہیں ہم کہتے ہیں روا ہے۔ (یا گونہم رواست۔ ہم نہیں کہتے کہ روا ہے)

بالفاظ مولانا شبلی خواجہ صاحب کی اخلاقی تعلیم اعلیٰ درجہ کی فلسفہ انسانیت کی

نامہ میر - یہ ہے۔ کہ خضر علی خوراک کی زبان سے یہ ہے۔

مباحث درینے آزار و ہرجہ خواہی کن | کہ در نہایت مانجہ از گناہی نیست

شعر میں بی خواجہ صاحب نے اسی اخلاق کی تحسین کی ہے۔ اور تمام مذاہب کی تحسین کا لب لباب اور خلاصہ یہی ہے۔ کہ آدمی کسی کے ساتھ برائی نہ کرے۔ کسی کا دل نہ ٹوکھائے۔ دل آزاری ہو کر گناہ کوئی نہیں۔ دیکھو شعر (ات پے) و شعر (ت پے)

شکست شیشہ یک دل چنان است | کہ چیدیں کتب ویران کردہ یاشی

(۱) ترجمہ - کیا ہو اگر میں اور تو چند پیالے شراب کے پی لیں۔ نثر یا گھور کا خون ہو تمہارا خون نہیں۔

اس شعر میں پھر خواجہ صاحب نے یادہ نوشی کا دوسرے گناہوں سے مقابلہ کیا ہے وہ فرماتے ہیں۔ کیا ہوا۔ کہ ہم نے شراب پی۔ وہ زیادہ سے زیادہ انگور کا لہو ہے۔ آدمی کا لہو نہیں۔ وہ لوگ جن کی آمدنی میں مال حرام کا حصہ ہو۔ وہ گویا دوسرے انسانوں کا خون پیتے ہیں۔ جو پیسہ ایک غریب آدمی نے خون پانی ایک کر کے کمایا ہو۔ اگر دوسرا آدمی بغیر حق وہ پیسہ اس سے حاصل کر لے۔ تو گویا اس آدمی نے اس غریب کا خون پیا۔ زائد ان ریاضات جو کسب معاش سے ہیکر ہوتے ہیں۔ اور زہد فروشی کر کے سیم و زرا کٹھی کرتے ہیں وہ گویا انسانوں کا لہو پیتے ہیں۔ ع سود بے سرمایہ ہے سرتابہ پان کی معاش اور حرام کھاتے ہیں۔ خواجہ صاحب کہتے ہیں۔ کہ انسانوں کے خون سے انگور کا خون ہر انہیں

تو توں کساں خوری و مانخون رزان (ضیاء) انصاف بدہ کدام خوں خوار تریم

(۸) ترجمہ - یہ ایسا عجیب نہیں۔ جس سے خلل واقع ہو اور اگر عجیب ہے تو کیا ہوا بے عجیبی کہاں ہے۔

خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ اول تو شراب پینا کوئی ایسا عجیب نہیں جس سے خلل واقع ہو گا۔ اور اگر ہے ہی تو بتا بے عجیب کون ہے۔

نا کردہ گناہ در ہاں کیست بگو | وائس کہ گناہ مخدوہوں نیست بگو

تو گویا ذہنی گناہ کار اور زہنی گناہ کار مگر۔ رخ - کہیں وہ برائی کہاں یہ برائی۔

(۱۰) ترجمہ۔ حافظ تیرے خط و خال کے عشق میں سرگردان ہے۔ اندر پرکار کے سینے
دل کا نقطہ ایک جگہ قائم ہے۔
شعر کا مطلب یہ ہے۔ کہ اگرچہ ہم تیرے خط و خال کے عشق میں سرگردان ہو گئے۔ مگر
ہمارا دل اپنی مرکز پر قائم ہے۔ یعنی ہم اتصالات و دنیا سے سرگردان ہونے کا باوجود اپنی ایمان
پر قائم ہیں۔

پاسے دیگر کسر سے اور دو لہجے سے

ہم تیرے پرکار کے سینے

غزل (۴)

۱	چو بشنوی سخن دل کو کہ خطا است	۱	سخن شناس نہ دلیر خطا اینجا است
۲	سرم بندیا و عجبے فروغی آمد	۲	تبارک اللہ ایں قہقہہ کہ در سرماست
۳	در اندر دل منجستہ دل تداغم کیت	۳	کہن محو شمع و اور در خال و در غوغا است
۴	و لم زبیرہ بروں شد بجای لے مطرب	۴	بئال ہاں کہ از یہ کہ کار ہواست
۵	میرا کجا رہاں ہرگز التفات نہ د	۵	رخ تو در نظر من جنسی شش است
۶	تختہ ام بجای لے کہ ہے پریم شبہا	۶	خمار صد شہزادہم شراب خانہ کی است
۷	چنین کہ صومعہ آلودہ شد بخون و لم	۷	گرم بیادہ بشوید حق بدست شماست
۸	از ان بدیر بخاتم غم سے زبیرہ وارند	۸	کہ آتش کہ غیر ہمیشہ در دل ہاست
۹	چسبہ ز بود کہ نواخت مطرب شاق	۹	کہ رفت عمر و مہو ز دم و باغ زریں صداست
۱۰	خمار عشق تو دی شرب اندر و تم بود	۱۰	کجا است وقت بیادہ و وقت ہواست

ندائے عشق تو در کسم در اندر دل دادند
فقتائے سینہ حافظا ہتو زریں صداست

(۱۱)

(۱۱)

(۱۱) ترجمہ۔ جب ترا دل کی بات سنے تو یہ نہ کہو کہ غلط ہو۔ اے دلیر تو سخن نہیں غلطی نہیں

تجلی - یہ لفظ تین طرح پڑھا جاسکتا ہے (۱) تجلی (۲) تجلی (۳) تجلی سے مرکب مطلب صاف ہے - دوسرا مصرع بطور مثل عام استعمال ہوتا ہے -

(۲) ترجمہ - میرا سر دنیا اور عجب کے لئے نہیں جھکتا - ان فتنوں کی وجہ سے جو میری سر میں ہیں - برکت اللہ کو ہے

تبارک اللہ - بابرکت ہے خداوند تعالیٰ - تعجب اور مدح کے مقام پر بولا جاتا ہے - سبحان اللہ ہی ایسے موقعوں پر کہتے ہیں -

اس شعر فتنہ سے مراد وہ خیالات ہیں - جو عاشق کے دماغ میں ہوتے ہیں اور حسی وجہ سے عاشق سوائے اپنے محبوب کے اور کسی کی پرواہ نہیں کرتا - دنیا اور عجبی کو بیچ سمجھتا ہے - نیز دیکھو شعر ت -

(۳) ترجمہ - مجھے سہل دل کا اندر میں نہیں جانتا کون ہے - کہ میں چپ ہوں - اور وہ شور و فغان میں ہے -

عاشقان آہی گرجہ بظاہر چپ ہوتے ہیں - مگر ان کے دل میں اس قدر شور و غوغا ہوتا ہے کہ الامان حتی المقدور عاشق اس کو ضبط رکھنے کی کوشش کرتے ہیں مگر جب تاب ضبط نہیں ہتی تو پھر زبان پر ہی وہ نالہ و فریاد آنے لگ جاتے ہیں - ایسی ہی موقع پر خواجہ صاحب نے کہا ہے

ع - دل میرو دزدوست صاحب دلاں خدا را

(۴) ترجمہ - میرا دل پردہ سے باہر ہو گیا ہے مطرب کو کہاں ہے - ہاں نغمہ سرائی کر کہ اس پردہ سے میرا کام اچھا رہتا ہے -

پروہ (۱) حجاب (۲) دستہ طنز و ستار پر پردہ - ہر پنج و فقرہ کی تار جو لگائی جاتی ہے - کثرت استعمال کی وجہ سے بمعنی آہنگ و مقامات موسیقی -

قوا - بفتح دال مطلق بمعنی آواز (۲) بارہ مقامات موسیقی سے ایک مقام کا نام (۳) سامان

اسباب - اس شعر کے دو طرح معنی ہو سکتے ہیں (۱) میرا دل حجاب سے باہر ہو رہا

یعنی اب انھما کے راز کی طاقت نہیں رہی - ہاں لے مطرب نغمہ سرائی کر کہ اس بجا ہے

ہمارا کام درست رہتا ہے - دیکھو شعر انصاف ۳ (۲) میرا دل بے آہنگ ہو رہا ہے - یعنی

بتال اور سر جوڑ چکا ہے۔ اسے مطرب غمہ سرائی کر کہ ہمارے دل کے موازنہ کے قایم رہتی ہو ہمارا کام اچھا رہتا ہے۔ لفظ پردہ کے دو مختلف معنوں کو علی الترتیب استعمال کرتے سے مختلف معنی نکل سکتے ہیں۔ مطلب قریباً ایک ہے۔ پردہ کا لفظ مطرب کی رعایت سے خیالی لفظ نہیں۔

(۵) ترجمہ۔ عجب جہاں کے کاموں سے بالکل دل بسجی نہ تھی۔ تیرے چہرے نے اس کو میری نظریں خوش نما بنا دیا۔

خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ عجب خود دنیا سے چنداں التفات نہ تھا مگر تیرے رخ روشن نے دنیا کو ہی میری نظروں میں آراستہ کر کے دکھایا۔ جس سے دنیا کی طرف بھی میری توجہ ہو گئی۔ فلسفہ تصوف میں دنیا خداوند کریم کے جمال کا مظہر ہے موقوف نے کہا ہے

ولی بے نظر حق بذرہ سنگر | کہ بہت مظہر انوار آفتاب جمال

سخ خزانہ دین و زانی قدس شہرہ فرماتے ہیں "غیر مستحق نہیں اقتضا کہ وہ اس شہر نور و دست تلمذ بغیر او محتاج نہ شود۔ لاجرم خود را عین ہمہ اشیا کرد تا سرحد را کہ دوست دار دنیا پر حیرت خیز شود۔ اولود

غیر شش غیر در جہاں نگیزہ بہشت | لاجرم عین جملہ اشیا شد

(۶) ترجمہ۔ اس خیال و حس میں میں متفرق نہیں رہا۔ نہ کبھی رات نہ کبھی صبح باہر سے تیرے چہرے نما ہے۔ شراب خانا کہاں ہے۔

شبیہ (۱) داناہائے انگینہ۔ مطلق معنی آہنگینہ شیشہ جس میں شراب رکھی جاتی ہے۔ (۲) شب یعنی رات۔

خیال مجھ پر دم۔ خیال بچپن سے معنی طبع و توقع رکھنا۔ خیال میں متفرق رہنا۔ جہاں (۱) اعضا شکنی اور درد سر و نشہ شراب کے زائل ہونے کے بعد ہوتے ہیں

بقیہ مستی جو سر میں رہتی ہے۔

اس شعر کے ہی دو طرح معنی ہو سکتے ہیں۔ مگر پہلے معنی اصح ہیں اور اس شعر کا شعر الباقی سے جو تعلق ہے وہ انہیں معنوں سے ہو سکتا ہے۔

(۲) خیال محبوب میں یا امید وصال محبوب میں میں کمی راتیں نہیں سویا اور ان تمام راتوں کا

خمارِ حمیم میں موجود ہے۔ شرابِ خانہ کہاں ہے۔ کہ میں شراب پیوں اور اس خمار کی تکلیف سے رہائی پاؤں۔ ناظرین خواجہ صاحب کے خمار اور نشہ کا معافی سوابِ خوبِ اوقت ہو گئے ہونگے

(۲) خیالِ محبوب میں کئی اتین نہیں سویا۔ اور اس خیال میں متعرق ہونے کی وجہ سے میرے اندر صد ہا آبِ گنیوں کا نشہ موجود ہے شرابِ خانہ کیا شے ہے اسی مضمون پر مرزا بیدل کا شعر

بخیالِ حقیقہ کہ مے زندہ قسحِ جنونِ لیلِ تنگ
کہ ہر اس سیکرہ مے دو دریا کا آبِ گدازِ رنگ

(۷) ترجمہ۔ یہاں تک کہ معبدِ بی میرے خونِ دل سے آلودہ ہو گیا۔ اگر تم مجھے شراب سے دھو تو حق بجانب ہو گے۔

یہ شعر پچھلے شعر سے قطعہ بند ہے۔ خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ اس خمارِ صدِ شبہ کی وجہ سے مجھے اتنا صدمہ ہوا کہ صومعہ بی میرے خونِ دل سے آلودہ ہو گیا۔ اس لئے آپ اگر مجھے شراب سے دھو دیں تو آپ حق بجانب ہونگے۔

(۸) ترجمہ۔ اس لئے مجھے دیرِ مغان میں عزیز جانتے ہیں کہ میرے دل میں ایسی آگ ہے۔ جو کبھی نہیں بجتی۔

خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ دیرِ مغان والے مجھ اس واسطے عزیز رکھتے ہیں کہ میرے دل میں ایک ایسی آگ ہے جو کبھی نہیں بجتی۔ دیرِ مغان یعنی آتشِ پرتوں کے معبد میں ہمیشہ آگ جلتی رہتی ہے۔ اور وہ صدیوں سے اسی طرح جل رہی ہے۔ درمیان میں کبھی نہیں بجی۔ خواجہ صاحب کے دل میں آتشِ عشق ہمیشہ شعلہ زن رہتی ہے۔ اس لئے آتشِ پرست ان کو ہی اپنا ہمِ شرب سمجھتے ہیں۔

اس شعر سے ناظرین پر روشن ہو جائیگا۔ کہ خواجہ صاحب کو معنوں میں دیرِ مغان سے تعلق کیسے ہو
ہیں اسی طرح گذشتہ دو شعروں سے یہ واضح ہو چکا ہے کہ خواجہ صاحب کی خمار اور نشہ کیا ہے
(۹) ترجمہ۔ وہ کیا ساز تھا۔ جو مطربِ عشاق نے بجایا کہ تئیں گز گزیں۔ اور آواز
ابھی میرے دماغ میں گونج رہی ہے۔

خواجہ صاحب نے یہاں پیر شیخ عیسیٰ کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اور وہ آواز میں کی گونج
اب تک حافظ صاحب کے کانوں میں ہے۔ الست بریکم ہے۔ مقطع میں بی بی مضمون ہے۔

الست از ازل یحیا نشن بگوشت [امری] بفرماؤ قالوئی درخوش

راہِ اتموچم۔ تیرو عشق کا تھار کتا۔ است میر سے عمر تھا وقتیا جیادو۔ نہ کہا ایہ آواز عباد کا کیا موقعہ
یہاں تھار یعنی نشہ آیا ہے۔ خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ کل رات تیرے عشق کا نشہ ابی
میر سے دل میں موجود تھا۔ اس لئے عبادت کا کیا موقعہ تھا۔ اس شعر میں ارشاد ربانی لا تقربوا
الصلوۃ وانتم سکاری کی طرف اشارہ ہے۔ اموی پر جب تک نشہ کی حالت طاری ہو غار جانور
نہیں۔ خواجہ صاحب ہی عشق الہی میں بخود تھے۔ عبادت کی کس کو فکرت تھی۔

(۱۱) ترجمہ۔ تیرو عشق کی ناکل میر دل کو دینگے۔ حافظ کے سینہ کا میدان نا حال
اس آواز سے بھر رہا ہے۔

اس شعر میں بی دوش تو مراد صبح الست ہے۔ مطلب ہے ہیڈو۔ جو شعر نمبر (۹) کا ہے۔
خالق و مخلوق کے درمیان سلسلہ عشق کا آغاز روز عیسیٰ سے ہے جب خداوند کریم نے
ارواح سے پوچھا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں۔
خواجہ صاحب نے یہاں لفظ دوش استعمال کیا ہے۔ جیسا کہ شعر (۹) میں لکھا جا چکا ہے۔ وہ آواز
چونکہ اب تک عاشق کے کانوں میں گونج رہی ہے۔ اس لئے ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ روز
الست ابی کل گذرا ہے۔

نجات الانس میں کہ علی بن ابی طالب اصفہانی قدس سرہ سے لوگوں نے پوچھا کہ کیا آپ کو روز علی
یاد ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ کیوں نہ ہو۔ ابی کل کی بات ہے۔ شیخ الاسلام خواجہ عبداللہ انصاری
نے فرمایا کہ یہ جواب ہی ناقص ہے۔ صوفی کے لئے کل اور کج کیا شے ہے۔ روز الست کی تو
ابی رات آئی ہی نہیں۔ وہی روز جاریہ ہو۔ نیز دیکھو شعر تہ
شیخ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

الست از ازل چنان شان بگوشت [خیر] قنوابے درخوش

غزل (۵)

۱	روضہ خلد میں خلوت درویشان است	۱	بایہ تختی خدمت درویشان است
۲	کچ عجلت کہ ظلمات بجائے آرد	۲	فتح آن در نظر مہمت درویشان است
۳	قصر فردوس کہ نشو و نماش بر بانی رفت	۳	نظر از جنس نہ محبت درویشان است
۴	آنخیز ز رمے شود از پرتو آن قلسب بیاہ	۴	بہیامی است در محبت درویشان است
۵	و آنکے پیش نش بہد تلخ تکبر نور کشید	۵	بہ پائیت در خدمت درویشان است
۶	دوستیہ را کہ نباشد غم از اسید زوال	۶	بہ تکلف بشارت اسید درویشان است
۷	خسروان قبلہ حاجات جہان اندر لے	۷	از ازل باید فرصت درویشان است
۸	روئے مقتول کہ شاہان جہان مے طلبند	۸	مظہر تر آشپہ طاقت درویشان است
۹	لے نوکر مفرورش اس ہمہ نخوت کہ ترا	۹	سورہی کہ کتف بہت درویشان است
۱۰	کچ قارون کہ فرو مے رود از قہر ہوز	۱۰	خواندہ باقی کہ لغت درویشان است
۱۱	بتدہ اصحف بہریم کہ سلاطنتش	۱۱	ملکوت خواجگی و سیرت درویشان است

حافظ انجیا بادب باتش کہ سلطان و ملک

(۱۲)

ہمسہ بزرگی نغزیت درویشان است

(۱۲)

اس غزل میں مضمون مسلسل ہے۔ اور تمام غزل درویشوں کی برکات و عظمت پر لکھی گئی ہے
محض عاشقانہ اور شاعرانہ مبالغہ نہیں۔ صرف امر واقع کا اظہار ہے۔ اس غزل کے مطالعہ سے
معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ خواجہ صاحب کو درویشوں کی قدر و تعظیم تھی۔ اور وہ خود کس مشرب
کے آدمی تھے۔ خواجہ صاحب کے تمام کلام کا حاصل یہ ہے۔ کہ وہ زانیانِ مریکار
کو نہایت نفرت سے دیکھتے تھے۔ اور بزرگانِ باطن کی تہائیت سے دل بہتر کرتے

تھے۔ لفظ درویش کی تفسیر لغوی شہر الہی ہے۔ مہملہ اولیٰ زکر کان صاحب معرفت اور خدارسیدگان باکرامت کو کہتے ہیں جو دنیاوی جہاد و چشم کو فقیر سمجھتے ہیں۔
(۱) ترجمہ۔ درویشوں کی خلوت بہشت کا باغ ہے اور ان کی خدمت کرنا جہاد و خدمت کا سرمایہ ہے۔

تخلد۔ بقائے دائم عیشگی۔ تام بہشت۔ خلوت باطن نہ بالکس تنہائی امکان کا خالی ہوتا ہے۔ یا اصطلاح صوفیاء اڑھائی روز جو وہ گوشہ میں بیٹھ کر عبادت کرتے ہیں۔ درویشوں کا گوشہ عزلت فی الواقع بہشت ہے۔ کیونکہ اس کے سکنوں کو اطہار، پاؤں، چاہ (۲) ترجمہ۔ گوشہ تنہائی میں عجیب طسمات میں۔ سکو کہنا۔ درویشوں کی نظر بہت پاکیزہ ہے۔ طسمات۔ جو طسم جوہم خیال ہے جو یہ خیالوں میں نظر آتے ہیں۔ وہ میٹھ گلیں جو خزانہ کے منہ پر بتائی جاتی ہیں۔

خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ گوشہ تنہائی میں عقیسم کے طسمات اور رازیں۔ جن کی بہت کو جاننا اور ان سے فائدہ اٹھانا درویشوں کی نظر بہت کا کام ہے۔
(۳) ترجمہ۔ فقر و فاقہ جس کا دربان رضوان ہے۔ وہ درویشوں کی پاکیزگی اور شہدائی کے باغ کا ایک نگارہ ہے۔

فردوس۔ تام ایک بہشت کا۔ بعضوں کے نزدیک بہشت کے سب سے اعلیٰ درجہ کا ہے۔ اس باغ کو ہی کہتے ہیں جس میں ہر ایک ایسی شے موجود ہو جو دوسرے باغوں میں ہو۔ برہان قاطع میں لکھا ہے۔ کہ باغ انکور کو کہتے ہیں۔
رضوان۔ فرشتہ موکل بہشت۔

(۴) ترجمہ۔ وہ چیز جسکی جگہ سے سیاہ دل ہی روشن ہو جائے کیسیا ہو۔ جو درویشوں کی عظمت میں ہے۔

قلب۔ بالفتح (۱) وائرگوں۔ الثا۔ دلازل۔ دل کو قلب اس واسطے کہتے ہیں۔ کہ عینہ میں الثا لکھا ہوا ہے۔ اس غیر خالص چاندی اور سونا۔

کیمیاء۔ وہ ترکیب جس سے اجساد ناقصہ کو کمال کے درجہ پہنچایا جاتا ہے۔ جس ترکیب

سے رنگ اور تانبے کو چاندی ہونا بنایا جاتا ہے۔

خواجہ صاحب فرماتے ہیں۔ کہ درویشوں کی محبت سے سیاہ و لالہ دی ہی فیض حاصل کر لیتا ہے جس طرح تمبیا سے ناقص ہاتھیں سونا چاندی بن جاتی ہیں۔ لفظ قلب یہاں دو نونو معنی دے رہا ہے۔ انتخاب الفاظ بہت اچھا ہے۔

سگ اصحاب کہف روزے پسند | اپنے نیکیاں گرفت و مردمشد

(۵) ترجمہ۔ وہ چیز جسکے سامنے سوچ اپنا تاج تکبر اتار دیتا ہے عظمت پر جو درویشوں کی محبت میں ہے۔ یعنی درویشوں کی محبت کی کہریاں اتنی تکی کہ سورج ہی اپنی تکی تکبر کو اسکے آگے اتار کر رکھتا ہے۔ (۶) ترجمہ۔ وہ دولت جسکو زوال کے نقصان کا غم نہ ہو بیشک سن لو کہ وہ درویشوں کی دولت ہے درویشوں کی دولت کو زوال نہیں۔ کیونکہ زوال صرف دولت دنیا کو ہے۔ دولت دین کو زوال نہیں۔ ابدال باد تک وہ ترقی پر ہے۔

(۷) ترجمہ۔ بادشاہ جہاں کی حاجتوں کو پورا کرتے ہیں۔ مگر ازل و ابتداء سے آرام صرف درویشوں کو ملا ہے۔

فرصت۔ تو بہت کسی چیز کی۔ آرام پانا۔ مہلت دینا۔ موافقت و زگار۔ مطلب یہ ہے کہ اگرچہ بادشاہ اہل جہاں کی حاجتوں کو پورا کرتے ہیں۔ اور ان کی داد و فریاد کی جگہ میں۔ مگر ازل سے لیکر اب تک آدم اور موافقت روزگار صرف درویشوں کو حاصل ہوا ہے۔ بادشاہوں کو نہیں (۸) ترجمہ۔ مقصود کا منہ جو جہاں کے بادشاہ طلب کرتے ہیں۔ اس کے ظاہر ہونے کی جگہ۔ درویشوں کا آئینہ رو ہے۔

ظلمت۔ وید اور منہ دیکھنا۔

خواجہ حائظ فرماتے ہیں کہ مقصود کا منہ دیکھنے کے لئے دنیا کے بادشاہ بہرہ بردار کرتے ہیں اور اقبال و فقر کے دعا اور مطلوب کے لئے وہ ہر طرح کی کوشش کرتے ہیں۔ مگر فی الحقیقت شاہ مقصود کے ظاہر ہونے کی جگہ درویشوں کا آئینہ رو ہے۔ یعنی تمام سعادت اور اقبال مندی درویشوں کے حصے میں ہے۔ اور بادشاہوں کی ہی اگر مل سکتی ہے تو وہاں تو ہی۔ (۹) ترجمہ۔ اے امیر اتنا غرور نہ کر کہ تیری امیری درویشوں کی دعا کے ہاتھ میں ہے۔

اس شعر میں خواجہ صاحب نے خداوند ان نعمت کو نصیحت کی۔ یہ کہ اسے مغرور نہ ہو۔ اور
نخوت ظاہر نہ کرے کیونکہ تمہاری سرداری درویشوں کے ہاتھ میں ہے جن کو تم حقیر سمجھے ہو۔ تم
اس عارضی اور ناپائیدار دولت پر کبر نہ کرو۔ کیونکہ اصلی دولت تمہارے ہاتھ میں نہیں۔ بلکہ درویشوں
کے ہاتھ میں ہے۔

(۱۰) ترجمہ۔ قارون کا فرمانہ کہ اب تک قہر الہی سے نیچے جا رہا ہے۔ تو نے پڑھا ہوگا
کہ یہ درویشوں کی غیرت کا نتیجہ ہے۔

گذشتہ شعر میں خواجہ صاحب نے جو نصیحت فرمائی ہے اس کی تائید میں اس شعر
میں ایک قرآنی قصہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ یہ یہ کہ فوسفہ قہار بنہند میں قارون کا قصہ سورہ
القصص میں آیا ہے۔

”ان قارون کان من قوم موسیٰ“ قارون موسیٰ علیہ السلام کی قوم سے تھا۔ ثعلبی نے کہا ہے
کہ حضرت موسیٰ کا چچا زاد تھا۔ قارون کا باپ بیہر بن قاہش اور حضرت موسیٰ کے والد عمران
بن قاہش تھے۔ قارون پہلے غریب تھا۔ اور اس حالت میں بہت متواضع اور متخلق تھا۔
امیر ہو کر اس کا حال دیگر گون ہو گیا۔ ”فبغی علیہم“ چاہا۔ کہ قوم موسیٰ پر حکمران ہو جائے۔ واتبیہ من
المنور۔ خدا تعالیٰ نے اس کو مال فراواں دیا۔ اور اس کے خزانے کی چابیاں ساہمہ اونٹ
اٹھاتے تھے۔ ”واذ قال لہ لاتفرح“ اور جب اس کی قوم نے اس کو مغرور اور متکبر ہوتے ہوئے
دیکھ کر اس کو کہا۔ کہ اس مال پر غرور نہ کر۔ اور خدا کے بندوں کے ساتھ نیکی کر۔ اس نے ازراہ
کبر جواب دیا۔ کہ مجھے خدا نے دولت اس واسطے دی کہ میں انشمن ہوں۔ اور خدا کی مہربانیوں کا
شکر گزار نہ ہوں۔ اور روز بروز اس کی نخوت بڑھتی گئی۔ اور حضرت موسیٰ کے در پہ آزار پہنچا۔
آخر کار جب زکوٰۃ کا حکم آیا۔ تو حضرت موسیٰ نے اسے زکوٰۃ کے لئے کہا۔ کہ ایک ہزار دینار سے
ایک دینار خدا کی راہ میں دو۔ اس نے حساب کیا۔ تو بہت بیماری رقم نہی تھی۔ حیلہ و حجت
ڈھونڈنے لگا۔ اور حضرت موسیٰ کو رسوا کرنے کی تجاویز سوچنے لگا۔ کہ لوگ اسکے احکام کی پرواہ
نہ کریں۔ ایک بدکار عورت بنام سبیر کو روپیہ دے کر اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ سر اجلاس کہہ
دے کہ موسیٰ نے میرے ساتھ زنا کیا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا مگر وہ عورت آخر پشیمان ہوئی

قارون پارتہ آیا۔ اور حضرت موسیٰ کو اسی طرح ڈوبیگا دیکھا۔ جس کی سزا میں آگشتہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس کو معہ اپنے خزان کے زمین میں گرا دیا۔ اور صاحب لیاپ لکھتا ہے کہ ہر روز قارون ٹھون ٹھون اپنے قد کے برابر اپنے مال اور مکان کے سمیت زمین میں گرتا چلا جاتا ہے۔ اور نفع صورتیکہ وہ ارض سفلی تک پہنچ گیا۔

اس شعر میں درویش سے حضرت موسیٰ علیہ السلام مراد ہے۔

پہلے مصرع میں مرو جہنوں میں لفظ تعمر لکھا ہے۔ مگر یہ غلط معلوم ہوتا ہے۔ تہر چاہیئے مولانا مولوی حسین الواعظ کاشفی نے اپنی تفسیر میں قصہ ہذا کے ضمن میں یہاں خواجہ صاحبک بیتوردیج کیا ہے۔ وہاں لفظ قبر لکھا ہے۔

(۱۱) ترجمہ۔ ہم اس آصف وقت کے غلام ہیں۔ کہ سلطنت کی حالت میں اس کی حکومت امیرانہ ہے اور سیرت درویشانہ۔

آصف لفتح صاد۔ نام وزیر سلیمان علیہ السلام۔ آصف عہد یعنی خواجہ صاحب کے زمانے میں جو بادشاہ کا وزیر تھا۔ چونکہ خواجہ صاحب نے اپنی عمر میں متعدد بادشاہ شہیرا پر حکمران دیکھے اسلئے یقیناً معلوم نہیں ہو سکا۔ کہ بادشاہ کے کس وزیر کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے۔ یہ ہی کہ یہاں بھی انکا مدوح وہی وزیر ہو۔ جسکی مدح میں خواجہ صاحب نے شعر دہلا لکھا ہے۔

(۱۲) ترجمہ۔ اے حافظا ادب رہ کہ سلطان بادشاہ تمام درویشوں کی درگاہ کو غلام میں خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ درویشوں کی درگاہ میں بادشاہ ہی غلام ہیں۔ تو کیا شو ہے ادب سے گفتگو کر۔ شعر انعمو ما جب بزرگوں کی مدح کرتے ہیں تو اپنی مدح سرائی میں ہی وہ لجاؤ ادب کرتے ہیں۔ یعنی نے ایک مستیہ قسیدہ کو اس طرح ختم کیا ہے۔

عقبتاب تیرہ نعت است تھجرت | اہستہ اقدم بر لب تیغ است قلم را

غزل (۶)

مصلطاعت و پیمان است از من است | کہ یہ پیمانہ کشی شہر شہم روز الست

۱	میں چاہتا ہوں کہ وہ مجھ سے عشق ہو	۲	ہی انکو یہ دیکھ کر کہ میرے ہر جسم سے
۳	مے بدلتا تو بہت آگے از سر قضا	۴	کہ بروئے کہ شدم عاشق فرنگی کہ مست
۵	مگر کوہ کم است از کمر مورخیا	۶	نا امید از در رحمت مشو اے بادہ پست
۷	جان خستہ دہنت باد کہ در بلغ نظر	۸	چمن آرا جہان خوشتر از غنچہ ملیبت
۹	بجز آن ترکستان کہ چشمش مرصاد	۱۰	زیر اس طارم فیروزہ کے خوش نکست

(۶) حافظ از دولت عشق تو سلیمانی یافت
(۷) یعنی از وصل تو اش نیست بجز باد بدست

(۱) ترجمہ۔ مجھ سے بندگان اور وعدہ کی کہنتی نہ ہو نہ کیونکہ میں روز الست مجھ کو مشہور ہوں
روز الست سے مراد روزِ ميثاق۔ جب خدا تعالیٰ نے روحوں کو وعدہ بندگی لیا تین شعبہ شرف میں چکی ہو
خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ میں اسی روز کو مست مشہور ہوں۔ مستوں کو بندگی اور ایفائے عہد کی
طلب ہے یعنی دارد۔ وہ شمر عجبیٰ محذو رہے۔ انسان ظالم اور جاہل روز اول کو ہی مشہور ہے۔
پھر اس سے کیا توقع۔ و بیجان اطاعت تو بیشک تھا۔ مگر یہاں عشق اس پر غالب آگیا۔

یگرے و استم میں آنوی | ہر ابر باد یک پیا نہ سردی
استعمال لفظ بیان و مپا نہ ظاہر۔

(۲) ترجمہ۔ میں نے جب چشمہ عشق سے وضو کیا۔ اسی وقت ہر شے کو حکم ترک کر دیا۔
چاہے کہ میرے کسی چیز کو ترک کرنا۔ اسلئے چاہی کہ میرے مراد نماز جنازہ ہو یعنی جس چیز کی نماز
جنازہ پڑھی گئی وہ گئی۔

خواجہ صاحب فرماتے ہیں۔ کہ جب میں نے تیرے چشمہ عشق سے وضو کیا۔ تو دنیا و مافیہا پر نماز جنازہ
پڑھ دی یعنی سب کو ترک کر دیا۔ اس شعر میں ہی ہمارے مراد روزِ ميثاق ہو۔ کیونکہ یہ
وعدہ انسانوں سے خدا نے اسی واسطے لیا تھا۔ کہ وہ پھر یہ کہیں کہ انما لشترک آباؤنا
مقبول اور خداوند تعالیٰ کی توحید پر کامل یقین رکھیں

(۳) ترجمہ۔ شمر اب و تکچے را از قضا سے واقف کروں کہ میں کہ رنج پر عاشق ہوا اور کس

کی خوشبو پرست

عاشق سے لاکھ لاکھ گلیاں مل کر نے کیلئے ضروری ہے۔ کہ پہلے اسے بخود کیا جائے۔
(۴) ترجمہ۔ پہاڑ کی کھجور کی کمر سے نہاں کمرہ ہے۔ لے تیار اسکی رحمت کو دروازے سے
ناامید نہ ہو۔

عاشقانِ خدا کو چونکہ اس کی رحمت پر ہوسا ہے اس لیے باوجود انسانی کمزوریوں کے کھینچے
دل کو طبری تقویت ہے۔ مولانا جالی فرماتے ہیں۔

ہے پور زال سے دل سکا قوی یادہ [الہی ہے آسریاں جو پیر زال تیرا]

(۵) ترجمہ۔ میری جان تیرے دہن پر قربان ہو کہ باغِ نظر میں جہان کے چین آرائے کوئی
غنج اس سے اچھا نہیں بنایا۔

غنج۔ گلِ ناشگفتہ۔ دراصل یہ لفظ گنج ہے۔ مصدرِ غنیدن سے کیونکہ اس کی ذات
میں کبھی گلی پائی جاتی ہے۔ بہت سی بنیاں ہم گنجان اور مجمع ہوتی ہیں۔ فصاحت کے لئے
گنج سے گنج اور پھر غنج بنا لیا گیا۔ غنج ہی کہتے ہیں۔ معشوق کے دہن کو بوجہ نزاکت و خوبی کو
نگینے کے غنج سے تشبیہ دیتے ہیں۔ لفظ بہت برعادت تنگی غنج وغیرہ

بانِ نظر۔ یعنی عالم اور چمن آرائے۔ یعنی خداوند تعالیٰ
(۶) ترجمہ۔ اس چشم مست کے سوا کہ چشم بدو اس سے دور ہو اس ننگیوں آسمان کے نیچے
کوئی خوش نہ بیٹھا۔

یعنی اس مست آنکھ کے سوا کہ چشم بدو اس ننگیوں چرخ کے نیچے کوئی خوش ہو کر نہیں بیٹھا۔
یہ کہ معشوق کی آنکھ کے برابر کوئی تیز خوش نشین نہیں یعنی موزوں اور خوبصورت نہیں۔
(۷) ترجمہ۔ حافظ تیرے عشق کی دولت سے سلیمان ہو گیا۔ یعنی طلبِ صلہ اس کو ہاتھ میں
سو آ ہوا کے چہرہ نہ آیا۔

بہت خوب خواہیہ صاحبِ معارف۔ یہیں ٹوک چوک کر گئے۔ فرماتے ہیں۔ کہ تیرے
عشق میں میں ہی سلیمان ہو گیا کہ تیرے وصال کی آرزو میں اس سے ہاتھ ہی ہوا اٹھی۔
(۸) ترجمہ۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے زیرِ فرمان ہوا اپنی تہی۔ مولانا سبلی مرحوم

۱	که هر چه بر سر ما میرود ارادت اوست	۱	سمر ارادت ما و آستان حضرت دوست
۲	نه ایم آینه مادر مقابل رخ دوست	۲	نظیر دوست ندیم اگر چه از همه و مهر
۳	فدای قدوس هر سخن که یارب جوست	۳	نثار روی تو هر رنگ گل رخبر است
۴	که باد غالیه گشت خاک غنچه دوست	۴	گر تو شانه زوی زلف غنچه نشان را
۵	چرا که حال بخود فغان سال بنجوست	۵	رخ تو فغان هر مرد خواهم یافت
۶	که چون سخن در قهانه سخن توست	۶	صبار حال دل تنگ چه شرح دهد
۷	لباسی که درین آستانه سنگ است	۷	نه من بگویم این برده سوزم و بس
۸	چه جای فلک بیده زبان بندگوست	۸	زبان ناطق در وقت حسن لال است

(۹) نه این بل جل جلاله افکار آتش طلب است (۹)

(۱) ترجمہ۔ ہمارا تسلیم دوسری دنیا کی نگاہ کی آستان پر ہے جو کچھ ہمارے سر پر ہے وہ اس کے ازلوں سے ہے۔

از او است و مراد از کسی که ارادہ بر تسلیم جم کرنا - ارادہ است - ارادہ و کرتا -
 این شعرین بی تسلیم و رضا کا تعلق ہو - خواجہ صاحب فرماتے ہیں - کہ جو سیکر بنیادیہ از اسلم جم کر
 ہر چہ از او دست میبرد

(۱۶) ترجمہ دوست کی خلیفہ کی گرجہ چاند اور سچ دوست کے رخ کے مقابل میں آئینہ کی صفائی کے نام کے نزدیک تمام کائنات کو یاد دلاتا ہے اور اس کا فلسفہ یہ ہے چاند ستارے وغیرہ سب اس کو نور کو نمایاں ہیں کائنات کا ہر شے اس طرح جو تو نور کی گرجہ اور چاند کو سنا مٹا کر

جائے تو عکس جو آئینہ میں بیٹھ گیا۔ وہ کوئی علیحدہ وجود نہیں۔ بلکہ صرف عکس ہی۔ اسی طرح تمام کائنات خدا تعالیٰ کی ذات اور وجود کا عکس ہے۔

بہر نقش کہ بر تختہ سیمہ سستی پیدا است۔ | اس صورت الہیہ است کان نقش آراست

نواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ اگرچہ آئینہ مہر و ماہ میں تجلیات ذات باری موجود ہیں اور عکس ذات رب العزت کائنات کی صورت میں پیدا ہے۔ تاہم اسکی نظیر موجود نہیں۔ یہ سب عکس ہی گویا شاہدہ عین ذات محال ہوئے صرف مرآت کے ذریعے عکس نہ ہو۔ مگر وہ اس کی نظیر نہ ہے۔

(۳) ترجمہ۔ تیرے خسار پر باغ میں ہر ایک پھول کا پتہ قربان ہے اور تیرے قدر پر باغ کا سرو جواہر کے کنارہ پر ہے فدا ہے۔

سرو بن۔ سرو باغ یا سرو چوکندہ باغ یا کنارہ جو پر ہو۔ بن یعنی درخت ہی ہوتا ہے۔ (۴) ترجمہ۔ شاید تو نے زلف عنبرین کو کنگھی کی ہے کہ ہوا بے معطر اور خاک بے خوشبودار ہو گئی عنبر۔ تحقیق شعر الف تم میں گزری چکی ہے۔ عالمیہ۔ مشہور خوشبو ہے۔ جو مشک عنبر کا فوہ و دہن البیان وغیرہ میں بنتی ہے۔

یعنی تمام دنیا کی ہوا اور خاک میں تیرے خوشبو ہے۔ وہ زلف یار کی خوشبو ہی ہے معنی ظاہر و حقیقی ظاہر۔

(۵) ترجمہ۔ تیرا رخ جو نظر آیا۔ اب میں مراد حال کر ہونگا۔ کیونکہ نیا فال کا بعد عیشہ خوشحالی ہوتی ہے مشہور ہے کہ اگر کوئی آدمی کسی کام یا مہم پر جا رہا ہو۔ اور اسکو۔ امنی ہو کوئی اچھی اور بائین صبر نظر آئے تو یہ فال نیک ہوتا ہے۔ اور وہ آدمی جز قہر سے کسی تلاش میں جا رہا ہو۔ وہ اسے حال ہو کہ ہے نواجہ صاحب کہتے ہیں کہ میں نے تیرا دیکھا لیا اب امید ہے کہ میں خوشحال رہوں گا۔

پیشانی او جستہ فال است | امن | دیا چھ مضمون حال است

(۶) ترجمہ۔ صبا چاروں طرف کے حال کی کیا شرح کرے کہ غنچہ کی بیجوں کا کچھ کچھ تیرے دل یعنی ہمارے دل سے نکلا۔ مگر اس قدر چیدہ اور نور تو ہے کہ اسکی تفصیل بیان ممکن یا ہمارے دل کی انگ کی انگائش مشکل۔ صبا پنچوں کو تو شکوئے کرتی ہے تو اب یہ صاحب کے غنچہ دل کو وہ بھی شکوئے نہ کر سکتی۔

(۸) ترجمہ - صرف میں ہی دشمن نہ ہو دیر کا بخوار نہیں ہوں۔ جبکہ بہت سے غمزدہ ہیں اس بات سے
اب اور سبویں -

خواجہ صاحب فرماتے ہیں - کہ صرف میں ہی اس دشمن القاترا باحت میں خرابا باقی نہیں ہوں -
ہزاروں اور سر ہی اسی آستان کے چھپرے ہیں اور اسی میخانہ کے سبویں میں ٹھیکہ لگایا ہے - اور
کے غم پیتے رہے ہیں - خواجہ صاحب ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں - دیکھو شعر :

من بر آں غل غرض عزل سراچم و سیر آلہ عنایہ لوازیر طرقت ہزار ہند
(۸) ترجمہ - زبان کو یا اسوئیں کی تربیت میں نہ ہو - زبان بریدہ اور میدانہ کو نام و نیز سن بیان
فلم ہمیشہ بریدہ زبان ہوتا ہے - خواجہ صاحب کہتے ہیں کہ یہاں باقوت الہی گنگ میں - زبان بریدہ
لم کی کیا مجال ہے - کہ تیرے اوصاف تحریر کر سکے -

(۹) ترجمہ - حافظ کا دل کوئی اب سے طلب کی آگ میں نہیں غلٹا گیا - نزل تو وہ الہ
رو کی طرح داغدار ہے -

لالہ خود رو سلالہ کی ایک قسم ہے - گل لالہ میں ہمیشہ ایک نغمہ ہوتا ہے جسے عاشق کے داغ دل
یہ تشبیہ دیتے ہیں -

مطالع کا زل کے قریب میں سنا سنا تھا	دشمن کے ہونے پر یہ بودہ سرکاست نہ تھا
پیرانا مست ہوں جنت مرا کا شانہ تھا	مور ساقی چشمہ کو نہ مرا شینا رہا تھا
میں نے نہ ہر روز سن	ہر صبح بڑھتے عشق سپر بود
مستوقہ عشق و ماہم سے بودیم	در گوشہ و خلوے کے گیار بود

غزل (۸)

دل سے ابرہہ محبت اوست	۱	زیرہ سپید و اور طلعت اوست
من کہ سر زبیرا یم بدو کون	۲	آگر تھو زبیرا یم بدو کون
خود طوبی و اوقا مست یار	۳	خاکر کبریاں تہہ بہ تہہ اوست

دور بخوان گذشت نوبت است	۴	ہرے خرزہ نوبت است
من کہ ہشتم دران حرم کہ صبا	۵	پردہ دار حریم است
نکبت شقی و گنج طرب	۶	ہر چہ ارم ز تمیسن بہمت است
من و دل گرفتہ شویم چہ یک	۷	نہ عرض اندر میان سلامت است
بے خیالش مباد فنا چشم	۸	ز آنکہ این گوشہ خاموش است
گر من آلودہ شوم چہ عجب	۹	بہم گم گواہ عصمت است
ہر گل نو کہ شد ہمین آرا	۱۰	اثر رنگ بونے صحبت است

(۱۱)	فہرست مہربین کہ حافظ را	(۱۱)
سینہ گنجینہ محبت است		

(۱) ترجمہ - دل اس کی محبت کا سہا پردہ ہے۔ آنکھ لہ سکھیرہ کی آئینہ دار ہے۔
یعنی دل میں ہمیشہ اس کا خیال ہے۔ اور آنکھوں میں ہمیشہ اس کی شکل ہے۔ عاشق کا دل معشوق
کی منزل ہے۔ ملا محمد سعید اشرف کہتا ہے۔

یار در سینہ نہاں بودند استم	دل بسویش بگمراں بودند استم
-----------------------------	----------------------------

ولانا جلال الدین رومی فرماتے ہیں۔

اے خانہ پرستال چہ پرتی بگل و سنگ	آں خانہ پرستید کہ خصال طلبید نہ
آں خانہ دل خانہ حق واحد مطلق	نوش وقت کسانیکہ در آں خانہ خریدند

ح دل گذر گاہ حبیل اکسیر

اسی طرح عاشق کی آنکھیں ہی روئے یار کی آئینہ دار ہیں۔ ان میں ہی سوا روئے یار کے
عکس کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ ع۔

(۲) ترجمہ - میں تیرے دونوں جہان کیلئے سو نہیں جھکتا میری گردن اس کے احسان کے زیر بار ہے۔
وہی خیال ہے جو شہرت ہے میں نے خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ میں دنیا اور عاقبت کی واسطے
سرنجی نہیں کرتا۔ اللہ میری گردن اس کے بار منت سونپ رہا ہے۔

(۳) ترجمہ۔ مجھ کو طوبی کا ہوا قد یا رکھ خیال ہے۔ ہر کسی کا فکر اسکی بہت کے مطابق ہوتا ہے۔ خواجہ صاحب ہمیشہ بہشت کے طالب ہاؤ کو مخاطب کر کے کہتے ہیں۔ کہ آپ کے لئے تو بہشت کی محبتیں ہی غائبت الایمال ہیں۔ مگر ہم مشاہدہ یار کے طالب ہیں۔

زبانِ معیش مدہ الغام و میہ سبب
اسائش عبا کی حق ز تو خواہد

بامطلب او مطلب اصحاب شکر را
اوسمہ دوزخ نہ کند باغ ارم را

(۴) ترجمہ۔ مجھون کا زمانہ گذریا۔ اب ہماری باری ہو۔ ہر کوئی پانچ دن کی نوبت گزار جاتا ہے۔ اس شعر میں خواجہ صاحب نے دنیا کی ناپائیداری دکھائی ہے۔ اور لوگ کندر و دار کی مثالیں دیکر یہ مضمون ادا کرتے ہیں۔ عاشقوں کی سلطنت اور ہوتی ہے۔ انہوں نے فرہاد و مجنوں کی مثال پیش کر دی۔

(۵) ترجمہ۔ میں کون ہوں کہ اس حرم میں جاؤں۔ صبا اسکی حریم حرمت کی پردہ دار ہے۔ حریم۔ احاطہ کردا گرد خانہ کعبہ۔ اندرون سرائے۔ حریم احاطہ کردا گرد۔ خانہ۔ حرمت۔ عزت خواجہ صاحب فرماتے ہیں۔ کہ میں کیا چیز ہوں کہ رب العزت کے حریم میں یعنی اسرار میں مجھ کو دخل ہو وہاں تو صبا ہی باہر دروازہ پر پردہ داری کر رہی ہے۔ اور اندر نہیں جاسکتی۔ حالانکہ ہوا کو طبعاً کوئی روکاؤ نہیں۔ یا یہ کہ میری رسانی وہاں تک ناممکن ہے۔ کیونکہ صبا وہاں پردہ دار ہے۔ جس سے آنکھ بچا کر جانا ہی ممکن نہیں۔ ظاہر ہے۔ کہ ہوا ہر جگہ موجود ہوگی۔

(۶) ترجمہ۔ عشق کا کٹک اور خوشی کا خزانہ جو ہمارے پاس ہے۔ اس کی مین و بہت کی وجہ یہ ہے۔ سلطان عشق کا خزانہ ہادی النظر میں نقد طرب سے خالی ہوتا چاہیے۔ مگر حقیقت یہ ہے۔ کہ عاشقوں کو غم جاناں کے عوض غم جہاں سے قطعاً رہائی ہوتی ہے۔ اسکی مقابلتہ وہ خوش ہیں۔ کیونکہ انہیں ایک غم تو بیشک ہے مگر ہزار ہا غموں سے نجات ہی حاصل ہوا اور غم عشق ہی خود ایک لذت ہے۔

عشق سرتاپا غم آمد لیک اندر رہ گئے۔ | ذوق دیگر لذت ہو دیگر سرور دیگر گشت

خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ مجھ کو جو سلطنت عشق اور گنج طرب حاصل ہے۔ وہ سب اس کے مین کی بدولت ہے۔

(۷) ترجمہ۔ میں ادبیر اول اگر فنا ہی ہو جائیں تو کیا غم غرض ہو اسکی سلامتی سے ہے۔

عاشق کے دل کو اس قدر تسکین ہے کہ اگر وہ فنا پی ہو جائے تو کچھ ڈر نہیں۔ اس کا مقصد تو یہ ہے کہ سلامتی ہے۔ اور وہ سلامت ہے۔

(۸) ترجمہ۔ اس کے خیال سے خالی آنکھ کا منظر نہ ہو۔ کیونکہ یہ گوشہ خاص اس کی منزل خواجہ صاحب فرماتے ہیں۔ کہ میری آنکھ کا منظر کبھی معشوق کے نظارہ سے خالی نہ ہو کیونکہ گوشہ چشم خاص اس کی جگہ ہے۔ اس کی منزل میں دوسرے کا کیا کام۔

(۹) ترجمہ۔ اگر میں گنہگار ہوں تو کیا عجب۔ تمام جہان اس کی پاکی کا گواہ ہے۔ مطلب یہ ہے۔ کہ اگر میں گنہگار ہوں تو کیا ہرج۔ محبوب کے عصمت کے اور بہت گواہ ہیں یعنی نہ ہماری نافرمانی سے اس کی ذات میں کچھ نقص واقع ہوتا ہے۔ اور نہ ہماری تسبیح و اس کو کچھ فائدہ چل۔ عصمت سے یہاں مراد مطلق پاکی ہے۔ گناہ سے بچنا نہیں۔ گویا خدا کی پاکی بیان کرتے والے اور بہت ہیں۔ ایک میں نہ سہی۔ ظاہری مطلب ظاہر۔

(۱۰) ترجمہ۔ جو نیا پھول زیب چمن ہوتا ہے۔ اس میں رنگ و بو اسی کی صحبت سے ہے۔ وہی خیال ہے جو شعرت چھاپیں ہے۔

(۱۱) ترجمہ۔ حافظہ کی ظاہری ناداری پر نہ جا۔ کیونکہ اس کا سینہ یار کی محبت کا خوانہ ہے۔ وہی خیال ہے جو اشعارت ۱۱۱ میں ہے۔

غزل (۹)

۱	آن سیم چہ رود کہ شیرینی عالم با اوست	چشم میگون لب ان دل خرم با اوست
۲	گر چہ شیرین چمن بادشہا نند لے	آن سلیمان ست کہ خرم با اوست
۳	روئے تو لبست کمال ہنر و دامن پاک	لا حرم ہمت پاکان و عالم با اوست
۴	خال مشکبک بر آغراض گدوم گونست	ستر آن دانہ کہ شد رہزن آدم با اوست
۵	دلبر معزم سفر کرد رخسار ایاں	چہ نعم بادل محب و کرم با اوست
۶	یا کہ ایں محبت توں گفت کہ آن سنگدل	کشت مارا و دم عیلم سیم با اوست

(۷) حافظ از معتقد نسبت گرامی دارش
(۸) را کہ بختنایش بس روح مکرر با اوست

شاعین کا اتفاق ہے کہ یہ غزل خواجہ صاحب نے حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی شناسائی کی ہے۔ اور الفاظ جو اس غزل میں موجود ہیں۔ اس خیال کی تائید کرتے ہیں۔ یوں تو ہر ایک غزل کو جدید حیا لے چلو۔ مگر یہ غزل صریحاً آنحضرت کی نسبت میں معلوم ہوتی ہے۔ شاعرانہ طرز پر۔ عاشقانہ پہلو و گریز نہیں ہو سکتا۔ خواجہ صاحب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا عاشقانہ انداز سے بیان نہیں ہوتے۔ اور ظاہر ہے کہ چلنے اور اثر اس طرز میں ہے۔ اور کسی طرز میں نہیں ہو سکتا۔ اگر اس غزل کو بغتہ نہ خیال کریں۔ تو حسب معمول عاشقانہ راز و نیاز کی گفتگو اور عشق کے حسن سیرت و صورت کی تعریف منطوق ہوگی (۱) ترجمہ۔ وہ گندم رنگ کہ جہان کی شیرینی اس کے پاس ہے۔ اس کی آنکھیں میگھوں لب خندان اور دل خوش ہے۔

سید چمر چروہ۔ یا سید چروہ یعنی سیاہ رنگ کیونکہ چروہ یعنی رنگ ہے (زبربان) بعض جگہ سید چروہ سے نفس ملیح و سبز رنگ مراد ہوتی ہے۔ (سراج)۔ یہاں یہی دوسرے معنی ہیں۔ اس شعر میں حضرت رسالت مآب کے اوصاف حمیدہ کا ذکر ہے شیرینی سے یہاں حسن اخلاق مراد ہے چشم میگھوں یعنی مسرور آنکھیں اور کی نشانی ہے۔ نسبت ان نے اس تہور کے ساتھ لطیف و کرم ہی قرار کر دیا۔ اور دل خرم نے اطمینان قلب اور باطن پاکیزگی کا ثبوت دیا۔ یہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں اوصاف اوجہ حسن موجود تھے۔ آپ کا رنگ سیاہی ملیح تھا۔ اس نے سید چروہ کہا گیا۔ حدیث ہے۔ انا ملیح و اخضر و احمر و سفید۔

(۲) ترجمہ۔ اگرچہ حسین جہاں کے بادشاہ ہیں۔ لیکن وہ سلیمان وقت ہو کہ اسکے پاس خاتم خاتم۔ نفع نیا کسرتا (۱) آگشت تری۔ مہر (۲) جس سے کوئی شے ختم ہو۔ خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ اگرچہ اور پی حسین ہیں۔ اور سلطنت من کے بادشاہ مگر میرا مدد و بادشاہوں کا بادشاہ ہے وہ سلیمان وقت ہو۔ کیونکہ اسکے پاس خاتم ہے۔ شہور ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس ایک انگشت تھی۔ جو انکی حکومت کا راز تھی خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ میرا مدد و مدد و مدد کے پاس

واذا حضرنا اليك فقرأ من القرآن فلما حضروه قالوا انستوا على قضى ولما
الى قومهم مضدين ^ط (سورة علقه ركوع ٨)

<p> آید و این همه دار و نو و سوار و آنجا که تو را با که است پرید آنجا که نه است شیب و آنجا که پرید </p>	<p> هر یک و هم بخانی پذیرد آری سیر و هم تکیس از این و نورست هر یک از این و شیر و آری و سیر داند </p>
---	--

جیسا کہ شدت شعر میں لکھا جا چکا ہے آپ میں وہ صاف سید کا ہر وہ کمال ہونا تھا۔ جیسا کہ ہندو کمال
ہنراہ جو کہ تمام انبیاء کی صفات جو ان میں ہوا فردا میں آپ میں بھی موجود ہیں۔ اس لیے کہ ہندو
ہے کہ محمدؐ انبیاء سے آپ سے فنیتر اصل کیا۔ اور ان کی اس روحانی اور غلطی عزم آپ کی بدولت تھی
ہے غیبت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے کہ زمانہ میں نور اللہ و اشراق کلیم میں نور میں

نہیں۔ اگرچہ یہ ایک خال جو ان کے گندم گوں پر ہے۔ اس ان کا رنگ زرد ہے۔ گندم کا پتہ نہ کہ گندم کا پتہ
نہیں۔ یہ ایک خال جو ان کے گندم گوں پر ہے۔ اس ان کا رنگ زرد ہے۔ گندم کا پتہ نہ کہ گندم کا پتہ
نہیں۔ اگرچہ یہ ایک خال جو ان کے گندم گوں پر ہے۔ اس ان کا رنگ زرد ہے۔ گندم کا پتہ نہ کہ گندم کا پتہ

آپ کے عشق میں حضرت آدمؑ بھی ہمیشہ جوتا رہے۔ گویا وہ دائرہ گندم چھوڑ کر حضرت آدمؑ کو بہشت و نکاح کا باعث ہوا۔ وہ آپ کے عارض گندم کو ن کا عشق تھا۔

سردگر آدمؑ خانی کشتہ الہی اور ہر داندہ خانی کشتہ بہشتی

(۵۵) ترجمہ۔ میرے دلبر نے سفر کا ارادہ کیا ہے وہ تھوڑے میں پانچ زنی دل کو کیا کروں کہ مریم اسکا پاس اس شعریں آنحضرتؐ کے وصال کی طرف اشارہ ہے۔ خواجہ صاحب فرماتے ہیں۔ کہ میرے تجربوں دل کی مریم تو صرف آنحضرتؐ کے پاس ہی ہے۔ اب میں لاچار ہوں۔ کیا کروں درد بیدار مان ہے۔

(۵۶) ترجمہ۔ یہ کچھ کسکو کہوں کہ اس کیلئے دل تے بھگوانؑ ایسی ابن مریم اس کو پاس ہے۔ بیشک نکتہ ہے۔ دم علیؑ سے مراد قم باذن اللہ ہے۔ یہ کہہ کر حضرت علیؑ مردوں کو زندہ کرتے تھے خواجہ صاحب کہتے ہیں کہ علیؑ نفس ہو کر اس نے اپنے پورا ڈالا۔ عجیب بات ہے کسکو کہوں کون مانگا۔

خواجہ صاحب نے شعر (یہاں) میں بھینہ بی منعمون پھر ادا کیا ہے اور اس میں یہی چھو بیڑا ہے۔ (۵۷) ترجمہ۔ حافظ کسی کہ مریدوں سے ہے۔ اس کی عزت کرو۔ کیونکہ (رسولؐ کے) روح کرم کی کافی نسبت انیش اس کے ساتھ ہے۔

خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ میں کسی کے مستقدوں میں تھوڑے میں میری عزت کرو۔ کیونکہ بہت کم مریدوں کی بخشش میرے ساتھ ہے۔ یا روح کرم آنحضرتؐ میرے لئے کافی بخشش ہے۔ حافظ اس کا استعمال و مناسبت اللہ ہے۔ مگر مطلب صاف ہے۔

مولانا جامی نے نجات الانس میں لکھا ہے۔ کہ اگر یہ معلوم نہیں ہوا۔ کہ خواجہ حافظ نے کسی بزرگ کی بیعت کی۔ مگر ان کے کلام میں مستقد تصوف بھرا ہے۔ کہ اس کی نظیر نہیں۔ اس شعر میں خواجہ صاحب نے گونہ اس پر کا جواب بھی دیا ہے۔ کہ حافظ کو یہ نہ کہہ۔ کہ وہ کسی کا مرید نہیں اور کسی سے بیعت نہیں کی۔ وہ روح آنحضرتؐ سے فیض پاسب ہوتا ہے اور اس کے لیے فیض کافی ہے۔ اور

اکتہار سیدہ گوہر کی بیعت ہی براہ راست رسولؐ کی ہے۔ یہی وہ شعر الف و ہ و

غزل (۱۰)

۱	دارم امید عاظمی از جناب دوست	۱	کردم خیالتی و امیدم ایجناب دوست
۲	و انکم کہ بگذرد ز سر هر من کہ او	۲	گر چه بری و تن است و لیکن فرشتہ دوست
۳	بگفتگوئے زلف تو دل را بے برد	۳	باروئے واکب تو کر ز رشتہ دوست
۴	عمر نیست تا زلف تو بوی شنیہ ایم	۴	زاں بوی در شام و لایا هنوز دوست
۵	میخ است آن و بان کہ ندیم ازو نشان	۵	مویست آن میان و ندانم کہ آنی دوست
۶	دارم عجب ز نقش خیالتش کہ چوں زلفت	۶	از دیدہ ام کہ مبدلش کاششت و تن دوست
۷	چندال گریستم کہ ہر آنکس کہ برگشت	۷	در دیدہ ام کہ ویدر و ان گفت بچہ دوست
۸	ما سر جوگوئے بر سر کوئے تو با حقیم	۸	واقف نشد کہ کہ چہ گوئیست بچہ دوست

(۹) حافظ بدست حال پریشان تو و
(۹) بر یاد زلف یار پریشانیت نکوست

(۱) ترجمہ سچے دوست کے دربار سے مہربانی کی امید ہے۔ گویا میں نے خیانت کی۔ مگر اس کی عفو کی امید ہے۔
 تھو اچھا صاحب فرماتے ہیں کہ میں گناہ گار ہوں مگر بخشش کا امیدوار لفظ خیانت میں "انا عرضنا الامانت" والی امانت کی طرف اشارہ ہے۔ عزیز تشریح کیلئے دیکھو شعر دلیچ۔
 (۲) ترجمہ میں جانتا ہوں کہ میری جہم و درگزر کر گیا۔ اگرچہ وہ پری و شہر۔ مگر ساتھ ہی فرشتہ خصلت ہی خوب رو کر تو ہونا بیشک ذرا پہلے تو خواجہ صاحب ہی سکایت کر چکے ہیں
 ع۔ رنج بھی ماہ تاباں دل بچو سنگ خارا مگر اب کسی اور بحر میں ہیں
 (۳) ترجمہ تیری زلف چپ چاپ لے کر لیجاتی ہوں۔ تیرے دلکش ہیرو کو ساتھ نہ کرنا تیرے گلو ہے۔

خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ جب تیری انفیس چپ چاپ عشق کا دل قابو کر لیتے ہیں تو یہ کسی کی کیا خیال ہے کہ تیرے یہ فیوض ہر گز کا صبر و لکشی بدرجہ کمال موجود ہی۔ نظارہ کری۔ اور بے قابو نہ ہو۔ ممکن ہے کہ اس شعر میں واقعہ طور کی طرف اشارہ ہو یعنی زلفت ہو عالم کثرت مراد لیا ہو۔ اور یہ کہا جاتا ہے کہ جب عالم کثرت ہی انسان کے دل کو قابو کرنے کیلئے کافی ہو۔ اور وہ پردہ کثرت ہی میں بغیر گفتگو کے انسان کے دل کو اپنی طرف مائل کر سکتا ہے۔ تو پھر آدمی کی کیا مجال ہے کہ وہ اس پردہ کثرت کو ہٹا کر اس کے لئے دل کش یعنی عین ذات کا مشاہدہ کری اور اس سے پہلے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایسا کر کے کہا ہے یا (۴) ترجمہ۔ مدت ہوئی کہ تیری زلفت کی خوشبو ہم نے سونگھی۔ ہمارے دلیغ میں اسکی ایسی تک خوشبو باقی ہے۔ مشام نیم مشد۔ مگر فاری استعمال میں مشد نہیں پڑھا جاتا نخل قوت شامہ جو ہاک کا انتہا پر اور دلیغ کا بعد میں واقع ہے۔ یہ لفظ مشد شمس و مشتق ہے یعنی سونگھنا شمس سے شمس صیغہ ظرف ہے۔ اس کی جمع مشام یعنی نخل اور غام مشام۔ گویا لفظ مشام جمع ہے۔ مگر یعنی واحد استعمال ہوتا ہے۔

اس شعر کا مطلب بعینہ وہی ہے جو فقرات پہلے کا ہے۔ تشریح کیلئے وہ اشعار دیکھو۔ (۵) ترجمہ۔ اسکا وہن معدوم ہو گیا کہ اسکا کوئی نشان نہ دیکھا۔ اسکی کمر بال کی طرح۔ مگر معلوم نہیں کہ وہ بال کیسے خواجہ صاحب کی اس مشکل کوئی کشمیری نے اس طرح حل کیا ہے۔

دیرم مسیان یا رونیدیم وہاں نیاز | تنواں بہ بیچ دید چو در دیدہ مونس

منظر جان جاناں وہاں کے تین بتا ہے

کار سازان ازل سستی و ہستی را | باہم آمیختہ اوراد نے ساختہ اند

(۶) ترجمہ۔ حیران ہوں کہ تیری خیال کا نقش کسی طرح نہ دور ہوا میری آنکھوں سے۔ اسکا کام تو ہر وقت و ناز و نیاز ہے مطلب یہ کہ تیری آنکھوں سے ہر وقت آنسو رواں ہیں۔ حیران ہوں کہ تیرا نقش خیال میری آنکھوں سے کچھ دور نہ ہوا۔ حالانکہ پانی ہمیشہ خشک ہو جاتا ہے خواجہ صاحب کو شاید معلوم نہ ہو گا کہ بعض پانی پر نقش کو بھی پکا کر دیتے ہیں۔ تو گو کر فراس امر کی تصدیق کر سینگے۔

(۷) ترجمہ۔ میں اتنا رویا کہ جو آدمی گزرا میری آنکھوں کو بچ گیا۔ تو کہا کہ یہ کونسی نہر روان ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ میں اتنا رویا کہ جب کوئی مجھے پاس سے گزرا اور میری آنکھوں کو بچ گیا۔ تو کہا کہ یہ کون سی نہر جاری ہے۔ لفظ روان جو کے ساتھ ہے۔

(۸) ترجمہ۔ ہم نے گیم کی طرح ستر پر کوچے میں ہار دیا کہ نہ وقت ہوگا کہ گیم کی گیم ہو اور گیم کو چہ ہے۔ خواجہ صاحب کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے سر کو گیم کی طرح تیرے کوچے میں ہار دیا اور گیم کو خبر تک نہ ہوئی۔ کہ کیا ماجرا ہے۔

(۹) ترجمہ۔ اے حافظ تیرا حال پریشان برا ہو لیکن یا رکنی لبت میں تیری پریشانی ہی اچھی ہے۔ خواجہ حافظ اپنے آپ کو مخاطب کر کے لکھتے ہیں کہ شیک تیرا حال پریشان ہو اور حالت اچھی ہیں۔ مگر چونکہ یہ پریشانی زلفت یا رگی یادیں ہو۔ اسلئے یہ پریشانی بڑی نہیں اچھی ہے۔ پہلے کئی دفعہ لکھا جا چکا ہے کہ عاشق پریشان حالی کو ہمیشہ مشوق کی زلفوں کی پریشانی کو منسوب کرتے ہیں۔ چنانچہ خواجہ صاحب کے کئی شعراں مضمون پر پہلے آچکے ہیں۔ چنانچہ دیکھو شعر الف ہے۔

ایک شاعر نے پہلے مصرع کا اس طرح ترجمہ کیا ہے۔ ”حافظ تو۔ ال کے ہاتھ سے پریشان ہو گیا لیکن“

غزل (۱۱)

آن ترقیب سے گونید اہل خلوت امشب	۱	یار بے تین تا تیر دولت از کداحی کو کاست
تا گیسو تو دست ناسترایان کم رسد	۲	ہر دہ لہر چھوٹے در و ذریا رب یار سب
تہ چاہ زخندان تو ام کز ہر طرف	۳	صد ہزار تن کج جان نہر طوق غمخ سب
تا فحیے بر عارض عشق بن کافتاب گرم رو	۴	در موج اے آن عرق ناست بے وقت سب
اندر ان موکب کہ بر پشت صبا بندن زین	۵	با سلیلا چمن بر ایم من کہ مورم مکر سب
شاہ ہوا رس کہ ماہ شبہ دار روی اوست	۶	تاج خورشید لبنت خاک حاصل مکر سب
آب چو انش ز منتقار بلاغت مجھ کد	۷	تراغ ملک من ام از وجہ عالمی شمر سب
من خواہم کہ تیر کس یار و حجام ے	۸	زاہدان معذور داریم کہ انیم نہ سب

آئکہ ناک بزدلم از زیر پشتم سے زند
(۹) قوت جان حافظ تو شہ زار سب

(۹)

(۱) ترجمہ۔ شب قدس کا ذکر گزشتہ نشین کرتے ہیں۔ آج کی رات ہے۔ یہاں یہ خوش قسمتی کہ

ستارہ کی وجہ سے ہے

شعب در تحقیق گذر چکی ہے دیکھو شہر بے کسب۔ ستارہ روشن و بزرگ۔

خوشحالی و بختی عموماً لوگ ستاروں کی گردش سے منسوب کرتے ہیں۔

(۲) ترجمہ۔ تاکہ تیرے گیسو بیکٹالوں کا ہاتھ نہ پیچھے دل حلقہ زلف میں کر یارب یارب کر رہا ہے

کھم کھم۔ بمعنی نہ رسد۔ کم ان معنوں میں اکثر استعمال ہوتا ہے۔

خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ تیری زلف کے حلقوں میں جتنو دل اسیر ہیں۔ سب کربا یارب یارب تیر

مشغول ہیں۔ تاکہ اس ذکر کی برکت سے کوئی ناسزا و ہر نہ جانے پائے۔

یارب یارب کرنا یا خدا خدا کرنا۔ بمعنی خدا کی پناہ مانگنا۔ مثلاً (مصلحت خان اردو)

خدا خدا نعم از کثرتستان شب نے روز | کہ در سیاں نشود دم رہ خم ادانی

یاد و سر و معنی طرح ہی ہو سکتے ہیں کہ تیری لہلوں بیکٹالوں کا ہاتھ نہ پیچھے دل حلقہ زلف میں کر یارب یارب کر رہا ہے

میں جتنو دل اسیر ہیں وہ سب کربا یارب یارب میں معروف ہیں۔ یعنی ان میں سے کوئی نااہل نہیں۔

(۳) ترجمہ۔ میں تیری چاہ زخندان کا پیاسا ہوں جسکی ہر طرف لہلوں کی گزیریں ڈیرہ غیب میں اسیر ہیں۔

زخندان اور غیب کی لغوی تحقیق گزر چکی ہے۔ دیکھو الف ۲۔

یہاں طوق غیب سے مراد دائرہ غیب ہے جس کی روایت سے لفظ گردن آیا۔ کیونکہ اسیر کرنا کڑو

گردن طوق والا جاتا ہے۔ خواجہ صاحب اپنی ہم کی شہسوار بیانی کرتے ہیں کہ چنانچہ زخندان کا پیاسہ تو ہوں مگر

دیکھتا ہوں۔ کہ پہلے ہزاروں لہلوں کا ہاتھ نہ پیچھے دل حلقہ زلف میں کر یارب یارب کر رہا ہے

(۴) ترجمہ۔ اس کے خساں پر پسینہ کی چھڑک دیکھ کہ تیرا روضہ اسی پسینہ کا شوق میں جب تک ہے۔ ہر روز جلیں رہا ہے

خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ معشوق کے عارض پر پسینہ کا قطرہ اس قدر دشتہ اور روشن ہو کہ آفتاب ہی اسکی

تاب سے تاب میں ہے۔ یعنی آفتاب ہی جب تک ہے اس کی خوشناتی کے رشک میں جلتا رہے گا۔

ایک شایع حدیث ہے: اس شعر کے معنی اس طرح بیان فرماتے ہیں اس کی عارض کی پسینہ کی تابش آفتاب

تیرے دیکھ سانس پسینہ کی محبت جب تک کہ گردن میں موجود ہے روز بروز ہے۔

(۵) ترجمہ۔ جس شکر میں اکی پشت پر زین لگا کر گئے۔ سلیمان کی عکاسی کرتا ہے کہ میرا گھوڑا جیوٹی ہے۔

موسک۔ گریہ سواراں۔ شہنشاہی سبوس میں پوش کر ہو۔
خواجہ صاحب نے اس شعر میں ایک نفاذ معنی کا اعتراف کیا ہے کہ جس شکر میں باد صبا پر زبن لگا کر
لوگ سوار ہو گئے۔ وہاں میں ان کا کیا مقابلہ کروں گا۔ جب کام کسب چوتھی ہو حضرت سلیمان کا تخت ہوا پر
اڑتا تھا۔ اور دروغ ان کو بالغ فرما دیتا۔ غالباً خواجہ صاحب کا اشارہ روز قیامت اور عیوب پھر ادا کی
طرف ہے۔ اور کلام پاک میں حضرت سلیمان کے قصہ میں جو نئی کا ذکر ہے۔

(۶) ترجمہ۔ میرا شاہوکار کا ائمہ دار چاند ہے اس کا گھر ہے کی اہل کی خاک بند سوچ کا تاج ہے۔
مہ کی ائمہ داری کے متعلق دیکھو شعرت

(۷) ترجمہ۔ اس کی خوشگوئی جو نئے بھیات ٹپکتا ہے۔ میرے قلم کا کوا ما شا اللہ لکھتا بلند مشرب ہے۔
قلم کو زنجیر سیاہی کہا گیا ہے لفظ منقار۔ آب اور مشرب ان کی رعایت سے آئے ہیں۔ ہمارے
یعنی ماشاء اللہ۔ یہ شعر بھی شاعرانہ تحریر پہلوئی ہوئے ہے۔ قلم سے بھیات کا ٹپکن ظاہر کیونکہ قلم کا لکھا ہوا
مقابلت ہمیشہ باقی رہتا ہے۔ اور خواجہ صاحب کی غزل تو بیشک پانچ تہہ سو سال کی عمر پانچ تہی ہے
اور ابھی اسی شباب میں ہے۔

(۸) ترجمہ۔ میں لب یا را اور جام شراب کو نہ ہوڑوں گا لے زاہد و مجھے معذرت کیجی میرا مذہب
خواجہ صاحب و اعظا کی پسند و نضائے تنگ اگر اسے کہتے ہیں کہ مجھے معذرت کر لیں۔ میرا
مذہب ہی یہی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ کوئی آدمی ایک مذہب میں ہو کر خلاف مذہب عمل کرے۔
تو اس کو نصیحت کر سکتے ہیں۔ مگر جب وہ ایک طرز عمل کو اپنا مذہب بنا لے تو پھر دوسروں کا اس
کے مذہب پر حملہ کر ٹیکا کوئی حق باقی نہیں رہتا۔

(۹) ترجمہ۔ وہ جو میرے دل پر بھی نظروں سے تیرا رہا ہو حافظ کی جان کی غذا اس کے تبسم میں ہے۔
زیر تبسم۔ چچی آنکھیں یا تر ہی نظر سے دیکھنا۔ چندہ زیر لب تبسم جو حرکت لب سے نکلنا
نہ کہے۔

خواجہ صاحب کہتے ہیں کہ معشوق کی تر ہی نظریں گچھ تیرے کام کرتی ہیں۔ مگر ساتھ ہی اس
کا تبسم ہمارے لئے آب حیات کا کام دیتا ہے۔ اور تاو کہ نظر سے جو زخم دل پر ہوتا ہے
اس کا علاج تبسم سے ہو جاتا ہے۔

غزل (۱۲)

۱	سبب ہم از آتش و از خشم جانانہ لبو	۱	آتش بود در رخ جانہ کہ کاشانہ لبو خست
۲	تنم از واسطہ دوری لب بیکد اخت	۲	جانم از آتش تخریج جانانہ لبو خست
۳	ہر کہ زنجیر لعل بر روی تو دید	۳	خبر پریشان دلش بر من دیوانہ لبو خست
۴	سوز زلزلہ کز لعل آتش شکم دل شمع	۴	دشمن من ز سر ہر چہ پروانہ لبو خست
۵	چوں بیالہ طم از توبہ کہ کرم شکست	۵	چوں صراحی جگم بے دیوانہ لبو خست
۶	ماجر اکم کن دیار اکہ مرام مردم چشم	۶	خرقہ از سر ہر آؤد و شکرانہ لبو خست
۷	آتش خانہ عریض است کہ دسوز من است	۷	چون من ز خویش فتنم دل بگانہ لبو خست
۸	خرقہ ز ہر آب خرابات ہر د	۸	خایہ قفل مرام آتش خم خانہ لبو خست

(۹) ترک نہانہ بگو حافظ و مے نوش ۲۲
(۹) کہ تختہ شب و شمع یا نہانہ لبو خست

(۱) ترجمہ - میر سینہ دل کی آگ بھونم معشوق میں جل گیا۔ اس گھر میں آگ نہی۔ جس سو فو و گھر جل گیا
آتش دل و سینہ جلتا ہوا دیکھا۔ اب سینہ کی آگ سے دل بھلا شہابی دیکھو

دل کے پیروے اجل آگے سینہ کے مانع
اس گھر کو آگ آگ گئی صبر کے تپ مانع

(۲) ترجمہ - میرا وجود مستغرق و دروہ ہونے کی وجہ سے گل گیا میری جان معشوق کو خفا کے شہر کی
جس سے جل گئی۔

(۳) ترجمہ - جس کی بے تیری زلف پر صفت کی انہر کو کہ پاپریشان ہو گیا اور اسکاد (۱) دیوانہ پر جلا
پاپریشان دیکھ کہ مانع کی پریشان کامر جب معشوق کی زلف کی پریشان ہوئی ہے تو اوجہ
سما۔ غرضتیں کہ در نہ استر لگ ہے ملعون کرتے ہوئے گرتے کسی۔ لے ایک غصہ ہی تیری زلف

حلقہ کو دیکھ لیا۔ وہ تو دپریشان خاطر ہو گیا۔ اور اسے یہی عجیبہ آگئی کہ میں کیوں پریشان ہوا ہوں۔ اور پھر وہ مجھ سے ہمدردی کرنے لگا۔ الفاظ ازخسیر و دیوانہ اور زلف پریشان کی لطافت ظاہر۔

(۱۴) ترجمہ۔ میرے دل کا سوز بیکہ میری آنسوؤں کی آگ سے شمع کا دل کل ہمدردی سے مجھ پر پڑا۔ کی طرح جل گیا۔

اشک کو آگ سوز دل کی وجہ سے کہا۔ شمع کا جلنا اور رونما شہور۔ عاشق شب بھر میں مایہ الاشیع کو سمجھتا ہے۔ کہ وہ ہی میرے سوز دل پر آنسو بہا رہی ہے اور جل رہی ہے۔

(۱۵) ترجمہ۔ میں نے توبہ کی اور میرا دل پیالہ کی طرح ٹوٹ گیا اور میرا جگر راجی کی طرح شراب نہ ہونے سے خشک ہو گیا۔

میخوار کی توبہ سے خشک پیالہ تو لازم گرفتار صاحب کا شیشہ دل ہی اس توبہ سے ٹوٹ گیا۔ اور ان کا جگر ہی شراب کے نہ ہونے کی وجہ سے خشک ہو کر جل گیا مراح نے تو شراب سے خالی ہو کر شراب ہونا ہی تھا۔ خواجہ صاحب یہاں یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ ہم میخواری پر مجبور ہیں۔ کیونکہ ہماری فانی اسی پر منحصر ہے۔ اور اسی لئے ہم زہر خشک پر اسکو ترجیح دیتے ہیں۔ ہم نے ترک کر کے ہی دباہ لیا۔ اس توبہ سے ہم باز آئے۔

(۱۶) ترجمہ۔ باتیں بنا اور باز آ جا کہ میری مردم چشم نے خرقہ سرسوتاں بھینکا اور شکرانہ میں ہی جلا۔ حاجرا۔ سرب ہو اور جڑا ہے۔ جو کچھ گذرا ہو۔ سرگذشت۔ احوال۔ بیان زمانہ گذشتہ۔

مردم چشم سے سیاہی چشم جو محل بصیرت ہے۔ مردمک ہی بطریق تصغیر کہتے ہیں۔ خواجہ صاحب واعظ کو کہتے ہیں۔ کہ قصے کہانیاں بند کرو۔ کیونکہ میری مردم چشم نے خرقہ سرسوتاں شکرانہ کے شکرانہ میں جلا دیا ہے یعنی میں نے عشق میں آنکھم کا پردہ حجاب یا حیا دور کر دیا ہے۔ اب مجھے پند و نصیحت کا فائدہ نہیں۔ خرقہ کہنہ دوریدہ کپڑے کو کہتے ہیں۔ درویشوار۔ زاپرواہ کا لباس ہے۔ خرقہ از سر بدلا اور دن یعنی ترک زہد۔ زہدی ختم یا کرنا۔

(۱۷) ترجمہ۔ جو میرا ہمدردی۔ وہ بیگانہ نہیں بلکہ دوست ہے جب میں بخود ہو گیا۔ تو بیگانوں کو دل مجھ پر پڑا۔ مطلب یہ ہے کہ جب میں اپنے آپ سے باہر ہوا یعنی بخود ہوا تو بیگانے ہی میرے لئے آنسو کرنا۔

لگے۔ اور وہ بیگانہ نے چونکہ میرے ہمدر میں اسلئے انکو بیگانہ نہیں کہہ سکتا۔ بلکہ وہ میرے آشنا اور دوست ہیں۔

الفاظ آشنا و غریب اور خویش و بیگانہ ایک دوسرے کی رعایت سے آئے ہیں۔
(۱۰) ترجمہ میری پارسانی کا خرقہ کو شراب کیٹی میرے خالق کو آتش میخانہ نے جلادیا۔
آب خرابات اور آتش خم خانہ دونوں کے معنی شراب ہیں شراب کو بوجہ رنگ اور اثر کے آتش سے تشبیہ دیتے ہیں۔ خواجہ صاحب نے اس شعر میں آب و آتش کو خوب جمع کیا ہے مطلب یہ ہے کہ میرے خرقہ زہد کو شراب ببا کر لیگئی۔ اور خاتم عقل کو آتش جام نے جلادیا یعنی شراب نے میری پارسانی اور خالق کو ضائع کر دیا۔ ظاہری اور معنوی مطالب ظاہر عقل اور شراب کے متعلق دیکھو معراج العارفین (۹) ترجمہ۔ حافظ کھانیاں چھوڑ اور کچھ دیر شراب پی۔ کیونکہ تم تمام رات ہم نہ سکو اور شمع افسانہ میں جل گئی۔

خواجہ صاحب کہتے ہیں کہ حافظ ان افسانوں کو چھوڑ اور عقل کو نوشی کرو۔ انہی انسانوں میں جو جل بھیجی اور تم نے ذات بھر آرام نہیں کیا۔ اب ان قصوں کو چھوڑ۔ مطلب یہ ہے کہ تم نے اپنی عمر سے کینہ محال نہ کیا۔ اور انہی باتوں میں عمر گزار دی۔ اب تو کچھ فکر کرو۔

شراب ہستی فرو کردید در حبیب سحریمے | تو ہم چشم غافل یا زلزل ای خبریمے

غزل (۱۳)

۱	زادہ ظاہر بہت از حال ما گاہ نیست	۱	در حق ما ہر چہ گوئد جائز ہے اگر اہ نیست
۲	در طریقت ہر چہ پیش سا نک آہ خیر است	۲	در صراط المستقیم ہے دل کتو مگر اہ نیست
۳	تا چہ یازمیں رخ نماید سیدے خواہم ماند	۳	عرضہ طبع زندان را مجال شاہ نیست
۴	اے چہ تنقاست یار یار چہ باور جاہ نیست	۴	کایں نمہ زخم نہان بہتے مجال آہ نیست
۵	چہست این سقوت بدم و سادہ سیر نقش	۵	زس محتاج و اندر جہاں آگاہ نیست
۶	صاحب فغان ما کو یا نمیداند حساب	۶	کاندیر طغرائے شہتہ لاشہ نیست

(۱۱)	حافظ ابراهيم در نشين در عالي مکتبی است	(۱۲)
	عاشق در مکتبش اندر بدال و جانه است	

(۱) ترجمہ - زاید ظاہر پرست ہمارے حال سے واقف نہیں ہمارے حق میں جو کچھ کہے کچھ مضائقہ نہیں خواجہ صاحب نے بہاؤ اللہ میں بتا دیا ہے کہ ان کا زندانہ مشترک بادشاہ ظاہر پرست کی فہم سے بالا ہے۔ اور وہ حافظ پر اگر طعنہ زنی وغیرہ کرتے ہیں۔ تو اسکی وجہ صرف یہی ہے کہ وہ ان کی حالت سے اور اسکی حقیقت سے نا آشنا ہیں۔ اس لئے وہ بی معذور ہیں۔ لگے کچھ برا بھلا کہیں تو مضائقہ نہیں۔ اسی طرح خواجہ صاحب کے کلام کو نہ سمجھ کر یا زیادہ دانستہ اگر کوئی آؤ محلی قلمی سخن کے اس زبردست اور باوقار شاہنشاہ کو غرض تخمین ادا نہ کرے۔ تو اسکی کوئی سختی۔

(۳) ترجمہ۔ طریقت میں جو کچھ سالک کے پیش نظر آسکوتا اچھا ہے۔ راہِ راست پر پہلے دل کو گناہ گراہ نہیں ہوتا۔ طریقت منازلِ سبعہ میں ہر ایک منزل پر جو شریعت کے بعد اور حقیقت و معرفت کے پہلے ہے اصطلاح سالکان میں طریقت تزکیہ باطن اور شریعت تزکیہ ظاہر کا نام ہے۔ سالک۔ اصطلاح صوفیاء میں یہ شخص ہے جو طالبِ تقرب حق تعالیٰ اور مقلِّدِ معاش بھی کہلاتا ہو۔ یہاں مراد مطلق طالبِ حق۔

خواجه صاحب فرماتے ہیں کہ عشق الہی نجات کا سبب ہو زیادہ سیدھا راستہ ہے۔ اسلئے طالب حق کو اگر منزل عشق کے طے کرچیں مشکلات اور تکالیف کا سامنا ہو۔ یا کوئی تھوڑی سی عینت یا لذت قیاسات پشیمانی ہو تو اسکو گرنا نہیں چاہیئے۔ اور چاروں جانب میں نہیں پڑنا چاہیئے۔ کیونکہ راہ راست پر کوئی گمراہ نہیں ہو سکتا بقول سعدی
رحمۃ اللہ علیہ
کس ندیدیم کہ گم شد از راہ راست
صوفیائے کرام کے نزدیک انسان کو دنیا میں جو کچھ پیش آتا ہے۔ اور جو افعال اعمال سے ہی سرزد ہوتے ہیں

ان سب میں حکمت الہی موجود ہے۔ اور صلیحت پر مبنی ہیں۔ گویا ان کو نزدیک تمام دنیا عراط المستقیم پر مبارک ہے اور جو کچھ دنیا میں ہو رہا ہے حکیم مطلق کی حکمت کے مطابق ہے۔ اس لئے ہم کو ہمیشہ یہ یقین ہونا چاہیئے کہ جو کچھ ہو رہا ہے عین حکمت کے مطابق ہو رہا ہے۔ اور اس میں ہمارا آخر کار فائدہ ہے، شیخ اکبر علی الدین ابن عربی نے نصوص احکام میں لکھا ہے۔ کہ جو اسے آئیہ کریمہ۔ مامن و ابدت اللہ بر آشد جنابنا صلیتہ ان ربی علی عراط مستقیم۔ (سورہ ہود رکعہ ۵) اللہ تعالیٰ کی رحمت ہر ادنیٰ اور اعلیٰ چیزوں میں وسیع ہے۔ ہر جگہ

والے کی پیشانی اسی کے ہاتھ میں ہے۔ اور میرا رب سیدی راہ پر ہے۔ پس ہر جگہ والہ یارب کی سیدی راہ پر ہے۔ پس وہ مقصوب علیہم میں اس وجہ سے داخل نہ ہوا۔ اور نہ ضالین میں اور جب ضلالت اور غضب الہی دو نوعاں ہی ہوں اور انکا کمال کار رحمت ہے۔ تو رحمت ہی ہر شے پر وسیع ہو اور یہ رحمت غیبی سبقت (۱) ترجمہ ہم پیادہ کو کھلیں گے۔ دیکھو کیا نتیجہ ہوتا ہے۔ رند کی طرح شطرنج کی بساط پر شاہ کی جگہ نہیں۔ سبذق۔ پیادہ شطرنج۔ یہ لفظ پیادہ کا معرب ہے۔ عام طور پر اس پیادہ کو کہتے ہیں جو خانہ ہائے شطرنج کی انتہا تک پہنچے۔ مگر محققین شطرنج میں دو پیادوں کو کہتے ہیں۔ جو شاہ اور وزیر کے مقابل ہوتا ہیں۔ عرصہ شطرنج یعنی بساط جس پر شطرنج کھیلی جاتی ہے۔ شاہ شطرنج کا شاہ۔ محال جانے جو ان کر دن۔ میدان۔ طاقت۔

خواجہ صاحب فرماتے ہیں۔ کہ ہم پیادوں کو کھیلیں گے اور دیکھیں گے۔ کہ کھیل کا نتیجہ کیا ہوتا ہے۔ کیونکہ ہمارے شطرنج کی بساط پر شاہ کے چلنے کی جگہ نہیں مطلب یہ ہے۔ کہ شہر زماں میں نیا دی جاہ و جلال کا کچھ کام نہیں۔ شطرنج کے شعلی۔ بازی۔ رنج۔ سبذق۔ عرصہ شطرنج۔ محال شاہ کئے الفاظ اور کس خوبصورتی سے خواجہ صاحب نے کچھ ایک شعر میں جمع کر دیئے۔ (۲) ترجمہ۔ اے خدا کیسی بے پرواہی ہے اور یہ کیسا نصف۔ تاکہ ہمیکہ جس قدر پوشیدہ زخم ہیں۔ اور آہ کنیکا انتہا نہیں۔

اردو میں مثل مشہور ہے کہ زبردست مارے اور روتے نہ دے۔

(۱) ترجمہ۔ یہ بلند سادہ اور نقش چہیت کیا چیز ہے اس محاسن کوئی دیکھتا ہے۔ (۲) ترجمہ۔ آسمان کو خواجہ صاحب نے سادہ اور بسایا نقش کہا ہے۔ لفظ ہر اجتماع ضدین ہے مگر حقیقت میں اظہار حقیقت ہے۔ آسمان کی سادگی دیکھو تو وہ بھی لاجواب ہے۔ اور نقش دور نگار بھی اتنی میں کہ کوئی

تھا نہیں۔ کروڑوں ستیاریں لاقعدا و ستارے چاند اور سورج سب اسکے نقش میں۔ مگر کسی وقت دیکھو تو تمام چہرہ پر ایک آدھ خال نظر آئیگا۔ باقی مطلع صاف۔ اور باوجود نقش و نگار کے بھی اسکی سادگی میں کچھ فرق نہیں آتا۔ خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ کسی دانے اب تک یہ محاصل نہیں کیا کہ یہ ہے کیا۔ خواجہ صاحب کو یہ غزل کہے ہوئے پانچ چہ سو سال ہو گئے۔ مگر اب تک بھی کسی نے یہ محاصل نہیں کیا۔ سائنس اور فلسفہ دونو عاجز ہیں۔ نیز دیکھو شعر الف ب۔

(۶) ترجمہ۔ ہمارا محاسب گویا حساب نہیں جانتا۔ کیونکہ اس فرمان پر نشانِ حبیبہ لکھا نہیں ہے۔ دیوان۔ جیسے جمع شدن۔ مجازاً بمعنی دفتر محاسبہ۔ بچہری۔ دارالعدالت۔ بعض کی رائے ہے کہ دراصل یہ لفظ دیوان تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ اس لفظ کی وجہ سمیہ یہ ہے کہ نوشیروان نے اپنے محاسبوں کو حکم دیا۔ کہ تین روزہ فی ماں حساب کمال تیار کرو۔ دوسرے روزان کے دفتر میں گیا۔ دیکھا کہ بہت سے لوگ اکٹھے ہو کر بڑی جلدی ہو کام کر رہے ہیں۔ کہا کہ دیوان بہت تندر۔ طغرا۔ بالضم۔ ایک قسم کا پیچیدہ خط۔ بادشاہی فرمانوں پر القاب لے کر خط لکھو جاتے تھے۔ مطلق فرمان شاہی۔

شاہی فرمانوں پر نشانِ حبیبہ لکھ کر اپنے غفور و معافی تحریر ہو جاتا تھا۔ غریب و مسکین۔ علیا چونکہ باج خراج سے معاف ہوتے ہیں۔ اور بعض قصور و جوبات چھوڑ دینا قابلِ معافی ہوتے ہیں۔ اسلئے پروانوں میں ان کے استثنائے کیلئے یہ نشان ہوتا ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ شائید ہمارے محاسب کو حساب سے واقفیت نہیں۔ کیونکہ اس کے تحریر شدہ پروانہ میں یہ نشان موجود ہی نہیں۔ خواجہ صاحب گویا محاسب یا محبوب کی سخت گیری کے شاکہ ہیں اور الطواف و اکرام کے طالب۔

صاحبِ دیوان ہر طنز آلودہ و اعظابی مراد لے سکتے ہیں جو ہمیشہ عذابِ الہی کی تشبیہ کرتا رہتا ہے۔ (۷) ترجمہ۔ جو چاہے آئے۔ جو چاہے جائے۔ اس درگاہ میں کوئی گھٹ کوئی پردہ دار اور کوئی پاسبان نہیں۔ مولانا شبلی مرحوم نے خواجہ صاحب کے فلسفہ اخلاق پر بحث کرتے ہوئے اس شعر کو نقل کیا ہے۔ اور خواجہ صاحب کی زبانی لکھا ہے۔ ہماری مجلس عام ہے کسی کی تخصیص نہیں۔ جو چاہے آئے۔ ہم سب کے ساتھ یکساں برتاؤ کرتے ہیں۔ واعظوں اور زاہروں کی طرح ہمارا اخلاق دوست و دشمن عزیز و بریکانہ کافر و مسلمان کی تفریق کی وجہ سے بدلا نہیں کرتا۔

اس تحریر درگاہ سے مراد درگاہ آہی بی مراد ہو سکتی ہے۔ اگر کوئی نہ آئے تو اس تذکرہ تکمیل۔ اگر کوئی
آئے تو انہیں منہم سببنا۔

(۸) ترجمہ :- جو پہلے ہی ہمارے غیر موزون اور بے طے کنگے قدم کی وجہ سے ہی - ورنہ تیرے خلعت کی اس قدر چھوٹی نہیں ہوتی۔ بزرگ کرنا عزت دینا۔ استعمال فارسی میں جو خلعت خواہراوسلطین کسی کی مکی عزت افزائی کے لیے اسے عطا کرتے ہیں۔ بیان معنی خلعت۔

نواحبہ صاحب فرماتے ہیں کہ نندہ ذکر کیجئے بہرانیان عالم ہیں۔ اگر ہم ان کے فیض عام سے محروم ہیں تو یہ سارا اپنا قصور ہے۔ خود لڑین پر اگر زراعت ہے تو تو بارش کا قصور نہیں۔ ع۔

سبز و بر سبزه گنبد دید چه گناه باران را

اس شعر کی مزید تشریح کیلئے دیکھو شعر الف جہاں استعداد اور فیض کو متعلق پوری بحث ہو چکی ہے۔
حاصل کلام یہ ہے۔ کہ یہ بھاری اپنی کم ظرفی ہے۔ ورنہ شکر گزار نہ کیا تجرید سیکر ان تو مولانا حالی جو ہم نے کہا ہے۔
ہمارے طرف ہی انجام کے قابل نہیں تھے۔
حضرت امیر خسرو فرماتے ہیں۔

نہیں رقبہ بل کہ نہ اندک نہ شت | بروگرے تو دنیو اندک نہ شت
ظہیر بیٹا پوری کا یہ شعر ہی اسی مضمون پر ہے۔

[illegible]

بیکرنگ عزم اور وہ آدمی نہ دیکھتا تھا ہر باطن ایک سناہور ریاکار نہ ہو نہ فریفتہ نہ کڑی اور مستحق نہ ہو خود فروغ نہ آدمی ہیں۔ جو اپنی ظاہر صورت کو دیکھ کر دوسروں کو اپنا زبرد کا قیاس لاکرین ہی مفاد حاصل کریں۔ ظاہر ہو کہ ایسے لوگ عے فروغوں کو جو حیرت میں نہیں جاسکتے۔

(۱۰) ترجمہ۔ میں اس پیر فریاد کا غلام ہوں جس کا لطف انجمنی سپہ ورنہ شیخ و مراد کا لطف تو کہی ہے
اگر نہی ہوں۔

خواجہ صاحب شہزاد ہمدانی متعلق ہمزاجی کی تمکینیت کرتے ہیں یہ لوگ خدا را اسی بات پر بگڑھٹیتے ہیں اور خدا خواستہ لکھرا دمی ان کی خلاف رائے کچھ کر گزرے۔ تو کبھی معاف ہی نہیں کرتے۔

یہ فریاد سے خدا ہی مراد ہو سکتی ہے۔ اور شیخ وزائد سے ماسواہ مکام وغیرہ۔

تیری مسجد میں اعظا خاص میں اوقات رحمت کے
ہمارے کیدہ میں رات دن رحمت بستی ہے

(۱۱) ترجمہ۔ حافظ اگر عذر پر نہیں سمجھتا تو یہ اسکی بلند ہستی ہے در کوش عاشق کو مال و جان کی پرواہ
نہیں ہوتی۔

خواجہ صاحب کہتے ہیں کہ اگر ہم لوگ دنیاوی جاہ و جلال نہیں رکھتے تو اسکا مطلب نہیں۔
کہ ہم اسے حاصل ہی نہیں کر سکتے۔ بلکہ وجہ یہ ہے۔ کہ ہم لوگ علی ہمت ہیں اور اس کی پرواہ نہیں کرتے
مشراب عشق میان جاہ کی محبت دل میں ہوتی ہی نہیں۔ کیونکہ عجز ایز میں آگے دیگر است

نزل (۱۲)

۱	اے سیک نامے رک رکھ سید از دیار دوست	۱	اور دھڑ دھان ز خط مشکبار دوست
۲	خوش نمید بد نشان جلال جمال یار	۲	خوش میکند حکایت محرو و قار دوست
۳	جان جو ادش بجز وہ و تجلیت ہے برم	۳	زین نقد کم عیار کہ درم نشا دوست
۴	سیر و دور و وقت را چہ تیار	۴	در گردش اندر جسبخت تیار دوست
۵	شکر خدا کہ از مدد بخت کار ساز	۵	بر حسب بے عانت کار و بار دوست
۶	گر باو تر سہ ہر دو جہاں الہیم زند	۶	ماو خپانچ چشم و رگہاں دوست
۷	کمال تجاہد ہی بمن آراستہ سیم سج	۷	زان خالت بخت کہ شد رگہار دوست
۸	ماہم و ہستناہ عشق و سیر نیاز	۸	تا خواب خوش گمراہ داند گنار دوست

(۹) دشمن بقصد حافظ اگر دم زند چہ باک
منت خدا ہے کہ تم شرمسار دوست

(۱) ترجمہ۔ وہ نامور قاصد جو معشوق کے ملک سے آیا ہو معشوق کی مشکین خط سے جان کا تئوید لایا۔

را ترحم۔ دوست کے جلا اور کمال کا اپنا نشان چیتا ہے دوست کی عزت اور وقار کی پیمائش حکایت کرتا ہے۔

اسی ترحم۔ میں نے اس خوش خبری پر جان دی اور نام ہوں اس خالقِ حق و حقیقت پر قربان کی یہ تین شعر قطبہ میں ہیں۔ **حشر**۔ بالکسر۔ پناہ گاہ مضبوط جگہ مجازاً یعنی توبہ پیکٹ مورد مراد باد صلب ہے۔ کیونکہ خوشبو کو ایک جگہ سے دوسری جگہ دی لجا سکتی ہے۔ خواہ صاحب کہتے ہیں کہ باد صبا میرے معشوق کے خط مشکین۔ یہ خوشبو لائی۔ جو میرے لئے بمنزلہ حرز جان کے ہے۔ اگر خط کو یعنی دستخط لیا جاوے۔ تو مطلب یہ ہوگا۔ کہ قاصد معشوق کے مشکبار خط کا ایسا نمیرے پاس لایا جسکو میں بمنزلہ توبہ سمجھتا ہوں۔ حرز اور خط کی لطافت ظاہر۔

بعض بزرگوں کا خیال ہے۔ کہ یہ پیکٹ مورد حضرت جبرائیل علیہ السلام ہے۔ اور حرز جان سے مراد قرآن کریم ہے۔ اس تعبیر میں کسی کو کچھ اعتراض نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ دوسرا شعری اس تعبیر سے مطابقت رکھتا ہے۔ جہاں نشانِ جلال و جمال سے مراد محبوبِ حقیقی کی شانِ جمالی اور شانِ جلالی کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے۔ خداوند تعالیٰ کی تمام وہ صفات جو غلو و مغروریت، حکمِ سداقت و رجحان، سلو بیت، رزاقیت وغیرہ کے متعلق ہیں اس کی شانِ جمالی میں شامل ہیں اور تمام وہ صفات جو اس کی قدرت، انتقام، عقاب جباری اور قہاری وغیرہ کے متعلق ہیں اس کی شانِ جلالی کہلاتی ہیں۔ خداوند تعالیٰ کی ان صفات کا کلام الہی میں مفصل ذکر ہے۔ اس کی عزت و وقار۔ استغناء۔ غنا اور کبریائی کا ذکر بھی فرقانِ مجید میں پایا جاتا ہے۔

صرف عاشقانہ رنگ میں اگر ان اشعار کو لیا جائے۔ تو یہی مطلب صاف ہو کوئی وقت پیش نہیں آتی خواجہ صاحب یہ کہتے ہیں کہ اس بشارت اور خوشخبری کے غرض میں نے اپنی جان اس کو قربان کی مگر نقد جان ہی کوئی اتنی بڑی قیمتی چیز نہیں۔ اس لئے تادم ہوں کہ میں کچھ نہ کر سکا۔ عیا یعنی چاشنی زرق ویم حرز غالب کہتے ہیں۔

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی۔ | حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہو

وہم ترحم۔ آسمان کی حرکت اور چاند کی گردش کا کیا اختیار ہو دوست کے اختیار کو مطابق گردش کر رہے ہیں۔

مشہور ہے کہ دنیا میں جس قدر انتساب ہوتے ہیں۔ وہ سب آسمان کی گردش و باقی اجسام فلکی کی حرکت کے واسطے ہیں۔ خواجہ صاحب اس شرکت کی اس طرح تردید کرتے ہیں کہ یہ ایمان اور چاند و قمر سے زمان میں اور تیری حرکتی کے مطابق حرکت کر رہے ہیں تو انکا کیا اختیار ہے۔ اور واقعات پر ان دو انار۔ بڑ۔ ان القوتہ للذکر جمیعاً (بزرگوں کا) الشمس والقمر بحسبان (رجل)

چرخ کو کب یہ سیدہ ہے تم گاری میں | کوئی معشوق ہے اس پر ذہن گاری میں
(۵) ترجمہ۔ خدا کا فکر ہے۔ کہ اچھے نصیوں کی مدد سے دوست کا تمام کاروبار ہمارے مذکورہ مطابق یہاں شاعر خدا کا شکر یہ ادا کرتا ہے۔ کہ معشوق کے تمام کام اس کے سبب عامور ہیں۔ اور حقیقت یہی ہے۔ کہ نظام عالم کا تمام سلسلہ انسان کی ضروریات کے مطابق چل رہا ہے۔
شیخ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

اے باد و مہ و نور شید و فلک کار آمد | انا تو تانے بخت آری و غفلت بخوری
ہو الذی خلقکم مافی الارض جمیعاً ثم استوی الی السماء فتوہن سبع سموات (بزر یعنی خدا نے جو کچھ دنیا میں ہے۔ تمہارے لئے پیدا کیا۔

ان فی خلق السموات والارض اختلاف السبل والنہار والفلک الہی تجربی فی البحر بما ینفع الناس وما انزل اللہ من السماء من ماء فاحیا بہ الارض بعد موتہا وبت فیہا من کل مائتہ وتصرف الریاح والسحاب لمسخرین السماء والارض لایات لقوم یعقلون۔ (سورہ قمر کوہ ۷۰ یعنی زمین اور آسمان۔ اختلاف سبل و بہار۔ دریا اور بہار۔ پانی بادل اور ہوا تمام تمہارے قائم کی لئے ہیں۔

(۶) ترجمہ۔ اگر فتنہ نہ کی ہوا و نوجہانوں کو درہم برہم کر دے۔ تو ہی ہم اور ہماری آنکھوں کا چراغ و دوست کے انتظار میں راہ پر ہو گا۔
اگر فتنہ کی آندہ ہی دونوں جہانوں کو درہم برہم کر دے۔ تو ہی ہم اپنی آنکھوں کا چراغ لیکر معشوق کی انتظار میں رہیں۔ چنانچہ جہان کا آئینہ ہی کے سامنے تصویر نامعلوم۔
(۷) ترجمہ۔ اے نسیم صبح متوہن کا سر میری پاس لائے خوش نصیب مٹی سے جہان سے معشوق گزرا ہے محل الجواہر۔ متوہن کا سر مہ۔

عاشق ہمیشہ معشوق کے رہنمائی کو سرسہ پہلے میں اور اسے اپنی آنکھوں میں لگانے کے
مشتاق ہوتے ہیں۔ عارف جامی کہتے ہیں۔

باوٹل سیم مشکسہ لبش ناز جان فترا | خاکش بود کل جلا در دیدہ الہ

نیز کہ جو شکرانہ ہے وقت نیک۔

(۸) ترجمہ۔ ہم ہیں اور استغاثہ عشق اور سیر نیاز و یکہی۔ خواب خوش کسکو معشوق کے کنار
میں لے جائے۔

خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ ہم نے استغاثہ عشق پر اپنا سیر نیاز رکھا ہوا ہے۔ اور منتظر ہیں
کہ خواب خوش کس کو کنار دوست میں پہنچائی ہے۔

(۹) ترجمہ۔ دشمن اگر حافظہ کے نقصان کا ارادہ کرے تو کیا ڈر۔ الحمد للہ کہ میں دوست
کا شہر ہمارے نہیں ہوں۔

اگر دشمن میرے قتل کا ارادہ کرتا ہے۔ تو کیا ڈر ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ میں دوست ہی
مستندہ نہیں ہوں۔

غزل (۱۵)

۱	زلفت ہزار ذل یہ کیے تار مو بہ بے بست	۱	ران ہزار چارہ گراز چار سو بہ بے بست
۲	تا عاشقان ہوئے ششیمش دہند جان	۲	بکشت و نافہ و درجہ کمرز و بہ بے بست
۳	شید ازاں شدم کہ نگارم چو ماہ نو	۳	ایرو نو و دوجلوہ گری کر و رو بہ بے بست
۴	ساقی بچہ درنگ مے اندر سالہ رنجیت	۴	میں نقش مانگر کہ جہ خوش در کدو بہ بے بست
۵	یار ب چہ سحر کرد مرا جی کہ خون تم	۵	با تمہارے قلقلش اندر گلو بہ بے بست
۶	داتا چو دید بازی این چرخ ختمہ باز	۶	ہنگامہ باز پیدا در گفتگو بہ بے بست
۷	مضطرب چہ تمہ ساقی کہ در پردہ کای	۷	بر ازل و حید و حال در ہاؤ ہو بہ بے بست

(۸) حاکم نے ہر آنکہ عشق نور زید و صلح خواست
(۹) اجرام طوون کعبہ ول بے وضو بہ بست

(۱) ترجمہ - تیری زلفت نے ہزاروں دل ایک بال سے پائے ہوئے اور تمام چہرے گروں کا راستہ تمام طرف سے بند کر دیا۔

تیری زلفت نے ہر ایک بال کے ساتھ ہزاروں دل باندھے ہوئے ہیں اور تمام دانا اس بات میں حیران ہے کہ اس کا کیا علاج کیا جائے عشق لا علاج ہر چارہ اور چار کی غولی ظاہر (۲) ترجمہ - تاکہ عاشق شہی خوشبو پر جان دیدیں نافہ کہولا اور آرزو کا دروازہ بند کر دیا۔

معشوق نے نافہ کہولا ہے۔ اور آرزو کا دروازہ بند کر دیا ہے۔ یعنی اپنی صفات کا اظہار کر کے عاشق کے دل پر قابو پایا ہے۔ اور اسی طرح ان کو ان کو آرزو مند کرنے کے پھر در مقصود ان پر بند کر دیا۔ گویا غرض یہ ہے۔ کہ عاشق اس کی خوشبو پر ہی جان دیدیں۔

(۳) ترجمہ - میں اس واسطے دیوانہ ہوا کہ میرے معشوق نے ہلال کی طرح ابرو دکھایا جلوہ گری کی اور پھر منہ چھپا لیا۔

شہیدا - آشفته - دیوانہ پریشان حال - ماہ نو - یعنی ہلال - ہلال کا قاعدہ ہے۔ کہ صرف تھوڑی دیر کیلئے ظاہر ہو کر پھر چھپ جاتا ہے۔ ہلال کی شکل ابرو سے مشابہ ہوتی ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ میرے معشوق نے صرف ابرو دکھایا جلوہ نمائی کی اور پھر منہ چھپا لیا اس سبب میں پریشان اور دیوانہ ہو رہا ہوں۔

دیدار سے نمائی و پرہیز مے کنی | بازار خویش و آتش باتیز مے کنی

محبوب حقیقی نے میری اپنی صفات کا کچھ ظہار کر کے اپنی ذات کو محض ایک معما بنا کر رکھا ہے۔ اور دنیا کو اپنے عشق میں دیوانہ کیا ہوا ہے۔

راہم ترجمہ - ساقی نے کتنوں کے ساتھ پیالہ میں شراب لی لفتش دیکھو کہ کدو میں کبھی پھونکا تو میں مطلب ہے۔ کہ معشوق مطلق نے کائنات کی خلقت میں اس قدر رنگ آمیزی کی ہے۔ کہ عالم کثرت و تعینات کے لفتش و نگار کی کوئی حد ہی نہیں رہی۔ ظاہر ہے۔ کہ صانع حقیقی نے دنیا میں کتنی مختلف اقسام کے حیوانات نباتات اور جمادات پیدا کئے۔ اور ہر ایک میں رنگ و بو شکل و شبہات اور خلق و خوی کا کتنا عظیم فرق ہے۔ کہ دو جام و مراجمی کے کام آتا ہے۔ یہاں مراد آسمان لیجئے مکنی ہو۔

(۵) ترجمہ - اے خدا مراجمی نے کیا جادو کیا۔ کہ خون خم (یعنی شراب) نغمہ ہائے قتل کے ساتھ

اس کے گلے میں بند ہو گیا۔

قلقل اس آواز کو کہتے ہیں۔ جو صراحی کے منہ سے شراب نکلتے وقت پیدا ہوتی ہے۔ چونکہ صراحی کا حلق تنگ ہوتا ہے اسلئے شراب ٹھک ٹھک کر نکلتی ہے۔ گویا بند رہتی ہے۔ مطلب یہ ہے۔ کہ آواز قلقل کے باوجود شراب صراحی کے گلے میں لپکتی ہے۔ یعنی عارف سالک اگر تپہ مخیتہ پر پہنچتا ہے اور اس کا حلق نغمہ ہائے راز و اسرار سے قلقل کر رہا ہوتا ہے۔ پھر یہی راز عشق اسکا اندر بند رہتی ہیں اور پورے طور سے اور وضاحت سے ظاہر نہیں ہوتے غیب بات ہے۔

ہن اعرف ربہ کل لسا ذر۔

(۶) ترجمہ۔ دانا نے جب ہمارا آسمان کی بازی دیچی اپنا بساط اٹھالیا اور گنگو کا دروازہ بند کر لیا حقہ۔ ڈبیہ جس میں جواہرات وغیرہ رکھتی ہیں۔ حقہ باز۔ بازگیر۔ ملاری۔ یہاں مجازاً عیار و مکار صیگر۔ ہنگامہ باز چپیلن۔ یعنی اپنی بساط اٹھالینا۔ کھیل بند کر دینا۔ دانا آدمی جب آسمان کی حیلہ گری کو بھیتا ہے۔ تو اپنی بازی بند کر دیتا ہے اور چپ ہو چکا ہے۔ کیونکہ عیار اور مکار آدمی کے ساتھ بازی لگانا سراسر نقصان کا موجب ہے۔

(۷) ترجمہ مطرب نے کیا نغمہ سرائی کی کہ سماع کے پردہ میں اہل وجد و حال پر ہائے وہو کا دروازہ بند کر دیا۔

وجد و حال۔ وجد بمعنی اندوگین ہونا۔ شیغہ ہونا۔ اصطلاح میں صوفیوں کے اس ذوق و شوق کی حالت کو کہتے ہیں۔ جو ان پر بوقت سماع طاری ہو جاتی ہے۔

اہل وجد و حال کا ہائے وہو کو نامشہور۔ مگر خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ حیران ہوں۔ مطرب نے یہ کہیں نغمہ سرائی کی ہے۔ کہ سماع کی بوقت اہل وجد کی ہائے وہو ہی بند ہو گئی لفظ پردہ کا تعلق در سے اور بصر سماع سے خالی از لطف نہیں۔

(۸) ترجمہ لے حافظ حیرانی نے عشق اختیار نہ کیا اور وصل چاہا اس نے گویا کھیل کا احرام باغ ہاگر بے وضو۔

خواجہ صاحب نے یہاں اکبر بن اصول کی تعلیم دی ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ جو آدمی بغیر کوشش اور حجب و حیل کے اپنا مقصود حاصل کرنا چاہتا ہے وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ بغیر ریاضت

اور مجھ سے کہ حصول مدعا کی امید خیال محال ہے۔

فہرہ دیا ہے صاف کتاب مجید میں

قسمت میں آدمی کی بجز ماسعی نہیں

خواجہ صاحب باوجود جبری ہو نیکی کے ترک عمل کی تعلیم نہیں دیتی اور ایسا کرنا صاف نفسانی

کے خلاف ہے۔ خواجہ صاحب ان بزرگوں میں سے ہیں جو باوجود اس یقین کے کہ انسان کی تمام کمزوریاں

وسکناات دست قدرت میں ہیں اس اصول پر نہایت سختی سے کاربند ہیں کہ انسان کو سعی لازم ہے

اور فی سببی کے امید مفاد محض جنوں۔ یہاں خواجہ صاحب نے اس قطعی اصول کو نہایت اچھے پیرایہ

میں ظاہر کیا ہے۔ اور اپنے کلام میں اور ہی کئی جگہ اس اصول کی تائید کی ہے۔

نعل (۱۶)

۱۔ حبالے پر یکشتاں بے ہرغام دوست

۲۔ والہ و شیداستے اکم محمد بلبل قد قفس

۳۔ زلف او دام است و خال شہزادہ باجو مرغ

۴۔ ستر مسینی پر بگریز تا صبح روز شہر

۵۔ من تو تتم نامہ از شرح حال خود لے

۶۔ میل من جو وصال قصد او سو ذرا ق

۷۔ گرد ہر دستم کشم در دیدہ بچوں تو تیا

۸۔ حافط اندر دروغ نمیسوز و باد زمان مساز

۹۔ زانکہ در مانے ندارد در دلی در مان دوست

(۱) ترجمہ۔ حبالے قاصد عاشقان معشوق کا پیغام دے تاکہ میں محبت سے جان معشوق کے نام

پر قربان کروں۔

مترجم۔ عرب میں مہمان کی تعظیم کیلئے یہ لفظ بولتے ہیں۔ مترجم یعنی فرار ہونا۔ اصل میں

اس طرح ہے احب کمال دلا مر حبا یعنی میری لگو کا ترانہ ہو گیا۔ فرخ ہونا
پیغام دوست کی خوشی میں جان دیدے کیلئے۔ دیکھو شعرت لکھا

(۲) ترجمہ۔ پھرے کی لیل کی طرح ہمیشہ شیفہ اور مفتون ہو میری طبیعت کی طوطی معشوق کو
شکر اور بادام کے لئے۔

والہ۔ کبر لام۔ عربی لفظ ہے۔ شیفہ۔ عشق میں گمشدہ مثنوی

شکر سے مراد لب اور بادام سے مراد چشم۔ طوطی اور شکر بادام کا شوق مشہور۔

(۳) ترجمہ۔ اسکی زلف عبال ہو۔ خالانہ اور ہم مرغ کی طرح دانے کی امید پر معشوق کے
جال میں جا بھٹنے

مرغ دل کی آستاری کیلئے شاعر اکثر معشوق کی زلف کو دام اور اسکے خال کو دانہ کی تشبیہ کرتا ہے

خال تو دانہ دانہ زلف تو دام دام

(۴) ترجمہ۔ صبح قیامت تک سر نہ ہٹاؤں تیری نہیں اٹھاؤں گا وہ آدمی جس نے میری طرح عشق دوست
کا جام ازل کو پی لیا۔

ازل سے مراد روز میناق حقیقت یہ ہے کہ جام است کا نشہ اب تک بکھیرا ہے اور روز خستہ

باقی رہے گا۔ دیکھو شعر لکھا وقت لکھا

(۵) ترجمہ۔ میں نے اپنے حال کے بیان میں خط لکھا۔ مگر اس سے زیادہ معشوق کو بلول کرنا

باخت سرد روی ہو گا۔

ابراہم۔ بلول کرنا۔ ہتوار کرنا۔ خواجہ صاحب فرماتا ہے کہ میں نے خط میں اپنے درد دل اور

شوق کا حال لکھا ہے۔ مگر بفضل نہ لکھ سکا۔ کیونکہ اس سے زیادہ لکھنا معشوق کیلئے موجب تصدیق نہ ہوتا

(۶) ترجمہ۔ میری رغبت وصال کی طرف اور اس کا ارادہ فرقت کا ہے میں نے اپنے مقصد

کو چھوڑا تاکہ دوست کی مقصد برآئی ہو۔

اس شعر میں بھی خواجہ صاحب نے تسلیم و رضا کی طرف اشارہ کیا ہے اور کہتے ہیں کہ میں نے سب

کام معشوق کی رضا پر چھوڑ دی ہیں گرجہ نظام اسکی رضا میرے مقصود کے برخلاف نظر آتی ہے۔ مگر

فی الحقیقت میرے فائدہ کے لئے ہے

(۷) ترجمہ۔ اگر مل جائے تو انجمنوں میں ہر مہ کی طرح لکھاؤں میں سے کسی کو جس کو عشق کے قدروں کا شکر دلا ہو۔

اسی مضمون پر دیکھو شعر ت لکھا۔

(۸) ترجمہ۔ اے حافظ درد و غم میں صبر و عافیت کا خیال نہ کر کیونکہ عشق کے بے علاج درد کی کوئی دوا نہیں۔

خواجہ صاحب کہتے ہیں کہ درد و عشق کا کوئی علاج نہیں۔ اس لئے تو علاج کا فکر نہ کرو اور اس درد و غم کو برداشت کر۔ سع۔ درد و است درد و عشق کہ درماں پدید نیست پہلے مصرع میں سوز و ساز کی ترکیب اور دوسرے مصرع میں حروف دال کی کثرت خواجہ صاحب کی قادر الکلامی پر دال ہے۔

غزل (۱۷)

۱	آیا خیر نسا۔ یہ کہ از راہ خطا رفت	۱	آن ترک پرچہ کہ دوش از بر بار رفت
۲	کس وقت مائیت سے از دیدہ چہا رفت	۲	تار رفت مرا از نظر آن چشم چہا رفت
۳	آن درد کہ از سوز جگر بر سر ما رفت	۳	بر شمع ز رفت از گذر آتش جان ہو رفت
۴	سیلاب شکست و طوفان بلا رفت	۴	دور از رخ تو دمدم از گوشہ چشم رفت
۵	درد و دمانیم چو از دست و ا رفت	۵	از بایں قنادیم چو آمد شب سیرا رفت
۶	عجاست کہ محرم ہمہ در کار و عسار رفت	۶	دل کوئی و صائش بن عایا ز نوا رفت
۷	درعی چہ کو شیم کہ از مر و و عفا رفت	۷	احرام چہ بندیم کہ آن قبلہ نہ ایرجاست
۸	ہمہاں کہ رد تو قانون شفا رفت	۸	دی گفت طلبیب از مرستہ چو مراد دید

۱۷ دست پر سیدن حافظ کے نہ
زان پیش کہ گویند کہ از و ا رفت

(۹)

(۱۰) ترجمہ۔ وہ پرچہ جو عشق کو مل گیا ہے جو جہاں ہو گیا ہے کیا خواجہ کی کہ شہناز راہ پر چہا گیا۔

خطا یا جفا۔ نام نہرا میں ترکستان و چین و توران و ترکستان خطایں معشوقان خطا
مشہور و کچھو مشہور ہے
خواجہ صاحب کا کلام مستلحہ ہے۔ مگر تجنیس نام اور تجنیس ضعیف وغیرہ بالخصوص کثرت
سے موهو۔ اگرچہ کوئی بھی کہہ سمجھا جائے۔ تو یہ معنی ہوں گے کہ کیا ہماری کسی غلطی پر چلا گیا یا غلطی
سے چلا گیا۔

(۱۶) ترجمہ۔ جب سے چشم جہاں میں میری آنکھوں سے دور ہو کسی کو علم نہیں کہ ہماری آنکھوں سے
کیا کچھ گیا۔
چشم جہاں میں۔ جہاں کو دیکھنے والی آنکھ۔ آنکھوں کا نور چھپا۔ یعنی شہر الفناء
برائے مہمانانہ۔

مطلب یہ ہے۔ کہ جب سے میرا معشوق میری آنکھوں سے دور ہوا۔ میری آنکھوں کو سیلاب
اشک جاری ہے۔
(۱۷) ترجمہ۔ شمع پر جہاں سوز آگ کا اتنا اثر نہ ہوا۔ جتنا دھواں ہمارے سوزِ جگر کی وجہ سے ہمارے
سے تک چڑھا۔

خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ شمع ہی اگرچہ جلتی ہے۔ اور وہ آگ ہی جہاں سوز ہے۔ مگر ہمارے
سوزِ جگر کے مقابلہ میں وہ کچھ شے نہیں۔ اس کی آگ کا اتنا دھواں نہیں اٹھا جتنا ہمارے سوز
جگر سے شمع تو خیر شاعر اپنی آتشِ دل کو آتشِ جنم سے ہی تیز تر بتایا کرتے ہیں۔
اگر پہلے مصرع کو مطابق نسخہ ثانی پڑھا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ شمع پر آتشِ دل کا اتنا اثر نہ ہوا
جتنا کل۔ الخ

(۱۸) ترجمہ۔ تیرے رخ سے دور ہو کر میری گوشتِ چشم سے ہر وقت۔ آنسوؤں کا سیلاب آتا اور بلا کا
طوفان جاتا رہا۔

دور از رخ تو۔ دعائیہ فقرہ ہی ہو سکتا ہے۔
دور سے مصرع میں ضرورت بہت فصیح ہیں۔ دونوں کے معنی ایک ہیں یعنی آنکھوں سے
(۱۹) ترجمہ۔ جب شب تیراں آئی۔ تو ہم یہ حال ہو گئے کہ میں مبتلا رہا جب ہاتھ سے دو ٹکڑے

یعنی شب و رات کے آگے پر ہم میکار و رخصتہ حال ہو کر اور چھوڑا ہمارے ہاتھ سے نکل چکی تھی۔ اس لئے درد میں ہی مبتلا رہے۔ دوائے مراد معشوق کا دیدار سح -

درد مستعدے عشق را دار و بحر دیدار نیست

دست و پا آمد و رفت اور فتادیم اور بمانیم کے اشتغال کی معلوم ہو رہا ہے۔ کہ خواجہ صاحب کو الفاظ کے انتخاب اور بندش میں کس قدر دسترس ہے۔

(۶) ترجمہ - دل نے کہا اس کا وصال دعا سے حاصل ہو جائیگا۔ اس کی دولت ہوئی کہ یہ اتنی قیمت دعا میں ہی صرف ہو رہا ہے۔

عمر و عمر کی لطافت ظاہر نہیں ہے۔

(۷) ترجمہ - ہم احرام کیا یادیں کہ وہ قبلہ ہاں نہیں۔ ہم کیا کوشش کریں کہ وہ مروتہ اور صفائے ہی آگے نکل گیا۔

مروتہ و صفائے یعنی مروتہ و صفائے عرب میں خانہ کعبہ کے دروازے کے متصل دو پہاڑیوں کا نام۔ جن کے درمیان حج کے دن دوڑنا اہل اسلام کے نزدیک کمال کا عمل ہے۔

سعی - کوشش (۸) حج کے ایک کمر کا نام ہے۔

احرام - اپنے اور بعض مساجد پر تلبیہ پڑھ کر، خاکہ کعبہ کی زیارت کے چند روز پہلے حرام کر لینا مجازاً ان دو ناودختہ چادروں کا نام جو ایام احرام میں بطور تہ بند اور چادر استعمال ہوتی ہیں خواجہ صاحب نے یہاں تقویٰ کا ایک مشہور نکتہ بیان کیا ہے وہ یہ ہے کہ اگرچہ ہم کعبہ کی طرف متوجہ ہو کر نماز ادا کرتے ہیں اور حج کعبہ ہی مسلمانوں پر فرض ہے۔ مگر فی الحقیقت کعبہ ہمارا معبود نہیں۔ اور نہ ہی ہمارا معبود کعبہ میں ہے۔ اہل وطن کے لئے قبلہ قبلہ نہیں۔

سپہ پستہ حسیہ از رکاب تر پناہ بخور

صوفیائے کرام کے نزدیک انسان کا دل صلی کعبہ ہے۔ جہاں محبوب حقیقی کا اصل قیام ہے۔

کعبہ بگاہ خلیل آزر است

مولانا جلال الدین رومی نے اسی مضمون پر کہا ہے۔

آن کہ سب سے بزرگ در کعبہ زویدند

یہوں عاقبت الامر مقصود رسیدند

<p>از سنگ کے خانہ اعلیٰ ہے مگر رفتند درو تاکہ یہ بیتند خدا را چون متکلف خانہ شدند ارسنتی لے خانہ پرستان پیوستند گاو سنگ آں خانہ دل خانہ حق واحد مطلق خوش وقت کسانیکہ چو شمس الحی تبریز</p>	<p>اندر وسط و ادنیٰ بنے زرخ بیدند سیار بہ بیتند خدا را نہ بیدند ناگاہ خطابے ہم از آن جہان شنیدند آں خانہ پرستید کہ حاصل طلبیدند خوش وقت کسانیکہ در آن خانہ فریدند در خانہ نشستند و بیاباں نہ بریدند</p>
<p>(۸) ترجمہ۔ جس جیبہا۔ یہ تہہ۔ یہ تہہ و کجا نوشتہ ہو گیا کہ اس تہہ میں رہنے والے کی جہان پرست قانون شفا۔ یعنی شفا کا علم۔ علم طب۔ شفا اور قانون دو کتا بوں کو نام ہی ہیں جو علم طب میں حکیم بوعلی سینا کی تصنیف سے ہیں۔ خواجہ صاحب کا انتخاب الفاظ یہ جگہ قابل تہنیت ہے۔ زور قلم۔ یہ کہہ کہ کوئی شعر خالی نہیں۔ جہاں الفاظ کی یہ رعایت اور صنعت موجود نہ ہو۔</p>	<p>(۹) ترجمہ۔ اے دوسرے، حافظ کی بیماری کیلئے قدم رنجہ فرما دینا نیز اسکا کہ لوگ کہیں کہ وہ دنیا سے چل بسا۔</p>
<p>بہم رسیدہ جاہم تو بیکہ زندہ مانم</p>	<p>پس از آن کہ من نہ مانم بیکہ جاہم ہی نہ</p>
<h2 style="text-align: center;">غزل (۱۸)</h2>	
<p>۱ منم کہ گوشت و میخانہ خاقانہ من است ۲ گرم دہانہ چنگ و صبور نیست چہ باک ۳ ز بادشاہ و گدازادہ ہم یک جہاں است ۴ غرض من مسجد و میخانہ ام وصال تھا مست ۵ مرا کہ نے تو بادیان ز سلطنت خوشتر ۶ مگر تیغ اجل خیمہ بر من ورنہ ۷ از آن ماں کہ بر آن آستان نہاد رو</p>	<p>۱ وعائے پیر مغاں و در صبح گاہ من است ۲ تو اے من بجز آہ غم نہ دہانہ من است ۳ نہ بادشاہ و گدازادہ دوست یا دشمن من است ۴ جہاں میں خیال نہادم خدا گواہ من است ۵ کہ غزل جو رہتے تھے تو عمر و جہاں من است ۶ زمین از در و دولت نہادم و راہ من است ۷ غزل از مسند نور شکیبہ گاہ من است</p>

(۸)	گناہ اگرچہ نبود استیاریا حفوظ تو در طریق ادب کوش و گو گناہ نیست	(۸)
<p>(۱) ترجمہ میں ہوں کہ گوشتہ بخانہ میرے لئے خافقہ ہے پیر مغال کے حق میں دعا کرتا مسیحا صبح کا ذکر ہے۔</p> <p>خافقہ مشائخ اور درویشوں کی رہنے کی جگہ معرب خالقاہ۔</p> <p>(۲) ترجمہ۔ اگر میرے پاس ترانہ چنگ اور شراب صبح نہیں تو کیا پڑھو کیونکہ صبح کی وقت مسیری عذر خواہ آہ ہی سیرا ترانہ ہے۔</p> <p>چنگ۔ ایک از جگہ سر جکا ہوا ہوتا ہے۔ سرنگی۔</p> <p>خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ اگرچہ میرے پاس شراب صبح نہیں اور نہ ہی چنگ کی آواز ہی بچے کیا پڑے۔ کیونکہ صبح کی وقت جو آہ بطور عذر تاداری و نگہ کاری مسکرتہ سے نکلتی ہے۔ وہی میرا ترانہ اور اور سرود ہے۔ مطلب یہ ہے کہ لوگوں کو تو اپنی عبادت پر بھروسہ ہوگا۔ مگر بچہ عبادت پر کوئی بھروسہ نہیں صرف اپنے قصور کا عذر آہ ہے۔ جو بطور آہ ظاہر ہوتا ہے۔</p>		
بندہ ہماں بہ کہ نقص خویش ورن سزاوار خداوندیش	(۹)	
عذر بدر گاہ خدا آورد کس نتواند کہ بجب آورد	(۱۰)	
عذر نقص خدمت آورد سہامیاں اگر گناہ تو کہیند	(۱۱)	
عذر کی درگاہ پر چینی عجز و اغت ترافت گناہ کی قدر ہے۔ اتنی اور کسی شے کی نہیں۔	(۱۲)	
موتی چھب کے شان کریمی را چن بڈ قطرے جو تھے مراے عرق الفحال کو	(۱۳)	
خواجہ صاحب کو عبادت کے زور و شور کی نسبت اتنی آہوں پر زیادہ اعتبار ہے۔	(۱۴)	
عقل سلج شیخ اگرچہ مقبول است آہ ورد آلود رنداں را مہول بچہ است	(۱۵)	
عمر حیات نے بھی ایسی مضمون پر کہا ہے۔		

از طاعت ز اہل سالوسن است	ہر نالہ کہ رندے بجز گاہ ز تند
<p>اسی مضمون کے لئے دیکھو شعر تالیف -</p> <p>(۳) ترجمہ - میں بادشاہ و گدا سی فانی ہوں خدا کا شکر ہے دوست کی خاک گدا میرا بادشاہ ہے مطلب یہ ہے کہ معشوق کو آستان کے غلاموں کا غلام ہوں - دنیا کی امارت یا مفلسی میری آنکھوں میں کچھ چیز نہیں -</p>	<p>(۴) ترجمہ - مسجد اور خانہ سے میری غرض صرف تیرا وصال ہے یہ سوائے اسکے میرا اور کوئی خیال نہیں - خدا گواہ ہے -</p>
<p>یہ بھی تصوف کا ایک مشہور اصول ہے کہ اگر عاشق رو و ریا ہو کر سچے دل سے خدا کا طالب ہے تو اس کے لئے مسجد و دیر ایک چیز ہے - ورنہ سے اپنا مدعا حاصل کر سکتا ہے - اور اگر دل میں صفائی نہیں تو نہ مسجد سے اور نہ خانہ سے اس کو فیض کی امید ہو سکتی ہے - دیکھو شعر دہلیہ</p> <p>لا محمد بعد اشرف نے اسی مضمون پر کہا ہے - اور خوب کہا ہے -</p>	<p>بے کھچہ دیر و مسجد و خانہ محاسب</p> <p>کہ خطیب بیچوئے دوست تو اہل ریا ہو کر آتیا</p>
<p>حکایت - علامہ ابوالفضل نے ایک معبد خانہ بلا امتیاز مذہب ملت عبادت کے لئے ڈال (کشتیر) کے نزدیک بنوایا تھا - اور یہ رباعی دروازہ پر کندہ کرائی -</p>	<p>اے حکمت را دل عشاق نشانہ</p> <p>گاہ مستحق مسجد و گاہ ساکن دیرم</p>
<p>خلقے بتو مشغول تو غائب میمانہ</p> <p>یعنی کہ تیرے طلبم خانہ بختانہ</p>	<p>(۵) ترجمہ - میرے لئے تیرا گدا ہونا بادشاہی سے اچھا ہے - کیونکہ تیرے جو رہنما کی نلت میرے لئے عزت اور تہیہ ہے -</p>
<p>وہی خیال ہے - جو غزل ہذا کے شعر نمبر (۳) میں ہے -</p>	<p>(۶) ترجمہ - ہاں اگر موت کی تلوار سے خمیہ کہاؤ دوں تو خیر ورنہ اس طرح تو در معشوق ہو جانا مسیر اطریقہ نہیں -</p>
<p>مطلب یہ ہے کہ جب تک جان تن پر باقی ہے معشوق کے دروازہ سے نہیں سٹونگا - کیونکہ ترک عشق میرے مذہب میں روا نہیں - اسی مضمون کیلئے دیکھو شعر تالیف -</p>	<p>وہی خیال ہے - جو غزل ہذا کے شعر نمبر (۳) میں ہے -</p>

(۷) ترجمہ۔ جس وقت سو میں اس استان پر منہ رکھا۔ سورج کو گنبد کی بلندی میں رکھ دیا۔ مطلب یہ کہ جب سے میں نے عشق اختیار کیا ہے اور اپنے آپ کو معشوق کو دروازہ کی خاک بنا دیا ہے۔ اس وقت سو میری عزت زیادہ ہو گئی ہے۔ اور میرا رتبہ نہایت عالی ہو گیا ہے۔ (۸) ترجمہ۔ اے حافظ اگرچہ گناہ ہمارے اختیار میں تھا۔ تاہم تو طریق ادب میں پیش کر اور کہو کہ گناہ میرا ہے۔

مسئلہ جبر و اختیار پر شعر الف ۲ میں اجمالاً لکھا جا چکا ہے۔ اسلئے اسکے اعادہ کی یہاں ضرورت نہیں خواجہ صاحب اس شعر میں ہی انسان کو مجبور ہونے پر زور دیتے ہیں۔ مگر ساتھ ہی ہم یہ بھی کہہ دیا ہے۔ کہ ہمیں ہمیشہ طریق ادب میں رہنا چاہیئے۔ اور یہی کہنا چاہیئے کہ گناہ ہمارا ہے۔ جبر و اختیار کی تمام بحثوں کا خواہ وہ مذہبی سچوں ہوں یا علمی طرز میں تجویزی ہے کہ انسان مجبور ہے۔ مگر اسکو اس قدر عیاں نہیں ہونا چاہیئے کہ خود کو بالکل بری الذمہ قرار دے دیو کیونکہ اس میں مذہبی اور سوشل قواعد کے قیود کی پابندی بالکل نہیں ہوتی۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ آدمی گناہ کو اپنی ساتھ منسوب کرے خواجہ صاحب نے یہاں اس زمر میں صوفی تعلیم دی ہے اور کہا ہے کہ اگرچہ ہمارے تمام فعل قادر مطلق کے ہاتھ میں ہیں۔ نیکی بدی اسی کے اختیار میں ہے۔ اور اس کی رضا کے بغیر ایک پتہ ہی حرکت نہیں کر سکتا۔ تاہم گناہوں کیلئے اپنے آپ کو ذمہ دار رکھنا چاہیئے۔ ان سے بچنے کیلئے خدا سے دعا مانگنی چاہیئے۔ اور ان کے سرزد ہونے پر افسوس کرنا چاہیئے۔ اور توبہ کرنی چاہیئے۔

نغزل (۱۹)

۱	لعل سرانجین تشنہ لب لبین است	انہی دیدن اوداد جان کا رمن است
۲	نغمہ از آن چشم سیاہ باو خوشتر کان لہذا	ہر کہ دل برون او دید و در آنکار رمن است
۳	ساربان رخت بدروزہ مہر کان ہر کوہ	نشاہراہی است کہ منزل لہذا رمن است
۴	بندہ طالع تویشم کہ رن تحت وفا	عشق آں لولی ہر مست خریدار رمن است
۵	طبلہ غم طرکان و دھڑ	فیض یکتمہ ز بوی خوش طار رمن است

۶	کتاب گلزار نواز اشعار کھنکشا میں است	۷	باغبان مجسم زور و توشش مران
۷	فرگس از کہ طعیب دل بجا رن است	۸	نشرت فن و نگار از لایم فرمود

(۸) انکہ در طرغ غزل نکتہ بہ حافظ آمد
(۸) یار شیریں سخن نادرہ گفتار رن است

(۱) ترجمہ۔ لعل جو خون سے سیرا ہے۔ وہ بی میرے معشوق کی لبوں کا ششہ
اس کے دیدار کے لئے جان دینا میرا کام ہے۔

سیرا۔ ضد تشنہ۔ جو پیپ ز پانی سے۔ میر ہو۔
لعل۔ سرخ رنگ کا آبلہ یا پتھر ہوتا ہے۔ گویا لبوں سے سیرا ہوتا ہے معشوق کی لبوں
کو بوجہ آب اور رنگ کے لعل سے تشبیہ دیتے ہیں۔
شاعر کہتا ہے کہ اگرچہ لعل سیرا بخون ہے۔ مگر پتھر ہی وہ میرے محبوب کے لبوں کا مقابلہ
نہیں کر سکتا۔ کیونکہ ان میں آب اور رنگ اس سے تیز ہے۔
بعض شارح اس شعر کے معنی طرح کرتے ہیں کہ میرے معشوق کا لعل سیرا ہے۔ جو خون
کا ششہ ہے۔ گویا لعل سیرا اور خون تشنہ لبیہ کی صفتیں ہیں۔
(۲) ترجمہ اس آدمی کو معشوق کی سیاہ آنکھوں اور شرکانہ دل سے شرم آنی چاہیے جو کہ
معشوق کی دلربائی کو دیکھ کر ہی مبرا منکر ہو۔

مطلب یہ ہے۔ کہ معشوق کی سیاہ آنکھیں اور پیٹھیں سی دیں ہیں۔ کہ ان کو دیکھ کر ہر ایک
آدمی کو یقین ہو جانا چاہیے۔ کہ میرے معشوق کی قوت دلربائی بہت زبردست ہے اور میں نے
جودل ہارا ہے۔ تو مجبور ہو کر اب ہی اگر کوئی میرا منکر ہو تو اس کو معشوق کی سیاہ آنکھوں سے
شرم آنی چاہیے۔

(۳) ترجمہ۔ اے شہ بان اسبابِ روازہ کا طرفہ لہجہ کہ وہ پہاڑ کی چوٹی شاہراہ ہے
جس پر سیکر معشوق کی منزل ہے۔
منقلب صرف یہ ہے کہ اے ساربان جبر تو جانا ہی۔ ادم میرا معشوق نہیں۔ بلکہ وہ

اس رخ و سر کی طرف ہے۔ سارے اس پیاڑ کی چوٹی کی طرف چل۔ وہ وہاں ہے۔ اس شعر میں یہ اشارہ ہی ہے۔ کہ معشوق کی منزل گاہ ہوا رسید انوں پر نہیں۔ بلکہ دور و بلند اور دشوار گزار منازل کے طے کرنے کے بعد آتی ہے۔

(۴) ترجمہ۔ میں ان نصیبوں کا غلام ہوں کہ اس قحط و فاقہ میں۔ اس مست معشوق کا عشق میرا سر بیدار ہے۔

مطلب یہ ہے۔ کہ اس ناز میں جبکہ وفا کا نام ہی دنیا میں قائم نہیں رہا۔ میں اپنی خوش نصیبی پر نازان ہوں۔ کہ میرے معشوق کا عشق خود میرا طالب ہے۔

لفظ لولی کی تحقیق کیلئے دیکھو شعر الف ۱۲ یہاں معنی معشوق۔
(۵) ترجمہ۔ عطر گل کی بویہ اور اس کی بویہ افشاں و جہ میری عطار کی خوشبو کا تھوڑا سا فین ہے۔

طلبہ جھوٹا صندوق۔ درج۔ صندوق و طلبہ صہبائی پور و غیرہ کہ اجاں ہے۔
عجب سیر۔ ایک خوشبو جو صندوق گلاب اور مشک سے بنی ہے۔ شہ۔ تھوڑی سی خوشبو۔ ایک دفعہ سو گھنٹا۔

وہی خیال ہے۔ جو شعرت ہے اور شعرت ہے میں ہے مطلب ہے۔ کہ پہلوں میں لگے ہو
اسی کے فیض سے ہے۔ ورنہ من مہم غلام کہ ہستم۔

(۶) ترجمہ۔ اے باغبان باونسیم کی طرح مجھ کو اپنے دروازہ سے نہ ہٹا۔ کیونکہ
تیرے باغ کی رونق میرے سب آسوں کی وجہ ہے۔
نیم۔ باونسیم۔ خوشبو دار ہوا۔ گلزار۔ گل انار۔

آب گلزار اور انگ گلزار کی فصاحت ظاہر۔ باغ کیلئے یوں ہی پانی کی ضرورت ہوتی
ہے۔ جس کیلئے عاشق کے آسوں کے گل انار لاد۔ یہاں شاعر نے کثرت گریہ اور ساتھ ہی
خون گریستن کا کیا اچھا سین دکھایا ہے۔

(۷) ترجمہ۔ معشوق کی بویہ کا قند و گلاب کا شربت میرے لہو و جگر فرمایا۔ اس کی ترس
چشم نے جو کہ میرے دل تیار کی طیب ہے۔

نرمود کا قافلہ نرسن مطلب یہ ہے کہ معشوق کی چشم تیار ہے جو میرے دل بیا کی طلب ہے
میرے درد و دل کیلئے جو نسخہ تجویز کیا ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ معشوق کے تیرے لبوں کا بوسہ
لوں۔ ممکن ہے معشوق نے اشارہ چشم سے بوسہ کی اجازت دی ہو۔ خواجہ شاہب کا
ڈاکٹر اس نسخہ میں ایک جزد ہول گیا۔ جو شعر دہلے میں پھر پورا کیا۔

قند زخم با گل نہ علاج دل بہت | بوسہ چہ نہ یہاں میز بد شنائے چہند
(۸) ترجمہ۔ جس نے سوزل کوئی یہ حافظ کو یہ کہتے سکھایا۔ وہ میرا خوش گفتا شیریں سخن معشوق ہے
مشہور بات ہے۔ کہ شاعر کے کلام میں جب تک سوز نہ ہو۔ موثر نہیں ہوتا۔ اور جب تک
شاعر کے دل میں سوز عشق نہ ہو۔ کلام میں سوز نہیں ہوتا۔ اس لئے یہ کہنا بجائے کہ شاعر کا غزل
گوئی میں استاد اس کا معشوق ہوتا ہے۔

غزل (۲۰)

۱	روزگار سیت کہ سودا بنان دین من بہت	۱	نغمہ اس کی کار شاہ اول انگلیں من بہت
۲	دیدن بے تڑا دیدہ جان سے بایں	۲	وہیں تجا مرتبہ چشم جہاں دین من بہت
۳	تاہر عشق تو تسلیم سخن کیوں گفت	۳	خلق را در تیراں سخن من بہت
۴	دولت خفا یا بلین از زانی دار	۴	لکھن میں بہت سے سیمت و ملکین من بہت
۵	واعظ محکم شہناں اس کی عظمت کو معروض	۵	زانکہ منزل سلطانی مسکین من بہت
۶	یار بایں کوئے مقصود زیارت گسیت	۶	کہ خیالان طریش کا و نسیرین من بہت
۷	یار ناباش کدرب فکر و نیت دہر	۷	از مہرے تو و اشک چہ پرین من بہت

(۸) حافظ از حسرت پرویز در قصہ مخوان
کہ لبش جبر کشش خمر و شیرین من بہت

(۱۱) ترجمہ۔ ردت ہوئی کہ معشوق کا سودا مسید از مہرب ہو گیا ہے۔ اس کلام کا نغمہ میر غنچین

دل کی خوشی ہے۔

مطلب صاف ہے۔ مدت سو میں نے عشق کو اپنا مذہب بنا لیا ہے۔ اور عشق میں جتنی تکلیفیں

ہوتی ہیں۔ وہ میرے لئے راحت کا باعث ہیں۔

اسلام ترجمہ۔ تیرے چہرے کو دیکھنے کیلئے دل کی آنکھ چاہئے۔ میری جہان کو دیکھنے والی

آنکھ کا یہ مرتبہ کہاں ہے۔

ع ہو دیکھنا تو دیدہ دل وا کرے کوٹھی۔

قرآن مجید میں آیا ہے۔ لا تدركہ الصبار۔ یعنی آنکھیں اس کو تھوہر دیکھ سکتیں۔

اسلام ترجمہ۔ جب تیرے عشق نے مجھے سخن سنجی کی تعلیم دی غفلت نے میری تعریف کو

وروز زبان بنا لیا ہے۔

وہی خیال ہے جو شعرت ۱۹ میں ہے۔

(۱۴) اسلام ترجمہ۔ اے خدا فقر کی دولت مجھ پر زیادہ کر کیونکہ یہ بزرگی میری حثمت تکین کا سبب ہے۔

وہی خیال ہے۔ جو شعرت ۱۹ میں ہے۔ حدیث الفقہ حشری کا مضمون یہی ہے۔

(۱۵) اسلام ترجمہ۔ اے واعظ حاکم شناس اپنی عظمت نہ ظاہر کر۔ کیونکہ میرے اسکیل دل سلطان کی منزل گاہ ہے۔

سیحہ۔ بخیر اول و آخری جس کو بادشاہ ضبط و سیاست کیلئے شہر میں مقرر کرے۔ کو تو ال۔ حاکم۔

عظمت۔ ہر سہ اول مفتوح۔ بزرگی۔ قدر۔ عظمت پڑھنا غلط ہے۔

مطلب یہ ہے۔ کہ اے واعظ تو اپنی عظمت بھگو نہ دکھا۔ اور اپنی بزرگی کا ظہار نہ کر۔ کیونکہ

ہم اگر چہ فقیر ہیں۔ مگر ہمارا دل بادشاہ کی منزل ہے۔

دل گذر گاہ حلیل اسبیت

اس لہو بھگو نظر حقارت نہ دیکھ۔ اور اپنی بزرگی نہ جتا۔ واعظ کو شہنشاہ طغنا کہا ہے۔ اشارہ

ہے۔ کہ واعظ بوجہ کوتوال شہر کی دوستی کے منکر و لواہی میں مصروف ہے۔ اور اسے کوئی نہیں بوجھتا۔

صرف نظامہ یار سامشکل ہے۔ اور اپنی بزرگی بیچ رہا ہے۔ یعنی ریاکاری کر رہا ہے۔ مقابلہ نمونی طور

ہے۔ یعنی واعظ تو صرف کوتوال کا دوست ہے۔ ہم بادشاہ کے دوست ہیں۔ جس کوتوال کو حکومت

دی۔

(۶) ترجمہ۔ اے خدیو میرا کعبہ مقصود کس کی جلوہ گاہ ہے کہ اس کے رستے کے کاسے
بھی میرے لئے نکل رہے ہیں۔

نیرین۔ سفید خوشبو دار پھول۔ جسے نیرن ہی کہتے ہیں۔

مطلب یہ ہے۔ کہ جس منزل مقصود کی طرف ہم جا رہے ہیں وہ کس معشوق کی جلوہ گاہ ہے۔
کہ اس کے وصال کے شوق میں ہمارے کاسے کے کاسے بھی پھول دکھائی دیتے ہیں اور ہم راہ
کی تکلیف کو بڑی خوشی سے برداشت کرتے ہیں۔

(۷) ترجمہ۔ ہمارا دوست رہے کیونکہ آسمان کا ریب اور زمانے کی زینت تیرے چاند جیسے
چہرہ اور میرے پروین جیسے آنسوؤں سے ہے۔

پروین۔ چھوٹے چھوٹے ستارے جو ایک جگہ ہوتے ہیں اور وہم سماں شروع رات میں
ظاہر ہوتے ہیں۔

معشوق کے چہرہ کو ہمیشہ چاند سے تشبیہ کرتے ہیں۔ یہاں خواجہ صاحب نے اپنے آنسوؤں
کو ستاروں سے تشبیہ دی ہے۔ اور کہا ہے کہ زمانہ کی رونق اور زینت کیلئے محبیا تیرے
چہرہ کی ضرورت ہے۔ اسی طرح میری آنسوؤں کی ہی ضرورت ہے جس طرح آسمان کو چاند
ستارے دونوں ضروری ہیں۔ لہذا زینا السماء بمصابیح۔ مطلب یہ ہے کہ عاشق و معشوق
دونوں عالم عشق کی رونق کے لئے ضروری ہیں۔ دنیا کی زیب و زینت کی ابتدا ہی یہی ہوئی۔
کہ زمین مطلق نے اپنا اظہار چاہا۔ اور عاشق کی خواہش کی اس لئے کائنات کو پیدا کیا۔
ورنہ پہلے کیا تھا۔ اللہ ہی اللہ تھا۔

(۸) ترجمہ۔ اے حسا فظ پروین کی حشمت کا پھر ذکر نہ کرنا کیونکہ اس کے لب میرے
خسرو شیریں کے ہر بخش میں۔

پروین۔ ایک بادشاہ کا نام ہے جس کو خسرو ہی کہتے تھے۔ وہ شیریں کا عاشق
تھا ہرگز بن نوشیروان کا لڑکا تھا۔ دوسرے خسرو سے تمیز کیلئے اس کو خسرو شیریں کہتے ہیں۔

خسرو۔ بالتم۔ سیاوش بن کی کاوس کا نام ہے۔ اور پروین نوشیروان کا نام
ہی ہے۔ حجاز امیر بادشاہ کو کہتے ہیں۔ شیریں۔ خسرو پروین کی معشوقہ اور مکہ فریاد

ہی اس پر عاشق تھا۔

مطلب یہ ہے کہ میرے مدوح کے مقابلے میں پرویز کی کچھ قدر نہیں ہے۔ وہ اس کے دریا ئے فیض سے گھونٹ پانی پینے والا ہے۔ پرویز خسرو شیرین کی رعائیں ظاہر

غزل (۲۱)

۱	اے شاہ قدسی کہ شہنشاہ نقابت	۱	مے مرغ ہستی کہ بدوانہ و آبست
۲	خواجہ بشار ز دیدہ دریں فکر حکر سوز	۲	کا خوش کہ شد منزل آسائش و آبست
۳	درویش نے پری و ترسم کہ نباشد	۳	اندیشہ آمرش و پروا ئے تو آبست
۴	راہ دل عشاق زو آن چشم خماری	۴	پیدا است نہیں شوق کہ مسیت شر آبست
۵	تسکے کہ زدی بردم از عمرہ خطا رفت	۵	تا باز جہ اندیشہ کہ درائے صوابست
۶	ہر نالہ و قریا کہ کردم نشیدی	۶	پیدا است نگار کہ بلبہ دست جہ آبست
۷	اے قہر دل فروز کہ منزل کہ منسی	۷	یار بکناد آفت ایام خرابست
۸	دور است سر آبیےں بادیہ شہدار	۸	تا غول یا باں لغزید برب آبست
۹	تا در رہ سپیری کچھ آئین روی نیل	۹	بارے بغلط صرف شد ایام شب آبست

(۱۰) حافظہ غلامیست کہ از خواجہ گریز و
لطف کن و باز آ کہ خرم ز عتابست (۱۱)

(۱) ترجمہ۔ اے معشوق قدسی کون تیرے نقاب کے بندہ ہو لے اور اے ہستی پرندے
کون تجھے آب و دانہ مے (یا کہوتا ہے۔ دیتا ہے)
قدوس۔ پاک۔ یہ لفظ عموماً ترشوتوں اور اولیاء کے لئے بولتے ہیں۔
اس شعر میں ترشوتوں کا شوق کہ دیدار اور قرب کا شوق ظاہر کیا گیا ہے۔
(۲) ترجمہ۔ اس جگر کو جلائے والی فکر میں میری آنکھوں نے پیدا کر لی کہ کس شخص کی خوش

تیرے آرام اور نیند کی جگہ ہے۔

بعض شاعر کہتے ہیں کہ یہ غزل خواجہ صاحب نے اپنی منکوہہ کے ناراض ہو کر اپنے باپ کے بگڑ چلے جانے پر لکھی تھی۔ اور اس رائے کی دلیل میں غزل نہاد کا مصرع اخیر پیش کرتے ہیں۔ مگر یہ خیال محض فضول اور بے ہودہ ہے۔ کیا ایک منکوہہ کے حق میں ایسے خیالات ظاہر ہو سکتے ہیں جو خواجہ صاحب نے شعرِ بزمِ ایں ظاہر کر دیں۔ بعض لوگوں کو یہ شوق ہوتا ہے کہ ہر ایک غزل کو کسی نہ کسی خاص واقعہ کی طرف منسوب کریں اور اس مشق واقعہ نگاری میں کئی دفعہ ایسی ہی ناپاک اور محکمہ خیز روایتیں بیان کر دیتی ہیں۔ یہ امر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ خواجہ صاحب کا کلام عشقیہ ہے۔ جو تصوف کی سیما سے باہر ہوئے ہے۔ جیسے ہر شعر اور ہر غزل کو محبوب حقیقی یا مرشد کامل سے منسوب نہیں کر سکتے۔ اسی طرح یہی ناممکن ہے کہ ہر جگہ کسی خاص واقعہ کی طرف اشارہ ہو عشقیہ کلام ہے۔ جس طرح ہے رہنے دیجئے اور اپنے مذاق کے مطابق اس سے حفظ اٹھائیے

(۳) ترجمہ۔ تو درویشوں کی پرستش حال نہیں کرتا۔ تجھے ڈر ہے۔ کہ تجھے مغفرت کا خیال اور ثواب کی پرواہ نہیں ہے۔

تو اب۔ بمعنی مراد۔ جزائے خیر۔ لفظ صواب سے اس لفظ کی تمیز ضروری ہے۔ صواب ضد خطا ہے۔ یعنی اچھا کام۔ راست کام۔ تو اب اچھے کاموں کی جزا۔ درویش نے پرسی کی ترکیب مشکوک ہے۔ غالباً درویش کے بعد کلمہ را ضرورت شعری کیلئے حذف کیا گیا ہے۔

(۴) ترجمہ۔ اس چشمِ خماری نے عاشقوں کے دل کی رہبری کی اس شیوہ سے ظاہر ہے کہ تیری شرابِ مست ہے۔

یعنی تیری مست آنکھوں نے عاشقوں کے دلوں کو لوہا لیا ہے۔ ان کو متیرا کر دیا ہے۔ اور بخود۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ تیری شرابِ مستی ہے۔ جسکی وجہ سے تیری آنکھوں میں مستی آئی۔ اور انہوں نے بحالتِ مستی رہبری کی اور اس مستی کا اثر دلِ عاشق پر یہ ہوا کہ وہ بھی مست ہو گئے۔ اور بخود ہو گئے۔ گویا صرف شرابِ انگوڑ میں ہی مستی نہیں۔ بلکہ شرابِ محبت میں

ہی مستی ثابت ہے۔

(۵) ترجمہ۔ وہ یہ غمزہ جو تو نے میرے دل پر مارا خطا ہو گیا۔ دیکھئے کہ تیری درست رائے کا اب کیا خیال ہے۔

خطا رفت یعنی نشانہ پر نہ بیٹھا۔ خطا اور صواب ایک دوسرے کی ضدیں ہیں۔ کس خوبی سے خواجہ صاحب نے ان کا استعمال کیا ہے۔ دراصل ایک تیرکے خطا ہونے پر عاشق دوسرے تیر کی درخواست کرتا ہے۔ جو بالکل نشانہ پر جائے۔ (۶) ترجمہ جو نالہ و فزاد میں نے کی تو نے نہ سنی لے معشوق اس سے ظاہر ہے کہ تیری درگاہ بلند ہے۔

جناب۔ بفتح درگاہ و استانہ۔ گردا گرد سرے۔ ماخوذ از جنب بمعنی پہلو و کنارہ بالضم غلط ہے۔ قاعدہ ہے۔ کہ جنبی کوئی جگہ بلند ہوگی اتنی ہی آواز وہاں کم پیچگی۔ خواجہ صاحب کی فزاد چونکہ نہیں سنی گئی اس سے وہ یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ معشوق کی بارگاہ عالی ہے وہاں آواز نہیں پہنچتی۔ صنعت نقل سبیل ہے۔

(۷) ترجمہ۔ اے دل فزوز محل تو محبت کی منزل گاہ ہے۔ خدا کرے کہ زمانہ کی آفت تجھے شراب نہ کرے۔

آفس۔ بالضم الفت۔ آرام۔ آفت ایام بمعنی حوادث روزگار۔

دل اوزر دل کو خوش کرنی والا۔ طبیعت کو راحت بخشنے والا۔ معشوق کی منزل کی طرف اشارہ ہے۔ یا دل کی طرف کو حکم دل ہی معشوق کی منزل ہے۔ گردل کو قہر دل فزوز کہنا چنداں صیح نہیں۔ لفظ خراب جب مکان کی نسبت بولا جاؤ۔ تو بمعنی ویران۔

(۸) ترجمہ۔ اس صحرا میں بانی کا چشمہ دور ہے۔ ہوش رکھنا کہ غل بیابان تجھے شراب کا دہوکہ نہ دے۔

غول۔ واو معروف۔ ایک قسم کے جن اور دیو جو صحرا اور بیابانوں میں ہوتے ہیں جو شکل چاہیں اختیار کر لیتے ہیں۔ مسافروں کو گمراہ کرتے ہیں۔

سراب - بالفتح - موسم گرما میں پیاسے مسافروں کو صحرا میں تالیش آفتاب کی وجہ سے جو رنگ صحرا دور سے پانی نظر آتی ہے۔ کبھی کبھی چاندنی رات میں بھی سراب نظر آتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ طریق عشق میں تیری منزل مقصود بہت دور ہے۔ ذرا ہوش و حیل تاکہ شیطان تجھ کو دھوکہ دے کر کسی اور طرف نہ لے جائے۔ مولانا روم فرماتے ہیں۔

لے لے بسا شیطان کہ آدم صورت است | پس بہر ذکے نباید داد درست

محول - بیان کی طرح شیطان بہ صورت اختیار کر کے انسان کو گمراہ کر۔ نہ کسی کو کشتش کرتا ہے۔ سراب دکھا کر اور پانی بتا کر ان کو غلط راہوں پر ڈالتا ہے۔ ایسے اعمال جو حقیقت میں تباہی کا موجب ہوتے ہیں انکو اچھی صورت میں دیکھ کر انسان کو ان کی ترغیب دیتا ہے۔ والذین کفروا اعمالہم کسر اب بقیعۃ بحبہ النہان ماؤ حتی جاءہم یوم یبدۃ شیئہ۔ اور وہ لوگ جو کافر ہو گئے ان کے اعمال سراب کی مانند ہیں۔ یہو امید انوں میں پیاسہ اس کو پانی سمجھتا ہے۔ حتی کہ نزدیک جا کر دیکھتا ہے کہ کچھ چیز نہیں (سورہ نور) فزین لہم الشیطان اعمالہم (سورہ نحلہ رکوع ۸) واذا زین لہم الشیطان اعمالہم (الفعال رکوع ۱۰) و ما یعدہم الشیطان الا غورا (سورہ النسا رکوع ۱۸) اسی مضمون پر یہیں نیز کچھ شعریں لکھی ہیں (۹) ترجمہ - اے دل دیکھتے تو بڑباپے کی راہ میں کس طرح چلتا ہے یا مہربانی کو تو تو۔ غلط صوف کیا۔

ناصحانہ انداز ہے مطلب صاف ہے۔

اے کہ تجھ جارف و زخوابی | شاید اس خبر روز دریا لی

(۱۰) ترجمہ - حافظ ایسا غلام نہیں جو مالک سے بھاگ جائے مہربانی کرو پس اگر میں تیرے عتاب سے خستہ حال ہوں۔
عتاب - کجبر - طاعت - غصہ - ناز۔

غزل (۲۲)

۱	بلغم مرا چہ حاجت بر و صنوبر است	۱	نمشاد و سایہ پرور میں باز کہ کتر است
۲	بے نازین پس تو چہ مذہب گرفتہ	۲	یکت خون حاصل تر از شیر باد است
۳	چون نقش غم زدورہ بنی شب خواہ	۳	تخفیں کردہ اکم و ملا و انقر است
۴	یک فدیہ بیش نیست غم عشق و اینج	۴	از سر کسے کہ می شنوم تا کسر است
۵	از استان سر معان سر چراشم	۵	دولت رس سرا و کشتن در است
۶	دی وعدہ دار و قتل و در شہر زب است	۶	امروز تاجہ کوید و یازش در است
۷	با بروئے فقر و قناعت بے بریم	۷	یا یاد شاہ جوئی کہ روزی مقلد است
۸	شیرازا بے کنی و آل باد خوش است	۸	خیش کن کہ خال رخ ہفت ثور است
۹	فرق است از آب خضر کہ ظلم چاہی است	۹	تا آب منعش اندکس است
۱۰	در کوئے ماسکتہ دلی میخند و بس	۱۰	باز از خود غروشی ازل سو دیگر است

(۱۱) حافظا چہ طرفہ شلن تباہیت ملک تو
کش سیوہ دلپذیر تر از شہد و شکر است

(۱) ترجمہ - میرے باغ کو سر و صنوبر کی کیا حاجت میرا پروردہ تمنا دس سے کم ہے۔
سر و صنوبر کی کتنی شرافت ہے میں گزر چکی ہے نمشاد - بانکسر - ایک دھت
کا نام ہے جو بلند اور خوشنما ہوتا ہے۔ کٹڑی مضبوط بعض کتابوں میں لکھا ہوا کہ سرو کی
ایک قسم ہے یعنی ریحان ہی استعمال کرتے ہیں۔ اس کے پتوں کو بوجہ باریکی اور چوم کے معشوق
کے بالوں سے تشبیہ دیتے ہیں۔ بعض دفعہ نمونے منظر کو ہی کہتے ہیں۔
سایہ پرور - سایہ پرور - اور سایہ رست - ناز و نعمت کا پانا ہوا۔
مطلب صاف ہے میرا پروردہ معشوق قدم و قامت میں سر و صنوبر تو کم نہیں بلکہ زیادہ ہے۔

تاریخیں مستشرقین۔ چونکہ کسی مذہب میں حلال نہیں۔ خواجہ صاحب معشوق سی
پوچھتے ہیں کہ تیرا مذہب کیا ہے کہ تیرے نزدیک ہمارا خون بیاں کے دودھ سی پی یا دھال ہی
(۱) تیرا جملہ۔ جب تو ہم کافش دوری دیکھو تو تیرا طلب کرم ہے شخص کی ہوئی ہے اودو امیر
خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ جب ہواذات کا ذرا سا اثر ہی تو اپنے دل پر ہوتا دیکھو تو فوراً
شراب پی۔ کیونکہ ہم نے اس مرض کی شخص کی ہوئی ہے۔ اور اس کی دوا ہی تھوڑی ہے۔ اور مجرب
مزید شرح کے لئے دیکھو شعر الف + اور شعر الف +۔ ت +۔

طوفانِ محمدرآئید از پیشش بپست
خبر بیاوه گمراشتهی نوح تو اوست

اگر ہم ہمارے تجزیہ سے ہم کو اس کا اندازہ ہو کہ یہ کتنا عجیب و غریب ہے۔ جتنا عجیب و غریب ہے کہ جتنا عجیب و غریب ہے کہ جتنا عجیب و غریب ہے۔
خواجہ صاحب نے اس شعر میں انسانی دل کی ایک عجیب کیفیت کا ذکر کیا ہے۔ قاعدہ ہے کہ جب
ایک کہانی کسی سے سن لی جائے تو دوبارہ سننے میں وہ مزا نہیں رہتا۔ مگر داستانِ عشق ایسی
دلچسپ ہے۔ کہ کئی بار سنی کہنی زبانوں سے سنی۔ مگر یہ واقعہ ہی معلوم ہوتی ہے اوریش از پیش
دلچسپ۔ وجہ یہ ہے کہ باقی داستانیں دل سے متعلق نہیں کہتیں۔ جتنا داستانِ عشق۔
کیونکہ داستانِ عشق گرجیہ دل میں کافقہ ہی ہو اس کے واقعات کی مثالیں ہر دل میں پائی جاتی ہیں
اور جو واردات عشق ہو سکتے والے کے تجربہ میں موجود۔ اسی واسطے شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے کہا
ہے۔ "کہ در عشقوان جوانی چنانکہ افتد و بدانی۔ یہ بدانی بجز اراد داستانِ عشق کو میرزا نہیں ہو
دیتی۔ یہ کیفیت داستانِ عشق سے ہی مخصوص ہے نظیری فیضی اور ی کا شعر ہے۔

ہاں عشق است بجز بستمہ چندیں استوار نہ

کسے بر معنی یک حرف صد و ہفتے سازد

قریباً اسی مضمون پر ہے۔

معد با رخوا نند و دیگر از سر گرفت ایم

مولانا چائی۔ ۲۔ بی دل کی یہی کیفیت بیان کی ہے۔

مستند به کتب معتبره و مستند به کتب معتبره

(۵) ترجمہ۔ پیر مغس کے استناتہ میں سرکوں پٹاؤں و نشت اسی طرح ہیں۔ اور کشائش اسی دروازہ میں۔

آستان۔ دروازہ۔ کی رعایت ظاہر دولت کو گھر سے اور کشائش کو دروازہ سے نسبت کرنے کی لطافت ظاہر۔

(۶) ترجمہ۔ کل مجھ سے وصل کا وعدہ کیا اور سر میں شراب تھی۔ دیکھیں آج کیا کہتا ہے۔ اور اس کے سر میں کیا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ کل معشوق نے مجھ سے وصال کا وعدہ کیا اور وہ نشہ میں تھا۔ دیکھیں آج کیا کہتا ہے۔ اور اس کے دل میں کیا خیال ہے۔ شاغریہ وعدہ دی پراغت ہا نہیں کیونکہ وہ نشہ کی حالت میں ہوا تھا۔

دی سے مراد اگر روز میثاق لی جائے تو شراب سے شراب عشق مراد ہوگی بھجوائے حدیث قدسی۔ "کنز کنز الخفی فاہیت ان اعرف مخلقت خلق" دیکھو شعراء۔

در سر داشت و در سرست کا مخالف معانی ظاہر صنعت تجنیس ٹ (۷) ترجمہ۔ ہم فقرا و صبر کی معیاری نہیں کرتے۔ یا شاہ کو چاکر کہہ دو کہ روزی تو نصیبوں میں مقدر ہے۔

خواجہ صاحب کے کلام سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ قناعت پسند تھے اور اپنے وقت کے بادشاہوں و مصلح و انعام کی چند توقع نہ رکھتے تھے۔ مولوی شبلی مرحوم نے شعر الخجیم میں لکھا ہے۔ کہ ان کے تمام معاصرین بلکہ پیشرو نہایت لیل اور کینہ ظریفوں سے کام لیتے تھے۔ انوری ظہیر فاریابی۔ سلمان ساوجی کس پایہ کے لوگ تھے۔ لیکن سب کا یہ حال تھا۔ کہ کسی کی مدح لکھی۔ اور اس نے صلہ کم دیا۔ یا دیر لگائی۔ بھو شروع کر دیتے تھے۔ اور یہاں تک نوبت پہنچاتے تھے۔ کہ تہذیب و شائستگی آنکھ بند کر لیتی تھی خواجہ صاحب اس سفلہ پنی سے بری ہیں۔ وہ مدح لکھتے ہیں۔ صلہ ملا تو بہتر ورنہ یہ کہہ کر چپ ہو جاتے ہیں کہ تقدیر سن تھا۔ کہی گئی ہلکا سا اتفاقا بھی کرتے ہیں لیکن نہایت لطیف پیرایہ میں، اس شعر میں بی خواجہ صاحب نے اخلاق کا ایک اعلیٰ نمونہ پیش کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ بادشاہ سے

مانگ کر یا میں کے صلہ میں نقد حاضر کر کے کچھ نینا فقر و غنت کی معیشتی کرتا ہے۔ روتی جتنی نصیب میں ہوتی ہے اجاتی ہے۔ کیا ضرورت ہے۔ کہ باوشاہوں اور امیروں کی آگے جا کر آجی دست پر سینہ کھڑا ہو اور انعام و اکرام کی امید رکھو۔

(۸) ترجمہ شیراز نہر کا: بادامرز۔ خوشگوار ہوا۔ اسکی غیب ہوئی نہ کر۔ کیونکہ وہ دنیا کے حیرہ پر خل ہے۔

آپ کہنی۔ آپ کہنا: باوایچہ پنہ پر شہ ازکی مشہور سیر گاہ ہے اب تو معمولی نہر رہ گئی ہے۔ خواجہ صاحب کے زمانے میں سچے چشمہ تھا جہاں دست احباب کی صحتیں ہوتی تھیں۔

خواجہ صاحب کہتے ہیں۔ کہ شیراز بوجہ اپنی آرتی ہوا کے دنیا کا ایک بہترین مقام ہے یہ خواجہ حافظ کی حب الوطنی ہے۔

(۹) ترجمہ۔ آپ نضر کی جگہ ظلمات ہے اور ہماری نہر جبکامیغ اللہ اکبری ان میں طوفان ہے۔ آپ خضر۔ چشمہ آب حیات۔ بوجہ نضر کے اس چشمہ سے پانی پینے کے یہ نام ہوا۔ سکندر نامہ میں سکندر اور نضر کا آب حیات کی تلاش میں گھومتے کلن کا تفصیل درج ہے۔ لکھا ہے۔ کہ وہ ظلمات میں ہے یعنی میلوں اس کے گرد اندھیرا ہے۔ اور کچھ نظر نہیں آتا۔ اللہ اکبر۔ نہر کنایہ کے منبع کا نام ہے۔

مطلب یہ ہے۔ کہ آب حیات جو ظلمات میں ہے۔ اور جس سے کسی کو فائدہ ہی نہیں ہماری نہر کنایہ کے برابر نہیں ہو سکتا ہے۔ جبکہ منبع موجود ہے۔ اور جس سے لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں۔ یہ مطلب ہی ہو سکتا ہے۔ کہ عشق الہی میں کا چشمہ اللہ اکبر ہے۔ وہی حقیقی معنوں میں آب حیات ہے جس سے انسان کو حیات جاوید نصیب ہوتی ہے چشمہ خضر میں کیا دہرا ہے ہرگز لمیرہ و آنکھ دش زنده شد بعتیق | اجمت است بر جہان عالم و دام

(۱۰) ترجمہ۔ ہمارے کو پیہ میں صرف شکستہ علی خرید لے میں۔ اور میں۔ تو دوزخ و شہی کا بازار اسی لئے دوسری طرف واقع ہے۔

خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ رندوں کے مشرب میں صرف شکستہ دما کی قیمت ہے۔

تو بچا بچا کے نہ رکھ اسے تیرا آئینہ و وہ آئینہ
جو شکستہ ہو تو عزیز تر ہے گناہ آئینہ ساز میں

کوئی دوسوی اور خرید و فروخت کا مقابلہ لطیف نیز دیکھو شعر ت چلے
(۱۱) ترجمہ - اے حافظ تیرا قلم کی عجیب قند کی شاخ ہے کہ اسکا میوہ شہید و شکر سوزیادہ
دل سیند ہے ۔

شائع نبات مصری کے کوزوں میں تاکے کی شاخ کی طرح جو حیرنی ہوتی ہے۔ خواجہ صاحب کا معشوقہ کا نام ہی کہتے ہیں کہ یہی تھا لیکن قصہ فضول ہے۔
یہ شعر بھی حسب معمول شعرِ خواجہ صاحب نے فخریہ کہا ہے مطلب یہ ہے کہ میرِ قلم طبرزد کا گلو یا
اگرے رفت و حسرت کا بیوہ شہد و شکر سے ہی زیادہ لذیذ یعنی میرِ اکلام نہایت مقبول اور دل پذیہ ہے۔

غزل (۲۳)

۱	شکوفه شد گل عمر او گشت بلبل مست	۱	صلوات سر خوشی بے عاشقان با و پست
۲	اساس تو بیکر حکمی چو سنگ نمود	۲	بیدر که جامه راجا جی چگونه اش شکست
۳	بیار باد که در بارگاه استغنا	۳	چو یاسان در حبه سلطان چه هوشیار و صفت
۴	ازین باطل و دریغ ضرورت حیل	۴	رواق طاق معشیت چه سزید و چه نیت
۵	مقام عیش منم که شود بے رنج -	۵	بے حکم بالست اندر روز است
۶	بیمهت نیست مرخان ضمیر خوش میانش	۶	که نیست اکت نمر انجام هر که مالک است
۷	شکوه اصفی واسپ باد بطق سیر	۷	بیاد و نیت از آن خواجیه بیخ طرفه نیست

بہال و پروردار راہ کتب پر تباہ ۸ ہوا اگر تبت نہ مانے تو بجا کشت

(۹) زبان کلک تو حافظ چہ شکر آن گوید -
(۹) کہ تحفہ سخنش سے برند دست بدست -

(۱) ترجمہ - گل بن کھلا اور بلبل مست ہو گئی ہے بادہ پرست عاشقو سہر خوشی کی صلابہ -
حمرا - سرخ رنگ عورت - کوئی سرخ رنگ سنے - گل تھا - گل سرخ - گل آفر - گل کلاب -
کلاب کے بچوں کو کہتے ہیں - صلابہ - کوئی چیز دینے کیلئے کسی کو بلانا مطلق آواز سے خوش
وہ آدمی جو نشہ شراب سے خود بخال ہو اور اسکی مستی حد اعتدال میں ہو مستی کو کئی درجے میں (۱) سہر خوش
(۲) ترداع (۱۰) سبہ مست (۱۱) حراب -

مطلب یہ ہے - کہ موسم بہار آگیا - بلبلیں مست ہیں اور عاشقوں کو بھی بہار کی آمد گویا بخواری
کے زمانہ کی آمد ہے - شراب پینے کیلئے بہار کا موسم موزون گنا جانا ہے - خواجہ صاحب بی
شعرش میں بہار کے تین مہینوں کی طرف ہی اشارہ کر کے کہتے ہیں -

سہ ماہ سے خور و نہ ماہ پار سے باش

(۲) ترجمہ - تو یہ کی چیز ہے جتنی میں تھیر کی طرح معلوم ہوتی ہے - دیکھو کہ شیشے کے پیالہ نے
اس کو کس طرح توڑ ڈالا -

زجاج - لضم - آبگینہ - شیشہ - کج - جام زجاج - شیشہ کا پیالہ - جام سے و مراد
ہے - شیشے سے تھیر کا ٹوٹنا محال ہے - مگر خواجہ صاحب فرماتے ہیں - کہ جام سے میری
منہبوط توبہ کو توڑ دیا - گویا شیشے نے تھیر کو توڑ دیا -

ناز خیا لیاں میری توڑیں عدد کا دل | میں وہ ہلا ہوں شیشہ سے تھیر کو توڑ دوں

(۳) ترجمہ - شراب لاکھ بے نیاز درگاہ میں کیا پاسبان اور کیا بادشاہ کیا ہو شیار اور کیا مست
مطلب یہ ہے کہ خدا کی درگاہ میں کسی شے کی ضرورت نہیں ہے - وہ غنی اور بے نیاز ہے کسی کی
مستی یا ہوشیاری سے اس پر کچھ اثر نہیں ہوتا - اس کو پینا نہ پینا اسکو لڑا برابہ ہے - پہلو پیو -
اسی مضمون کیلئے دیکھو شعر ہی پہلو

پھر بارگاہ استغنا میں سلطان و گدرا کا یہی کچھ فرق نہیں۔ چنانچہ نماز اور سچ کی وقت حکم سلطان و گدرا کی تسبیح ممنوع ہے۔ کیونکہ اس وقت تمام خدائے غنی کی بارگاہ میں حاضر ہوتے ہیں۔ اور اس وقت اس قسم کی تمیز نا جائز۔

بندہ و صاحب محتاج و غنی ایک ہوئے | تیری سرکار میں ہوں تو سبھی ایک ہوئے

(۱) ترجمہ۔ اس دو دروازہ کی سرائے سے جب کوچ ضروری ہے تو رنڈی مکان کی چھت بلند ہوئی تو کیا اور پست ہوئی تو کیا۔

رباط۔ بفتح مسافر خانہ۔ رواق۔ چھت کا حصہ جو مکان سے لگے بڑھا ہوا ہو۔ پیچھے مطلق یعنی چھت۔ طاق۔ خراب بنائے خمیدہ۔ مطلق عمارت معرب تک معیشت۔ زندگانی۔ جینا۔ جس پر گزارا ہو۔

دنیا کو رباط و در اس واسطے کہا ہے کہ ایک دروازہ سے آئے اور دوسرے دروازہ سے چلے گئے۔ اسی مضمون کے لئے دیکھو شعر الف تا

(۵) ترجمہ۔ مقام عیش بغیر تکلیف کے حاصل نہیں ہوتا (وعدہ) بتلی کو باکے حکم سے روز الست میں حکم کیا تھا۔

بتلی سے مراد قالو بتلی روز الست یعنی روز مہیناق دیکھو شعر الف تا و شعر ت ی۔ خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ مقام عیش یعنی وصال محبوب یا مقام عشق سوائے محکم لیت اور مصائب کے حاصل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ جس روز عشق کی ابتلا ہوئی۔ وعدہ عشق کو بلا سے مضبوط کیا گیا۔ یعنی عشق کا مجاہدہ جو ایجاب ”الست برکھم“ سے شروع ہوا۔ قبول ”قالو بتلی“ سے مکمل ہوا۔ گویا عاشق کے ساتھ روز اول ہی لگی ہوئی ہے۔

ع گوہر ہر سود در حبیب زیان انداختہ
بتلی اور بلا میں صنعت تجنیس مضارع اور شریں صنعت حسن تعلیل۔

(۶) ترجمہ۔ عورت اور حیات کے خیال سے دل کو رنجیدہ نہ کر اور خوش رہ۔ کیونکہ ہر کمال کا جو موجود ہے۔ انجام یہی ہے۔

خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ حبیب یقیناً حیات و محبت لازم و ملزوم میں۔ تو پھر یہ فائدہ

اس خیال میں لوگوں کو یوں مغموم رکھتے ہیں۔

روزیکہ قضا ہست روزیکہ قضا نیست	روزیکہ قضا ہست از مرگے ان نیست
روزیکہ قضا نیست در مرگے وان نیست	روزیکہ قضا ہست اندیشہ نکند سود

(۷) ترجمہ۔ آصف کا بدبہ ہوا گاہوڑا اور پرندوں کی بولی سب برباد ہو گئے اور ان سے خواجہ کو کچھ فائدہ نہ ہوا۔

طرف بستن۔ فائدہ اٹھانا تحقیق کیلئے کچھ شعر (ط الف)

حضرت سلیمان علیہ السلام کے وزیر کا نام آصف تھا۔ جو بہت مدبر اور با شکوہ تھا۔ ان کا تخت ہوا پر اڑتا تھا۔ اور وہ پرندوں کی بولی سمجھتے اور بولتے تھے۔ قال یا ایہا الناس علمنا منطق الطیر (سورہ نمل رکوع ۲)

خواجہ صاحب فرماتے ہیں یہ تمام غیر معمولی طاقتیں کس کام آئیں۔ حضرت سلیمان بھر حل ہے۔

تیر برباد رفتی تیر گاہ و شام	سریر سلیمان علیہ السلام
بآخرنیدی کہ برباد رفت	خنک آئینہ بادشہ و داورفت

(۸) ترجمہ۔ بال و پر پر غور نہ ہو۔ کیونکہ دور جانے والا تیر کچھ پر ہوا میں رہتا ہی پھرنے پر اگرتا ہی بال۔ بازو۔ پرندوں کا بازو۔ پیرتاب۔ بلفح (۱) پھینکنا (۲) ایک قسم کا تیر جو بہت دور جاتا ہے۔ (۳) مسافت جو تیر طے کرتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ طاقت اور دولت پر غور نہ کر۔ کیونکہ یہ ناپائیدار ہیں تیر کے ساتھ ہی پر ہوتا ہے۔ اور تیر خود منزلہ بال۔ لہذا وجہ تشبیل ظاہر۔ ہو اگر فتن یا ہوائی شدن۔ اٹنا۔ (۹) ترجمہ۔ لے لے حافظ تیر کے قلم کی زبان اس بات کا کتب شکر یہ ادا کر سکتی ہی۔ کہ لوگ اس کے سخن کا تحفہ دست بدست لے جاتے ہیں۔

خواجہ صاحب نے اپنے کلام کی قبولیت ظاہر کی ہے۔ اور فرماتے ہیں۔ کہ میں کس زبان سے اس قدر روائی اور لطافت ایندی کا شکر یہ ادا کروں۔

غزل (۲۴)

۱	پیر بن چاک غزل خوان و صراحی روست	زلف آشفتنہ و خمی کرو خندان نصبت
۲	نیم شب مست بالین میں بد نشست	نرسش عہدہ جو و لبش افسوس کناس
۳	گفت کای عاشق شنیدہ من خوابت بہت	سیر فرگوشت من آورد با و از حسزین
۴	کافر عشق بود گر نہ بود بادہ پرست	عاشق را کہ جنیں بادہ شہ گبر دست
۵	کہ نہادند جزا اس نختہ بیمار و زالست	بروے زاہد و بر در و کشان خوردہ نگیر
۶	اگر از عمر بہشت است راز بادہ نیست	آنچہ اور نخت بہ چانہ مانوشت یدیم

(۱) خندہ جامے وزلف گرہ گیسو نگار
(۲) اے بسا تو بہ کہ چوں توبہ حافظ لبشکست

- (۱) ترجمہ - زلف پریشان پسینہ میں دیا ہوا۔ خندان لب و دست پیرا بن چاک غزل کہتا ہوا۔ صراحی - ہاتھ میں لئے ہوئے۔
(۲) ترجمہ - آنکھیں کجگو۔ اور لب افسوس کرتے ہوئے آدھی رات کو مست میرے سر ہانے آیا۔ اور میچہ گیا۔
(۳) ترجمہ - سیر میری کان کا نزدیک لاکر نرم آواز سے کہا کہ میری شوریدہ سر عاشق تو سورا ہوا ہے۔

پیر بن - لباس کرتہ قمیص - عہدہ جو - جگجو - بدخوی - افسوس - بالضم - بمعنی طنز - بازی ظرافت تمسخر - بالفتح - دریغ حسرت - ظلم - برہان قاطع میں تمام معنوں میں بالفتح لکھا ہے - یہاں اگر افسوس پڑا جائے - تو بمعنی ظرافت و طنز آہو گا - ورنہ افسوس پڑھ لیا جائے - فہر - پیش قبل - نزدیک - دور - بالا - یہاں معنی نزدیک و جڑیں

(۴) ترجمہ جس عاشق کو ایسی شہگیر تراب دی جائے۔ اگر بادہ پیرستی نہ کرے۔ تو مذہب عشق کے روستے وہ کا رہے۔

شبگیر - یعنی شب بحر گاہ - آخر شب - رات کو سفر کرنا۔

مطلب یہ ہے کہ ایسی حالت میں متشوق آیا۔ اور شراپیش کی۔ میں نے پی لی۔
کیونکہ انکار کرنا میرے نزدیک کفر تھا۔

(۵) ترجمہ۔ اے زاہد جاوید کو شوکی عجب چلی نہ کر کیونکہ روزِ راست کو ہمیں صرف ای تھو دیا گیا
دُرو۔ شرابِ تیرہ۔ ہر سیال اور دقیقِ اذہ کے نیچے جو چیز تیرہ بڑھ چائے۔

مطلب یہ ہے کہ روزِ میناق ہم کو عشق کی مستی دی گئی۔ ہم مجبور ہیں۔ اس سے انکار نہیں کرتے
ظاہر پستوں کو اس نیکو تہجیبی نہیں کرنی چاہئے۔

(۶) ترجمہ - جو کچھ معشوق نے ہمارے پیالہ میں ڈال دیا ہم نے پی لیا۔ خواہ وہ شراب بہشت ہے۔ خواہ شراب موت۔

خواجہ صاحب زمانے ہیں۔ کہ میثاق کے دن یا مذکورہ بالا رات کو بچہ کیم معشوق نے ہم کو دیا۔ ہم نے قبول کر لیا۔ اس سے بحث نہیں کہ وہ شراب کون سی ہے۔ (ظاہر ہے۔ کہ وہ شراب عشق ہے۔)

(۷۱) ترجمہ۔ جام نے کے خندہ اور معشوق کی زلف پیچ وری پیچ لئے حافظ کی تو یہی طرح اور کئی لوگوں کی توبہ کو توڑا۔

مطلب یہ کہ ہر جند عاشق ہے سے توبہ کرے۔ مگر حجام کے کی شکل میں ہیکر اور توتوتی کی لہف
کی گریہوں کی دیکھ کر ہر دہانہ پر جاتا یعنی راہ عشق کی تکالیف کا جب سامنا ہوتا ہے۔ تب خواہ تجوہ
عاشق۔ غمخواری پر مجبور ہو جاتا ہو۔ اس مضمون کی مفصل شرح کیلئے ملاحظہ فرمائے اللہ اعلم

غزل (۲۵)

۱	کشاو کار من اندر کرشمہاے تو لبست	خدا چو صورت ابرو در بای تو لبست
۲	زما تا قصد لب کش قبائے تو لبست	ہزار سرچمن را بچاک راہ نشاند
۳	سحر گہان کہ دل برد و دروئے تو لبست	عراو مرغ چین را ز دل بجز آرام
۴	نسیم صبح چو دل برد ہوائے تو لبست	ز کار ما و دل غنچہ بس گرہ بخشود
۵	وے لچہ بود کہ سرشتہ رضائے تو لبست	مرا بہ بند تو دوران چرخ را ضعی کرد
۶	کہ عہد با سر زلف گرہ کشائے تو لبست	چو تافہ بر دل سکین من گرہ مشکین
۷	خطا نگر کہ دل امید و وفائے تو لبست	تو خود حیات و گریہ دی بے زبان وصال
۸	چو غنچہ بر کہ دل خویش ز ہوائے تو لبست	ہم از نسیم تو روزے کشائے یا بد

(۹) ز دست جو تو گفتم ز شہساز ہم رفت
بجندہ گشت برو حاقظا کہ پائے تو لبست

(۱) ترجمہ - خدا نے جب تیرے دل ربا ابرو کی صورت بتائی اسی وقت میری کشائش کا ترتیب کرشموں سے وابستہ کر دی -
کرشمہ - کعبرتین - یا بختیتین - اشارہ چشم و ابرو کے ساتھ -
مطلب یہ ہے کہ جس وقت خدا نے تیرے ایسے خوب صورت او دل کش ابرو بنائے اس کی کشی کی وجہ سے اسی وقت یہ معلوم ہو گیا کہ ہمارا دل تیرے قابو آ جائیگا - اور ہمارا نیکے بد تیرے ابرو کے اشاروں پر موقوف ہو گا - قریباً وہی مضمون ہے جو شعر الہف ۱۶ میں ہے - لبت و کشاو کا مقابلہ اور کشاو کے لئے فعل لبست کا انتخاب لا جواب ہے -
(۲) ترجمہ - ہزار سر و منہ کو خاک راہ میں بچا دیا جب کہ زمانہ نے تیری جائزہ زرتار کو تیار کیا

قصہ سب - (۱) نے اور ہر چیز جو اس کی قسم سے ہو مٹوا کر کلمہ سزا دیا مگر کتنے و
ابشیم معرب کسب - قہار لے - جامہ دو تہی -

مطلب یہ ہے - کہ جب سے علان قضا و قدر نے تیرے قدر سہی کیلئے جامہ زنار
تیار کیا - اس روز سے سر و چین کی قد و قامت کی آبرو جاتی رہی - بچا کے راہ نشاندن
یعنی بے قدر کرتا - ذلیل کرنا - یوں ہی سدا بگل ہوتا ہے -

(۳) ترجمہ - میرے اور بلبل کے دل کا آرام چلا گیا صبح کو وقت جب ہم ہر دو نے
تیری فواہیں دل لگایا -

مرغ چین - نفائس اللغات میں لکھا ہے - کہ مرغ چین اور مرغ بحر بلبل کا نام ہے
یعنی جب ہم دونوں نے محروقت تیرے عشق میں نغمہ سنجی شروع کی تو ہمارے دل میں قرار نہ رہا -
(۴) ترجمہ - میرے کام اور غنچہ کے دل سے بہت سی گرمی کہولیں نسیم صبح نے جبکہ
اس نے دل تیری آرزو کی راہ میں لگایا -

نسیم صبح - سے کلیاں کھلتی ہیں - اس لئے غنچہ کی گرہ کہولتا تو نسیم صبح کا قدرتی کام
ہے - مگر عاشق کے دل کی گرہ بھی اسی نے کہولی ہے - اور اسے مقصود پہنچا دیا -
کیونکہ وہ معشوق کی راہ گزر سے ہو کر آئی تھی اور اسکی زلف غنچہ کی خوشبو عاشق کی تکی پہنچائی ہوئی
آرزو و اشتیاق کو ادا و ساکن - بیان و نغموں کی طر ف اشارہ ہو - دیکھو شعر (۸) غزل ہذا -
(۵) ترجمہ - مجھ دو در چرخ نے تیرے بند میں پہنچا پر راضی کر لیا - مگر کیا فائدہ کہ سر شہ
تیری رضا سے باندھا ہوا ہے -

یعنی ہم ہر رضا و رغبت تیری بند میں گرفتار ہیں - لیکن زنجیر تیری رضا کو ہاتھ میں ہے
اس لئے ہمارے راضی ہونے یا نہ ہونے کا کوئی سوال نہیں - سب کچھ تیری رضا پر
مختصر ہے - گویا ہماری رضا ہی تیری رضا کے ہاتھ میں ہے -

(۶) ترجمہ - نافذ کی طرح میرے مسکین دل پر گرہ نہ ڈال کیونکہ میرے دل نے تیری
زلف گرہ کشا کے سر سے عہد باندھا ہے -

نافذ گرہ کی شکل میں ہوتا ہے - دو ٹیم یہ کہ زلف مشکین کے رشک نے ہی اس کے دل پر

گرہ دی ہے۔ لہذا تانہ کی منتیل۔ زلف کو گرہ گیر کہتے ہیں۔ کیونکہ وہ گرہ در گرہ ہوتی ہے۔ خواجہ جہانگیر گرہ کشا کہتے ہیں۔ وجہ یہ کہ عاشق زلف معشوق سے اپنے دل کی گرہ کشائی کی امید رکھتا ہے۔

(۷) ترجمہ۔ اے زمانہ وصال تو خود ایک دوسری زندگی تھا غلطی دیکھ کر میری دل نے تیری وفا کی امید رکھی۔

زمانہ وصال عاشق کے لئے بیٹک ایک زندگی ہوتی ہے۔ اور جس طرح زندگی پر اعتبار نہیں اور اس کی پائیداری کی امید قبول اسی طرح زمانہ وصال ہی ناپائیدار ہوتا ہے۔ اور اس کی پائیداری کی امید خام۔

(۸) ترجمہ۔ اس آدمی کو ہی ایک ن تیری نسیم کو کشائش ہوگی جس نے غنچہ کی طرح تیری آرزو میں دل لگایا۔

مطلب یہ ہے۔ کہ جس طرح غنچہ نسیم کی امید میں ل سبب ہوتا ہے۔ اور وہ اگر اس کی گرہ کو کھولتی ہے۔ اور وہ شکستہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جو آدمی محبوب کی آرزو اور اشتیاق میں دل گیر رہتا ہے کسی نہ کسی روز اس کے دل کی گرہ ہی نسیم معشوق کھول دیگی۔ یعنی وہ ہی اپنی آرزو میں کامیاب ہوگا۔ دیکھو شعر (دہم) غزل بجا

(۹) ترجمہ۔ میں نے کہا کہ تیرے ظلم کے باعث میں سے میں شہر چھوڑ جاؤں گامیہں کر کہا کہ اے حافظ جاگس نے تیرے پاؤں باندھے ہیں۔

مطلب ظاہر ہے۔ عاشق نے کہا۔ کہ میں شہر چھوڑ جاؤں گا۔ معشوق نے صاف جواب دیا۔ کہ جاؤ۔ کس نے روکا ہے۔ البتہ ایک لطافت قابل غور ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ گرچہ معشوق کہتا ہے۔ کہ تیرے پاؤں کسی نے نہیں باندھے۔ مگر فی الحقیقت عاشق پاسبان ہے۔ اور معشوق کے مہنس کر یہ جواب دینے میں یہ اشارہ ہی موجود ہے۔

نزل (۲۶)

۱	اگر ہر صبا بہ سبیا میفرستمت	۱	بہنگر کہ از کجا بہ کجا میفرستمت
۲	حیف است طائی جو تو در عالمک ان ہر	۲	نیجا با شیان وفا میفرستمت
۳	در راگشت مرحلہ قربت اجنسیت	۳	تے بنیت عیان عالمیفرستمت
۴	ہر صبح و شام قافلہ از دعائے خیر	۴	در صحبت شمال و صبا میفرستمت
۵	در روزے خود از سرچ صنع خدای کن	۵	کائیدہ خدای نہا میفرستمت
۶	ناشکر محنت بکنہ لکے ل خراب	۶	جان عزیز خود بفرامیفرستمت
۷	ہر دم غمی فرست مرا و گو بناز	۷	کجاں خفا از ترا خدایفرستمت
۸	ای غافل از نظر کہ شدی غلغلیں دل	۸	میگو محنت کاوشا میفرستمت
۹	تا مہربان نشوق منت آگہی دہند	۹	قوان غزل بساز و نو میفرستمت
۱۰	ساقی ہر یکہ ہا لعل عجب بجزردہ گفت	۱۰	بادر و صبر بکنہ و میفرستمت

(۱۱) حافظ و در مجلس ماؤز کہ خست
(۱۲) تعجیل کن کہ اسب و قبا میفرستمت

(۱) ترجمہ - اے ہر صبا میں - بجز ہر صبا کی جیتا ہوں - دیکھ کہ کہاں سے کچھ کہاں بھیجتا ہوں -

ہر صبح - ایک شہر پر زندہ - سبیا - کہ لعلیں کا شہر
یہاں ایک مشہور قرآنی قصہ کی طرف اشارہ ہے - حضرت سلیمان کو پرندوں پر بی حکومت
تھی - ایک روز ہر صبح کو اپنے آتشیاں سے غائب دیکھ کر ناراض ہوئے - اتنے میں ہر صبح آگیا اور کہا
کہ جب تک میں مسبا نہیں بھیجتا میں اس سورہ نمل یعنی میں آپ کے لئے شہر سبیا سے
ایک نمبر لایا ہوں یہ کچھ اس شہر کا ایک ہر صبح اور ایک کا حال سنایا میں گیا تو دیکھا کہ وہاں کی

ملکہ بلقیس بہت امیر ہے اور لشکر فراوان اس کے زیر فرمان ہے۔ وہ لوگ خدا کی عبادت نہیں کرتے۔ بلکہ سورج کی پرستش کرتے ہیں حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہدہ کو حکم دیا کہ اذہب بکتبی فالقہ الیہم کہ میرا نامہ لے جاؤ۔ اور وہاں سے آؤ۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اس نامہ میں ملکہ بلقیس اور اس کی رعایا کو دعوت اسلام تھی۔ ملکہ بلقیس کی طرف سے مندر جواب لیکر آیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے پھر کہا کہ اسے خود یہاں آنا چاہیے چنانچہ ملکہ بلقیس نے اپنے تخت کو محفوظ اور مقفل کر دیا اور خود لشکر ساتھ لیکر آئی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے ارشاد پر انکا وزیر آصف برخیا ایک حشیم زدن میں بلقیس کا تخت اڑالایا۔ افا انیاک قبل ان یدنک الیک طرفہ آخر کا بلقیس ایمان لائی۔ اور کہا۔ ظلمت نفسی واسلمت مع سلیمان۔ چنانچہ اس کا حضرت سلیمان علیہ السلام سے ترویج کا انتظام ہی ہو گیا۔

شاعر صبا کو قاصد کہتے ہیں۔ اس لئے خواجہ صاحب نے ہدہ صبا کہا۔ یعنی صبا کو ہدہ بنایا۔ صبا۔ اور صبا میں صنعت سخنیں ہے۔

صاحب تالیفات نے لکھا ہے کہ ہدہ سے مراد قوت متفکرہ۔ سیما مدینہ حبیب سلیمان دل اور بلقیس نفس ہے۔ مگر یہاں شاعرانہ طرز میں سمجھنا چاہیے کہ عاشق قاصد صبا کو معشوق کے شہر کی طرف روانہ کرتا ہے۔

(۲) ترجمہ۔ افسوس ہے۔ کہ تجھ سا پرندہ دنیا کے خاکدان میں ہو۔ میں اس جگہ تک پہنچاؤں شیان وفا کی طرف بھیجتا ہوں۔

آشیان وفا یعنی محبوب کی منزل۔ یہ شعر ہی ہدہ صبا کو مخاطب کر کے کہا گیا ہے۔ اور پچھلے شعر سے قطعہ بند ہے۔

(۳) ترجمہ۔ راہ عشق میں دور اور نزدیک کی مسافت نہیں۔ میں تجھے آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔ اور دعا بھیجتا ہوں۔

مرحلہ۔ منزل گاہ۔ کوچ گاہ۔ منزل۔ است بار کہو کی جگہ ماخوذ از رحل بمعنی پالان شتر۔ کوچ کرنا۔ است بالادنا۔ فاصلہ چار فرسنگ۔ بحیان۔ بحجر۔ عیان۔ پڑھنا غلط۔ آنکھوں سے دیکھنا۔ مجازاً ظاہر۔

مشتوق ہے۔ کہ معشوق اور عاشق کے درمیان کوئی فاصلہ نہیں۔ اور عاشق اپنے محبوب کو ہر حکم اور ہر وقت دیکھ سکتا ہے۔ قرآن کریم (سورہ ق) میں رب العزت کا ارشاد ہے۔
وَمَنْ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ مَّوَلٍّ (اور ہم انسان کی رگ جان ہی نزدیک تر ہیں)

مشتوق و معشوق عاشق ہر کیفیت اپنی

پہنچ کر پہنچے۔ ہر لمحہ اور تمام دعائیں اور تمناؤں کو اپنے ہاتھ سے پکڑ لیتا ہے۔
شمال۔ بالغ۔ وہ ہوا جو قطب یعنی شمال کی طرف سے چلے۔

(۵) ترجمہ۔ اپنے چہرہ میں خدا کی صفت کا باز نظر۔ کہ یہ خدا امانۃ تیرے پاس بھیجا ہوں
تعرّج (لا کشائش تنگی اور دشواری سے باز نہ رکھنا) خوشحالی (استعمالِ فارسی میں یعنی سیر تماشا
دیکھنا۔ مطلب یہ ہے۔ کہ تو اپنے چہرہ کو دیکھ کر خدا کی قدرت کا قائل ہو گا۔

در جا بہتہ بہتہ صفت پہنچ کر

تمام کائنات اور خاص کر خوبصورت چیزیں تیرے خدا میں کیونکہ خدا صرف اہی حرمت کو
ذریعہ نظر آتا ہے۔ اور یہ ہی کہا گیا ہے۔ کہ انسان اپنی حقیقت سے اگر آشنا ہو جائے تو خدا
کی حقیقت سے آشنا ہو جائے۔ من عرف نفسه فقد عرف ربه۔

(۶) ترجمہ۔ تاکہ تیرے غم کا لشکر لکڑی لکڑی کر ویران نہ کر دے۔ میں نے اپنی عزیز جان
بطور خراج تیرے پاس بھیجی ہے۔

غم عشق کا اور کوئی علاج ہی اس کو سوا نہیں کہ عاشق جان بکھیل جائے اور فنا فی المعشوق ہو جائے
(۷) ترجمہ۔ ہر وقت میری طرف ایکٹانے غم بھیج اور ناز سے کہہ۔ کہ یہ تجھے بڑا خدا تیری بات بھیجتا ہوں
معتوق کرتے ہی ہیں۔ خواجہ صاحب عرف یا دولا تے ہیں۔

(۸) ترجمہ۔ اے کہ تو نظروں سے غائب ہو کر ہول کا ہشتین ہو۔ میں خاکرتا ہوں۔ اور تیری تعریف کرتا ہوں
معتوق اگرچہ نظر سے غائب ہوتا ہے۔ مگر عاشق کے دل سے اس کا خیال کبھی دور نہیں ہوتا۔ اور معشوق

مطلق توفی الواقع ہر وقت دل میں موجود ہوتا ہے۔ قرآن کریم (سورہ الفعّال) میں ہے۔ واعلموا
ان اللہ یحول بین المرء وقلوبہ (جانو کہ خدا انسان اور اسکے دل کے درمیان حاضر ہوتا ہے)
دیکھو غزل ہذا کا شعر (۳)

(۹) ترجمہ۔ تاکہ مطرب میرے شوق پر ہنچو آگاہ کر سکیں۔ میں قول غزل سازوں کے ساتھ تیرے پاس بھیجتا ہوں۔

شاعر اپنا کلام سازوں کے ساتھ اس واسطے بھیجتا ہے کہ معشوق کو پڑھ کر سنایا جائے۔ تاکہ اس کو عاشق کے شوق کا اندازہ اس کے کلام سے ہو سکے۔

(۱۰) ترجمہ۔ اے ساتھی! کہ ہفت غیب نے مجھے بشارت دی ہے۔ کہ درویش صبر کر۔ تیرے لئے دیوا بھیجتا ہوں۔

ہفت۔ آواز دیوالا۔ ہم فاعل۔ ہفت معنی آواز۔ وہ فرشتہ جو عالم غیب سے آواز دیتا ہے۔ درویش کی دیوا شرا ہے۔ اور خواجہ صاحب کے نزدیک اس درد کا مقرر نسخہ یہ ہے۔

دیکھو شعراء علیہ السلام اس لئے ہفت کی بشارت کا مطلب انہوں نے یہ سمجھا۔ کہ ٹھیر شراب بھیجتا ہوں۔ اب ساتھی کو دیکھ کر خواجہ صاحب فرماتے ہیں۔ کہ مجھ پہلے خرد پہنچ چکا ہے۔ آئیے اور شراب عنایت کیجئے

(۱۱) ترجمہ۔ اے حافظ ہماری مجلس کا روز تیرا ذکر خیر ہے۔ جلدی کر کہ گھوڑا اور خلعت بھیجتا ہوں یعنی ہماری مجلس میں تیرا ذکر آیا۔ اور تیرے لئے دربار میں شریعت کے کیلئے سامان بھیجا جاتا ہو جلدی

آئین ممکن ہے۔ کہ یہ غزل خواجہ صاحب نے کسی کی مجلس میں کہی ہو۔ اور یہ شعر محمدی سے منسوب کر کے اس پر قبا کا ہکا سا تقاضا کیا ہو خواجہ صاحب کا تقاضا صلہ ہمیشہ الہی لطیف پیرا یہ بھیجنا چنانچہ اور کئی موقعوں پر یہی ایسے لطیف تقاضے موجود ہیں۔

غزل (۲۷)

۱	اے غائب از نظر مجھ کے سپار مت	جانم لبخوتی و بدلو دست، دار مت
۲	تا دامن کفن نہ کشم زیر پائے خاک	باور کن کہ دست زدا من بدار مت
۳	گر یا ندیم شدن سو ہاروت با بلی	صد گونہ ساحری کہن تا سپار مت
۴	خراب ہر وان نہا تا سحر گہی	دست غائب آرم و در گردن آرم مت
۵	خواہم کہ پیش مرستہ ای ہو فاطمیب	بمباز پرس کہ در تظار مت

۶	برجئے محم ہر کہ دروں بکار مست	۶	صد جو آب سبہ ام آرزیدہ در کنار
۷	سنت پذیر غفرہ خجنگزار مست	۷	خونم بریزو از غم بجان خلاص کن
۸	تخم محمدت است کہ دروں بکار مست	۸	مے گریم و مرادم ازین چشم شکبار
۹	آتش زخم دران لودیدہ برآر مست	۹	گردیدہ و دم کند آسنگ دگرے
۱۰	در پات و بدبم گہرازدیدیا ر مست	۱۰	بارم دہ از کرم سوئے خود تا بسو دل

(۱۱) حافظ شراف شاہ و زندگی وضع تست
(۱۱) فی الجملہ ہے کہی غفر و میگذار مست

(۱) ترجمہ - اے کہ تو نظر سے غائب ہے۔ میں تجھ خدا کو حوالہ کرتا ہوں۔ تو نے میری جان جلا دی تاہم میں تجھ دل سے دوست رکھتا ہوں۔
اسی مضمون پر حضرت انیسیر و دہلوی نے کہا ہے۔

جان زن بردی و درخانی ہنوز | و در ہادی و درانی ہنوز

(۲) ترجمہ - جب تک میں امن کفن کو پائے خاک کے نیچے نہ لیٹاؤں گا۔ یقین نہ کر کہ میں تیرا امن سے ہاتھ ہٹاؤں گا۔

مطلب یہ - کہ جیتے جی میں تیرا امن نہیں چھوڑوں گا۔ دوستی پاک رعایت ظاہر - و مضمون ہے۔ جو شعرت چاہیے۔

(۳) ترجمہ - اگر ہاروت بابل کو پاس میرا جانا ہو۔ تو سو طرح کی جادوگری کروں تاکہ تجھ پر نہیں لاؤں۔

یابل - عراق کا ایک شہر کا نام ہے۔ چاہے بابل میں ہاروت و ماروت کی قید کے متعلق دیکھو شعر الف ۱۱۱ کہتے ہیں۔ کہ اب تک ہاروت و ماروت لوگوں کو جو ان کے پاس جائیں فن سحر کی تعلیم دیتے ہیں۔ خواجہ صاحب کہتے ہیں کہ اگر میرا جانا وہاں تک ہو۔ تو ضرور جادو سیکھ آؤں۔ اور تجھ ہزار حیلوں سے اپنے پاس لانے کی کوشش کروں۔

(۴) ترجمہ - اپنے ابروؤں کا تخراب تجھ دکھا۔ تاکہ صبح کی وقت دوست دعا اٹھاؤں

اور تیری گزشتن میں نکل کر ملے۔

محراب۔ اندرون مسجد طاق جو قبلہ کی طرف ہوتا ہے۔ چونکہ محراب اہل حریشطان ہے۔ اس لئے یہ نام ہوا۔ بروکو بوجہ خم محراب سے تشبیہ دیتے ہیں۔

دعا سحر گئی عموماً قبول ہوتی ہے۔ اس لئے اس وقت دعا کرنے سے تجویب کی گردن میں ہاتھ ڈالنے کی امید ہو سکتی ہے۔ اور اگر معشوق کی محراب پر سامنے ہوگی یعنی معشوق نزدیک آگیا تو دعا کے بہانے ہاتھ اٹھا کر اس کی گردن میں ڈال دینا نہی ممکن ہے۔

(۵) ترجمہ میں چاہتا ہوں کہ لے بیوفا طیب تیرے سامنے حروں بیمار پر سی کو آگے میں تیرے انتظار میں ہوں۔

مطلب صاف ہے۔ بیمار عشق کی تمنا ہے۔ کہ وہ دم واپس اپنی معشوق کو ایک فہم دیکھ لے (۶) ترجمہ۔ میں نے پانی کی کٹی نہریں آنکھوں سے جاری کر کے اپنے کنار میں باندھی ہیں۔ تیری محبت کے تخم کی امید پر جو میں اپنے دل میں پوتا ہوں۔

بوائے۔ سوائے معنی مشہور یعنی امید۔ طبع۔ سراغ۔ محبت۔ جس طرح کاشتکار تخم ریزی کر کے اپنے مزرعہ کی سیرابی کے لئے نہریں باندھتا ہے۔ عاشق نے بھی اپنے مزرعہ دل کی سیرابی کیلئے جہیں اس نے محبت کا بیج بویا ہے سیلاب اشک سے نہریں بنائی ہیں۔ کشت محبت کیلئے آب اشک ضروری ہے۔ اور اس کے سوا اس کی بار آوری ناممکن۔ لسان العصر۔ سید اکبر حسین بی لسان الغیب خواجہ حافظ کا ہم خیال ہیں۔ مگر ان کو خطرہ ہے۔ کہ کہیں اس نہر پر سی واطر میں تشبیہ نہ ہو جائے۔ وہ کہتے ہیں۔

کشت دل کو فہم پہنچے اشک ایسی حیرتی | دیدہ گریاں ہو اور گیس کی بجائے

(۷) ترجمہ۔ تجھ قتل کر اور غم بھر سے تجھے رہا کر۔ میں تیرے حجر گذار غمزہ کا ممنون انسان ہوں خواجہ صاحب کسی نہ کسی بہانے معشوق کو بلانا چاہتے ہیں اس کا آئے غم حجر تو جاتا ہے پھر غمزہ ریزی کی ہی ضرورت نہ رہے گی تیرے غمزہ اور حجر غمزہ مشہور غمزہ یعنی اشارہ چشم حجر گذار صفت غمزہ موصوفت۔

(۸) ترجمہ۔ میں رونا ہوں اور تجھ سے میری غرض۔ تیری محبت کا بیج ہے۔ جو میں اپنے

دل میں بوتائوں۔

یعنی تیری محبت کی بچ کی سبزی مطلوب ہے۔ وہی مضمون ہے جو شعر نمبر ۱۹ میں ہے۔
(۹) ترجمہ۔ اگر میری نگہ یا دل کسی اور کا خیال کرے۔ تو ایسے دل میں لگادوں
اور آنکھ نکال کر تیرے پاس بھیجیوں۔

آہنگ۔ طرز۔ روش۔ کیش۔ قصد۔ ارادہ۔

(۱۰) ترجمہ۔ مجھے اپنے پاس مہربانی سے آنے دے۔ تاکہ سوز دل تو تیری پاؤں پر دم بہ
آنکھوں سے موتی برساؤں۔

یار۔ یہ لفظ کثیر المعانی ہے۔ (۱) خدا کا نام ہے (۲) انبار (۳) بزرگی (۴) گرائی۔
(۵) بزرگ و نیکو کار (۶) نصیب (۷) نصرت و دخل۔ یہاں انہی معنوں میں متعال ہوا ہے۔
(۸) بیخ و بن درخت (۹) مراد و کار (۱۰) مرتبہ۔ (۱۱) بارگاہ (۱۲) کسی چیز کی زیادتی (۱۳) چل
(۱۴) چلنے والے (۱۵) غش (۱۶) ایک ساز کا نام ہے۔ ان کو علاوہ او کوئی معنی ہیں۔

آنکھوں سے موتی برسانا یعنی رونا۔ دربار میں جا کر نذر کے موتی بٹا کر ناسم ہے
(۱۱) ترجمہ۔ اے حافظ شرب نشاہد اور زندگی تیری وضع کے شایاں نہیں۔ مگر خیر
تو کرتا ہے میں معاف کر دیتا ہوں۔

فی الجملہ۔ (۱) تہوڑا (۲) اصل۔ شاہد۔ معشوق۔ صاحب حسن و شہما۔

مطلب یہ ہے کہ میں مانتا ہوں کہ یہ کام میرے مناسب حال نہیں۔ مگر قصہ کوتاہ یہ کہ میں
کرتا ہوں۔ اور خداوند کریم کی مہربانی پر امید ہے۔ کہ وہ مجھے معاف کر دیگا۔
فروگذاشت (۱) یعنی قصور۔ قبول جانا (۲) قصور معاف کرنا۔ چھوڑ دینا۔

نعل (۲۸)

بجان خواجہ حق قدیم و عہد دہشت	۱	کہ مونس صبح دعا ہے دولت تست
سرشک من کہ ز طوقان نوح و نوح	۲	ز لوح سینہ نیا رشتش مہر تو نشست

۲	کہ باہنگ کی ارزد بصد ہزار دروست	۲	بلن معاملہ و این دل گشتہ بجز
۴	نہیکنی بترجم نطاق سلسلہ است	۴	شدم ز عشق تو شیدا کوه و دشت ہوز
۵	حوالہم خبر بات کرد روز نخست	۵	ملا تم بجزابی کمن کہ نہ شد عشق
۶	چو لاف عشق زدنی سرباز چاک چیت	۶	درا طمع مسب از لطف و نہایت دوست
۷	کہ خواجہ خاتم جم یا وہ کرد و باز نخست	۷	زبان مور بر صفت دراز گشت از ان
۸	کہ از دروغ سیرہ رو گشت صبح نخست	۸	بصدق کوش کہ غور شیدا انداخت

مرنج حافظ و از دلبران فاکم جو (۹)
گناہ با غچہ بستہ و ابر گیاہ ہرست (۹)

(۱) ترجمہ - خواجہ کی جان حق قدیم اور عہد درست کی قسم ہے کہ میری صحیح مکتبہ تیری دعائے دولت ہے۔

خواجہ - خداوند - القاب ساوات توران ملک و وزیر مونس - ہم دم آرام پذیر و آب کی جان - دریمینہ ایام عہد و پیمان کی قسم ہے - کہ ہر صبح آپ کے از یاد دولت کی دعا کرتا ہوں - یہ شعر مدوح محض و محبوب مطلق ہر سہ کیلئے ہو سکتا ہے - صورت آخر میں عہد درست سے عہد مثاق مراد ہوگی - اور دعائے دولت سے مراد مطلق نیاز مندی -

(۲) ترجمہ - میرے آئینہ جو طوفان فوج سے بھی بازی لے لیتے - لوح سینہ سے تیری محبت کے نقش کو نہ دھو سکے -
فوج اور لوح میں تجنیس خطی -

اسی مضمون کیلئے دیگر شعر مت پناؤ
(۳) ترجمہ - یہ سوداگر اور میرے شکستہ دل کو خرید لے کہ باوجود شکستگی کے لاکھوں صحیح سالم دلوں کی قیمت رکھتا ہے -

ظاہر ہے کہ جو دان رہ عشق رکھتا ہو - وہ ہزار میرد دلوں سے اچھا ہے - اور جو بکے نزدیک دل کی قیمت لاکھ دو سو دلوں سے زیادہ ہے - ڈاکٹر اقبال نے اسی مضمون پر کہا ہے -

(۱) ترجمہ۔ میں تیرے عشق میں کوہ و بیابان کا شنیدہ ہو گیا۔ اور اب بیک وقت احم و سوزِ خیر کے بند کو ڈھیلہ نہیں کرتا۔

عاشق کو جنون عشق میں یا بیان نوردی کا شوق ہوتا ہے۔ مگر اس کو یا زنجیر کہا جاتا ہے۔

سلسلہ بمعنی زنجیر اسمی۔ نطاق بمعنی بند

(۵) ترجمہ - میرے خراباتی تو نے پرلاہمت نہ کر کہ مرشد عشق نے مجھے پہلے دن ہی خرابات کے حوالہ کر دیا۔

دنیا خود ایک خرابات ہے۔ یہاں آتا ہی خرابا تہی ہوتا ہے۔ اور یہ تمام خدا کے خستیا میں تھا۔ اسی مضمون کیلئے دیکھو شعر الف بے اور شعر الف جے الف بے الف بے روز الست اور شراب کی طرف ہی اشارہ دے سکتا ہے۔

(۶) نثر مجہد - اے دل دوست کے بے انتہا لطف و امداد سے قطع نہ کر جب تو نے عشق کا دم مارا۔ تو حسرتی اور چالاک سے ہم پر کھل جا۔

مطلب نیہ۔ کہ جب تو نے عشق کی لاف زنی کی ہے۔ تو مناسب یہ کہ ایسے پیش نہ کر اور وصالِ محبوب کی امیدِ معان نہ کھیل جا۔

لکن میں تیری کل کڑی جو نہ مجھ کو دریائے غم سے۔

گئے وہ کو انکمہ بند کر کے نہ وار دیگیا نہ یار دیگیا

اگر چہ عشق کی نسبت ہم ابتدا میں کچھ تشریح کر چکے ہیں۔ مگر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس موقعہ پر توجہ اجمالاً کچھ بیان کریں۔ کیونکہ فواجہ صاحب نے اس شعر میں قسم کی کامیابی اور شہرِ کل جوں کیلئے ایک بڑا اور اصل گہر بتایا ہے۔ کسی نعلین یا شے کی محبت جب تک ظام ہوتی ہے۔ برائے نام ہوتی ہے۔ اور اس کا اثر محض زبان پر ہوتا ہے۔ مگر یہ اثر کچھ فائدہ نہیں کرتا۔ بلکہ ضرر رسان ہوتا ہے۔ اور اخلاقی گناہ ہے۔ جب یہ محبت عشق کے درجہ پر پہنچ جاوے۔ تو عاشق کے دل میں سوا معشوق یا مطلق کے باقی حیلہ شایء کی محبت نہیں رہتی اسلئے وہ حصولِ مطلب کیلئے

حسب ضرورت حال و اولاد اور جان کے قربان کرنے میں دریغ نہیں کرتا اور جب اتنا ایثار کیا جاوے۔ تو بلاشبہ مطلوب مل جاتا ہے۔ اسلئے خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ یا تو تو محنت کا نام نہ لے۔ یا جب عشق کی لاف مارتا ہے۔ تو سر دنیا آسان بچہ۔ کیونکہ خدا کے الطاف سے کراں میں جو کچھ تو نے دیا ہے۔ اس سے بدرجہا زیادہ وہ اور تجھے عنایت کرے گا۔ (۷) ترجمہ۔ جیونٹی نے آصف پر اسلئے زبان درازی کی کہ خواجہ نے خاتم جملم کر دی اور پھر نہ ڈھونڈی۔

اس شعر میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے قصہ کی طرف اشارہ ہے۔ آصف ان کے وزیر کا نام ہے۔ خواجہ سے مراد حضرت سلیمان ہے۔ ایک دفعہ خدا رب توکل نہ کرنے کی سزا میں حضرت سلیمان کی انگوٹھی جس کی برکت سے وہ بادشاہی کرتے تھے گم ہو گئی اور ایک لڑکھڑے نام کے ہاتھ آگئی۔ چنانچہ وہ چالیس روز حضرت سلیمان کے تخت پر بیٹھا۔ بعدہ وہ انگشتی ان کے قبضہ میں آگئی۔

حضرت سلیمان کے وزیر برچیوٹیاں ہی باوجود اپنی کم بضاعتی کے زبان درازی کرتی ہیں۔ کیونکہ حضرت سلیمان کے پاس وہ چیز جس کی برکت سے وہ ملطنت کرتے تھے وہی اسی طرح جب کسی قوم یا افراد قوم سے نورایمان جاتا رہتا ہے۔ تو وہ دلیل ہو کر ہرگز وہ کے مورد لعن طعن ہو جاتے ہیں۔ اور غلامی کی زندگی گزارنے پر مجبور (۸) ترجمہ۔ سچا بننے کی کوشش کر۔ تاکہ تیرے نفس سے آفتاب پیدا ہو۔ کیونکہ جہوٹ کی وجہ سے صبح کاذب سیہ رو ہوئی۔

صبح سخت۔ یعنی صبح کاذب یا صبح ملعنتاب۔ کاذب اس لئے کہتے ہیں۔ کہ فی الحقیقت یہ صبح نہیں ہوتی۔ تھوڑی دیر روشنی رہتی ہے۔ اور پھر تاریکی طاری ہو جاتی ہے۔ اس تاریکی کے بعد پھر صبح صادق ظہور ہوتا ہے۔ جسے صبح دوم۔ صبح ثانی آخرین۔ صبح راست یا صبح راست خانہ ہی کہتے ہیں۔ یہ طلوع آفتاب کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔ شعر کا مطلب یہ ہے۔ کہ تو راست بازی اختیار کر۔ کہ اس کا انجام اچھا ہو گا۔ جہوٹ صبح صادق کا انجام طلوع آفتاب ہوتا ہے۔ اگر تو دروغ گوئی کرے گا۔ تو اگرچہ عارضی طور

سیرتیرے چہوت کو فروغ ہوگا۔ مگر اثر کارروسیا ہی ہوگی جس طرح صبح کا سورج ہوٹری
اور کیلئے روشنی پیدا کرتی ہے۔ اور پھر اندھیرا چھا جاتا ہے۔
نفس۔ یعنی سانس یہ لفظ صبح کے لئے ہی استعمال ہوتا ہے۔ رعایت ظاہر۔
یہ شعر اخلاق میں ہے۔

(۹) ترجمہ۔ اے حافظِ بخیرہ نہ ہو۔ اور معشوقوں سے وفانہ ڈھونڈ۔ اگر یہ گیاہ
پیدا نہیں ہوا۔ تو باغ کا کیا قصور۔

کم۔ اگرچہ محاورہ فارسی میں معنی انوکھ تھیلی ہے۔ مگر اکثر معنی نفی مطلق استعمال
ہوتا ہے۔ مطلب یہ۔ کہ خدا نے معشوقوں کی سرشت میں وفائیں رکھی ہیں۔ پس اگر وہ
وفانہ کریں۔ تو ان کا کیا گناہ ہے۔ باغِ حسن میں گیاہ و فاسید ہی نہیں ہوتا۔

ریاضِ ہر میں ہیں رنگ بگنے پھول [۱۰] وفا کی جس میں ہو بوجہ کلی نہیں ملتی

دیوانِ حافض کے مروجہ نسخوں میں بجائے گناہ باغ کے گیاہ باغ لکھا ہے۔ اور مناسب
گلبنِ معرفت نے اسی نسخہ کے مطابق مصرعِ ثانی کا یہ ترجمہ کیا ہے۔ ”باغ کی گہاس کیا چیز
ہے۔ جب یہ گہاس اکھٹری جائے یہ ترجمہ میری فہم سے بالاتر ہے۔ اگر وہ پتھروں کو
صحیح مانا جائے۔ تو یہ مطلب ہوگا۔ کہ معشوق سے وفا کی امید نہ رکھ۔ اور ان کی یوفائی پر
رنجیدہ خاطر نہ ہو۔ کیونکہ باغِ حسن میں جہاں ہر طرح کے خوش رنگ اور خوش بودار پھول موجود
ہیں۔ وہاں گہاس کا ہونا ہی ضروری ہے۔ اور یوفائی کی گہاس اگر باغِ حسن میں موجود نہ
ہو۔ تو اس باغ کی گہاس کیا ہوگی۔ مگر یہ مصرع میں لفظ وفا ہے۔ یوفائی نہیں اور گیاہ
کو ہی باغِ حسن کا خارج بنانا جائز ہے۔ کیونکہ وہ ہی باغ کیلئے ایک نینت ہے اسلئے نسخہ او
یعنی اختیار نہیں کیے گئے۔

اگر اس شعر میں باغ سے مراد دنیاوی جاوے۔ اور دلبران سے دنیا کے حملہ سامان۔
جن میں قدرتِ دل کفی ہے۔ تو زیادہ مناسب ہوگا۔ کیونکہ دنیا و مافیہا ناپائیدار اور فانی
ہیں۔ اور ان سے وفا کی امید رکھنا صریح غلطی ہے۔

نخل (۲۹)

۱	خلوت گزیدہ را تنها شاہچہ حاجت	چون کدو دوست بصر اچہ حاجت
۲	جانا بجایے کہ ترا هست یا خدا	آخرے برس کہ مارا چہ حاجت
۳	اے یاد شاہ حسن خدا را بہتیم	باری سوال کن کہ گدرا چہ حاجت
۴	ارباب حاجتیم و زبان سوال نیست	در حضرت کریم تمننا چہ حاجت
۵	جام جہاں نماست صلیب منیر دوست	اظہار احتیاج خود انجا چہ حاجت
۶	آن شکر کہ بار منت ملای بر حق	گو ہر خود مست او بدریا چہ حاجت
۷	اے مدعی برو کہ مرا با تو کار نیست	اجاب حاضر اند با عدا چہ حاجت
۸	محتاج جنگ نیست گرت قصہ خون است	چون خست از این نیست نیاز چہ حاجت
۹	اے عاشق گدا چو لبخ بخش یار	میدانند وظیفہ نقت اضایہ حاجت

(۱۰) حافظ تو ختم کن کہ ہنس خود بیان شود
(۱۰) باندگی نزع و محابا چہ حاجت

(۱) ترجمہ - گوشہ نشین کو تماشا کی کیا ضرورت - جبے ست کلوچہ موجود ہے -
تو مجھہ کی کیا حاجت ہے -
خلوت - عزلت - اکیلا رہنا - گوشہ نشینی اختیار کرنا - تماشا - عربی لفظ ہے -
مصدر از باب تفاعل - در اصل تماشا تھا - ماخوذ از مشتے - استعمال فارسی میں حسب معمول
مصادر جو قسم تماشا لکھتے ہیں - اصل میں اس کے معنی ایک دوسرے کے ساتھ مل کر پیادہ چلنے
کے ہیں جس طرح دوست اشتغال فرقہ کیلئے پیادہ سیر کرتے ہیں - مجازاً بمعنی تفرج
دیکھنا - نظارہ شوق سے دیکھنا -

مطلب یہ ہے کہ عزالت گزین آدمی کو آنکھ نہ بند کر کے معشوق کے خیال میں غرق ہو جانا چاہیے۔ کوئے دوست کی موجودگی میں سیاہاں نوردی کا کھیم فائدہ نہیں۔
 کوئے دوست سے عاشق کا دل ہی مراد لے سکتے ہیں۔ کیونکہ وہ معشوق کی منزل گاہ ہے
 کج عزالت میں عاشق کو اپنے دل کو مطالعہ سے مشاہدہ محبوب محال ہو سکتا ہے۔
 مرزا بیدل کہتے ہیں

ستم است گرموست کشد کہ بستر فرسمن در
 تو ز غنچہ کم ندر فیروز دل شامپن در

(۲) ترجمہ۔ اے معشوق اس حاجت کیلئے جو تو خدا سے رکھتا ہے۔ آخر کبھی پوچھ کہ ہماری کیا حاجت ہے۔

یعنی تو ہماری حاجت برآری کر خدا تیری مراد مانگا۔ شیخ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتا ہیں

خواہی کہ خداے بر تو بخشد - | با خلق خداے کن محو ی -

اسی مضمون پر ہے۔

کار در ویش - تمند برآر - | کہ ترا نی زکار ما باشد

اسی مضمون پر رسول خدا صلعم فرماتے ہیں۔

(۱) لا یوحی اللہ من زلایہ رحمہ الناس۔ خدا اس پر رحم نہیں کرتا جو لوگوں پر رحم نہ کرے

(۲) من کان فی حاجۃ راحیہ کان اللہ فی حاجتہ۔ یعنی جو آدمی بھائی کی حاجت

روائی کرے۔ خدا اس کی حاجت روائی کرتا ہے۔ (۳) المخلوق عیال اللہ فاللہ المخلوق

اللہ من احسن ائے عیالہ خلقت خدا کی عیال ہے۔ پس خدا کے نزدیک

محبوب تر خلقت میں سے وہ ہے جو اس کے عیال پر مہربانی کرے۔

(۴) ترجمہ۔ اے حسن کے بادشاہ۔ خدا را ہم جل گوی کہی تو پوچھ کہ سائل کی کیا حاجت

خدا را۔ یعنی برائے خدا۔ خدا کی واسطے۔ دوسرے مصرع کے متعلق ہے۔

ایم ترجمہ۔ ہم صاحب حاجت ہیں اور سوال کی زبان نہیں فیاض درگاہ غم بخش کی کیا حاجت

تمنا۔ آرزو۔ دراصل تمنا ہے۔ فلاحی استعمال میں تمنا کہتے ہیں۔

ہم محتاج ہیں۔ مگر سوال نہیں کرتے۔ کیونکہ سخی کے دربار میں مانگنے کی ضرورت ہی نہیں۔
(۷) ترجمہ۔ دوست کا ضمیر روشن جام جہاں نما ہو۔ حاجت ظاہر کرنے کی وہاں
کیا ضرورت۔

جام جہاں نما۔ تحقیق کیلئے دیکھو شعر: ضمیر۔ جودل میں گذرے۔ دل کا حال بھید
مجازاً دل۔ اسی مضمون پر مٹولت نے کہا ہے۔

جو کار ساز حاجات آگہی دارد | برائے چسپتے عاویچہ سود حرف ہوال
(۸) ترجمہ۔ وہ وقت گیا کہ میں طلاح کا زیر احسان ہوتا تھا۔ جب موتی ہاتھ آگیا تو دریا کی گھاٹی
طلاح۔ کشتی بان۔ ناخود اذلم۔ یعنی پر وبال مرغ۔

گو ہر کے دستیاب ہونے پر دریا میں غواہی کی ضرورت نہیں رہتی۔ اور نہ طلاح کے ممنون احسان
ہونے کی حاجت رہتی ہے۔ اسی طرح گو مقصود کے ہاتھ آنے پر یعنی اطمینان قلب حاصل ہونے
پر انسان اسباب سے آزاد ہو جاتا ہے۔ اور منزل مقصود پر پہنچ کر سالک کو راہبر کی ضرورت ہی
نہیں رہتی۔ اور جسکو خدا پر توکل ہو۔ وہ تو دریا میں بھی ناخدا کا احسان نہیں اٹھاتا۔

احسان ناخدا کے اٹھائے مری بلا | انشتی خدا یہ چوڑوں لشکر کو توڑ دوں

(۹) ترجمہ۔ اے مدعی جا۔ میرا خیمہ سب کچھ سرور کا نہیں۔ دوست موجود ہیں۔ دشمنوں
کی کیا حاجت ہے۔

مدعی۔ دعویٰ کرنے والا۔ مجازاً دشمن۔
مطلب یہ ہے۔ کہ معشوق ہم پر ہر بان ہے۔ رقیبوں سے کیا کھٹکا ہے خدا ہمارا
ساتھ ہے۔ ہم کو کس کا ڈر ہے

(۱۰) ترجمہ۔ اگر تو ہمارے خون کا ارادہ کرتا ہے تو جنگ کی حاجت نہیں۔ سامان
ہی تیرا ہے۔ تو لوٹنے کی کیا ضرورت ہے۔

محتاج۔ بمعنی حاجت مند۔ بیان بمعنی حاجت۔ یا اس طرح کہو۔ کہ تیرے ارادہ
کی تکمیل محتاج جنگ نہیں ہے۔

مطلب یہ۔ کہ جان تیری مٹی مٹی چیز ہے۔ یعنی تیری چیز ہے۔ اس لئے اسکو بغیر جنگ اور لڑائی کی

تو لے سکتا ہے۔ ایہ کہ میرا دل تیری پیڑ ہے۔ تو۔ سے بغیر لڑائی کے لے سکتا ہے۔ مگر معشوق خواہ خواہ لڑکر لیتے ہیں۔ عری کہتا ہے۔

یہ ملک کسی من رو نہادہ سلطانے آگاہ بیلخ درہم اور بخت گسیہ گرو

(۹) ترجمہ۔ لے گا لڑ عاشق جب معشوق کا رعب بخش اب تیری وظیفہ کا آگاہ ہے تو مانگنے کی کیا ضرورت ہے۔

گدا۔ مانگنے والا از مصدر گد یعنی مانگنا۔ مگر عام استعمال میں گدا کو مصدر بمعنی دے کر گدا گرفتار علی معنوں میں استعمال کرتے ہیں۔ جو غلط العام ہے۔

وظیفہ۔ جو چیز کسی آدمی کیلئے بطور امداد روزانہ مقرر کی جائے۔ راتبہ۔ روزانہ مطلب یہ۔ کہ معشوق جانتا ہے۔ کہ عاشق کا وظیفہ سبحان پرور کا پوسہ ہے۔ اور جب وہ جانتا ہے۔ تو خود دیکھا۔ مانگنے کی کیا ضرورت ہے۔

(۱۰) ترجمہ۔ لے گا حافظا لبر کن ہنر خود بخود ظاہر ہو جاتا ہے۔ دیکھو ساتھ صلح و جنگ کی کیا ضرورت محال ہے۔ یضم میم۔ دراصل محال ہے۔ فارسی استعمال میں ت حذف کر دیتے ہیں۔

معنی مروت۔ اعانت صلح ضد جنگ۔ نزاع و محال یعنی جنگ صلح مراد صرف لڑائی جگہ آگاہ یہ شعر بھی خواجہ صاحب نے اپنے حاسدوں کے متعلق لکھا ہے۔ زمانے میں کہ دنیا خود فیصلہ کر لیگی۔ تو حاسدوں سے کیوں لڑتا ہے۔ ہنر پوشیدہ نہیں رہ سکتا۔

غزل (۳)

خوشتر پیش و صحبت باغ و بہار	۱	ساتی کی است گویا بہار چیت
معنی آب زندگی و روشنی و ہر	۲	جز طرف حق بہار کے خوشتر چیت
ہر وقت خوشتر کہ دست و ہر شمار	۳	کس کو قوت نیست کہانی کا بہار
بیونہی بے ہوشیت ہوشدار	۴	غوا غوا بے ہوشیت غم روزگار چیت
راز دروں پردہ ز رندان مست پرست	۵	لے دے نزع تو با پردہ دار چیت

مستور دست ہو وچو ازیک قبیلہ اند ۶ مادل العنود کہ درہم دنیا رحیمیت
سہو خطائی بندہ چو گیرند اعتبار ۷ معنی عفو و رحمت پروردگار رحیمیت

(۸) زابشر اکبر ترو حافظ پیا لہ خواست
(۸) تادرمیانہ خواستہ کردگار رحیمیت

(۱) ترجمہ گل - عیش - صحبت - باغ اور بہار سے اور کونسی چیز اچھی ہے - ساقی
کہاں ہے - بتاؤ وجہ انتظار کیا ہے -

بادہ نوشی کیلئے سب سے اچھا موسم موسم بہار اور رب اچھی جگہ باغ ہے - اور
ساتھ جمع ہی ہو - اور دل میں ولولے ہی - تو پھر ساقی کو ضرور بزم آرا ہوتا چلا ہے - کیونکہ
اسی بہتر وقت پھر ہاتھ نہیں آسکتا -

(۲) ترجمہ - آب حیات اور باغ بہشت سے مراد اگر کنارا آب و شراب خوشگوار نہ ہو تو اور کیا ہو
الحم - عاد کے شہر اور عاد کے باپ کا نام ہے - بہشت شداد کا نام ہی ارم ہے
آٹھویں بہشت کا نام غلطی سے مشہور - مجاد یعنی بہشت استعمال ہوتا ہی - کہتے ہیں
کہ ارم شداد خضر موت اور صنغان کے درمیان واقع اور بارہ فرسنگ مربع تھا -

خواجہ صاحب کہتے ہیں کہ آب حیات اور کچھ چیز نہیں - شراب کو ہی آب حیات سمجھنا چاہئے -
اور باغ ارم ہی سوائے لب جو کے اور کچھ شے نہیں - شراب عشق اور حیات جاوید کیلئے کچھ بھر دینا
(۳) ترجمہ - خوشی کا جو وقت ہاتھ آئے غنیمت جان کسی کو علم نہیں - کہ انجام کار کیا ہے -
معتد بنم - بھج نون - جس چیز کو غنیمت سمجھا جائے -

اسی مضمون پر ہے -

لے دوست یہاں ہم فردا نحریم وین حکیم عیش را غنیمت شمریم

آزاد خیال انسان کو عیش نقد سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں -

اگر شمع خوارک آئندہ خیال است غنیمت دانی میں دم را کہ حال است

(۴) ترجمہ - عمر کا پیوند بال سے بند ہوا ہے - ہوشیار رہ اپنی تجویزانی کر زمانہ کا کیا ٹھہ ہے -

مطلب یہ ہے کہ رشتہ عمر بالکل کمزور ہے۔ اور زینت کم کا بڑا ہنس اپنا غم غلط کرنے کی فکر کر۔ دنیا کے افکار کو نزدیک نہ آتے دے۔

(۵) ترجمہ۔ پردہ کے اندر کارا ز مست رندوں سے پوچھیں۔ لے مدعی پردہ دار سے تیسرا کیا جگڑا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ زائد ان ظاہر پرست سلطان عشق کی حریم حرم کے صرف پردہ دار ہیں۔ اندرون پردہ کا حال ان کو کچھ معلوم نہیں۔ وہ راز صرف مستان عشق کے سینے میں ہے۔ مدعی سے پیار حرم شخص مراد ہے۔ جو راز دار ہونے کا صرف دعویٰ کرتا ہے۔ فی الحقیقت روز عشق سے واقف نہیں۔

قریباً اسی مضمون پر ہے شعر الف۔ اور مصرع اول دونوں شعروں میں ایک ہی ہے۔ بعض نغموں میں یہ مصرع اس طرح ہے "راز دروں پردہ چہ دانز فلک خوش"۔ اور مروی بعض نغموں سے بہتر ہے۔ معنی صاف ہیں۔ فلک کو پردہ دار کہا ہے۔

(۶) ترجمہ۔ مستور و مست دونوں ایک ہی قبیلہ میں ہیں۔ تو ہم کس کنار پر دل میں مستور و مست۔ ضد یکدیگر ہیں۔ ہوسشیا و مست یا زائد و رند۔ عشوہ۔ بالکسر بمعنی ناز و فریب۔ معشوق کی کوئی حرکت جس سے عاشق کا دل فریفتہ ہو جائے انداز۔ ادا۔

مطلب یہ ہے کہ زائد جو یا بند شرع ہے اور مست جو ان قیود سے بالا ہے۔ دونوں ایک ہی مطلوب کے طلب گاریں۔ اب ہم معلوم نہیں کہ ہم کس روش کو اختیار کریں۔ اور نہ ہی ہمارا انتخاب ہمارے اختیار میں ہے۔

جب رشتہ اکیلے دیکھو شعر الف۔ مستور و مست کی لفظی مشابہت ظاہر۔ (۷) ترجمہ۔ اگر انسان کی سہو و خطا پر ہی اعتبار ہے۔ تو پروردگار کی غفور و رحمت کو کیا معنی ہیں۔

سہو۔ بے احتیاطی۔ فراہموشی۔ بھول جانا۔ غافل ہونا۔ اگر انسان کے اعمال پر ہی صرف اعتبار ہے۔ اور اس کے ثواب و عذاب کیلئے صرف یہی

معیار ہے۔ تو خدا کی نعمت اور رحمت کس لئے ہے۔ اور اس کو غفور الرحیم ہونے سے کیا مراد؟

اگر من بکنم گناہ رحمت چہ بود (۱) آرائش رحمت گناہ کو سبوتا

اسی مضمون پر ہے۔ لفظی کجی کا یہ شعر۔

گناہ من ار نادے در شمار ترا نام کے بودے آمر زگار

مخبر خیام نے اسی خیال کو نہایت تیز اور تین ترافقا میں اس طرح ادا کیا ہے۔

ناکردہ گناہ در ہاں کیست جگو آنکس کہ گناہ نہ کرد چون لیت جگو

من بکنم و تو بد مکافات و ہی پس فرق میان من و تو چیست جگو

حدیث ہے۔ ان الله تجاوز عن امة الحنفاء والنسيان۔ یعنی اللہ تعالیٰ میری

امت کے سہو و خطا سے درگزر کرے گا۔

(۸) ترجمہ۔ زائد نے شراب کو تر اور حافظ نے جام سے ک خواہش کی۔ ویکھئے کہ خدا

کی رضا کیا ہے۔

کوثر بہشت کی ایک نہر کا نام ہے۔ جس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سبز یا دودھ

میٹھا ہے۔ اس کا پانی ایک حوض میں بھرتا ہے۔ نبی آخر الزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وہ

حوض قیامت کے روز عطا ہو گا۔ اور آپ اپنے دست مبارک سے آنچور سے بہرہ بردار ہوا

کو پانی پلائیں گے۔ پھر کسی کو پیاس نہ لگیگی۔ شراب کو تر سے مراد آب کوثر یا شراب طہور۔

خواستہ۔ رضا۔ مرضی۔ مصدر خواستن سے جس چیز کی خواہش کی جائے۔

مطلب یہ کہ زائد شراب کو تر کا طالب ہے۔ اور حافظ جام شراب کا یعنی زائد

کے لئے غایت الآمال شراب کو تر ہے۔ اور ہمیں اس پیالہ کی خواہش ہے جس میں

میں ہم عکس رخ یا ردیکہ ہیں (دیکھو شعر الف) ہم اور کسی نعمت کے طالب نہیں ہیں۔

ویکھئے خدا کو کیا منظور ہے۔ اور کون فائدے میں رہتا ہے۔

غزل (۳)

۱	ماہم ایں ہفتہ شد از شہر و کتبیم سالیست	۱	حال بحر اتق جہ دانی کہ مجہ مشکل حال نیست
۲	مردم دیدہ ز لطف رخ او در رخ او	۲	عکس خود دید گمان کرد کہ مشکلیں خالیست
۳	ایکے اکشت منائی بجرم در ہمہ شہر	۳	وہ کہ در کار غریب ال غیبت اہمالیست
۴	میچکد شیر بنواز از لب بچوں شکرش	۴	گرچہ در عشوہ گری ہر شہرہ اش قنالیست
۵	بعد از تخیم نبود شائبہ در جوہر فرزد	۵	کہ دہان تیغ درین کتہ خوشن تدالیست
۶	مژدہ دادند کہ بر مالکد سے توانی کرد	۶	نیت خیر مگردان کہ مبارک فالیست

(۷) کوہ اندوہ و فراق ت بچہ حیل ت بچشد
(۸) حافظ خمستہ کداز تانش چون الیست

۱۔ کوہ اندوہ یعنی اس پہلے شہر سے گیا اور پھر چوتھے پہلے ایک سال اندر واپس ہے۔ تو فراق کی حالت کو نہیں بیانتا۔ کہہ چکی شکل ہے۔

ماہ۔ یعنی چاند و مہینہ مجازاً مستشوق۔ لفظ شہر ہی عربی میں معنی ماہ ہے۔ ماہ ہفتہ سال میں صنعت ایہام مرتب ہے۔

قاعدہ ہے۔ کہ جب کوئی آدمی کسی تکلیف یا مصیبت میں ہوتا ہے۔ تو اس کی ایک ایک گھڑی ایک ایک سال کے برابر ہوتی ہے۔ اور عاشق کے لئے پھر کی راتیں قیامت کے دن۔ سے بھی بڑی ہوتی ہیں۔

میرگز رو بسوز یک روز سالے کن حساب بچوں خواہد گذشتہ سالم
۱۔ ترجمہ۔ آنکھ کی پتلی نے معشوق کو چہرہ کی لطافت سے اس کو چہرہ پر اپنا عکس دیکھا۔ اور گمان کیا کہ یہ سال ہے۔

لطف - نرمی - تازگی - پاکیزگی - صفائی - شفاف ہوتا۔

معشوق کے چہرہ کو اس قدر صاف اور شفاف کہہ لے۔ کہ اس کو دیکھنے والے کی آنکھ کی پتی کا عکس اس کے چہرہ پر پڑ گیا۔ اور دیکھنے والے نے سمجھا کہ دل ہے۔ (مبالغہ ہے) خال اور مردم دیدہ رنگ اور شکل میں مشابہ ہیں۔ اگر عالم کثرت کو ایک ثنیہ فرض کر لیا جائے تو یہ کہا جاسکتا ہے۔ کہ انسان کو جو کچھ نظر آ رہا ہے اس کے اپنے خیالات کا ہی عکس ہے اور بالکل کی فلاسوفی میں قیام دہ کے وجود سے قطعی انکار کیا گیا ہے۔ اور کہا گیا ہے۔ کہ انسان کو جو کچھ نظر آتا ہے۔ جس شے کو وہ کسی جس سے محسوس کرتا ہے۔ وہ تمام اس کے اپنے دماغ کے تصورات کا مجموعہ ہے۔ اسی طرح انسانی دماغ اور روح ہی روح مطلق یعنی وجود باری تعالیٰ کا ایک عکس ہے۔ گویا تمام کائنات روح مطلق کے تصورات کا مجموعہ ہے۔

قریباً وہی اصول ہے جو ہمہ اوست کا ہے۔

(۳) ترجمہ۔ اے کہ تو سارے شہر میں مہربانی کیلئے مشہور ہو۔ حیران ہوں۔ کہ مسکینوں کے کام میں تجھے عجب تاخیر ہے۔

انگشتت تھا۔ اگرچہ یہ لفظ عام طور سے مجرے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اور لفظ بدنام کام معنی سمجھا جاتا ہے۔ مگر حقیقت میں یہ لفظ ہر جگہ استعمال ہو سکتا ہے۔ کسی صفت کیلئے خواہ وہ اچھی ہو یا بُری۔ جب ایک آدمی مشہور ہو جائے یعنی لوگ انکلی اٹھا کر اس کی طرف اشارہ کریں کہ وہ ہے تو اس کیلئے لفظ انگشتت نما استعمال ہو سکتا ہے۔ وہ کلمہ تعجب تحسین و انسوس۔ اہمال۔ یہ لفظ اہمال کا قلبی ہے یہ دلت مینا ناخیر کرنا۔ اگر مادہ ہل سے سمجھا جائے۔ تو معنی درنگ ویر۔

مطلب یہ ہے۔ کہ جب تیرا کرم اتنا عام ہے۔ تو ہم مسکینوں کے حصول مقصد میں کیوں نہ ہریں۔ (۴) ترجمہ۔ اس کی شکر جیسی (شیریں) لبوں سے اب تک درد دہ پھٹکتا ہے۔

گرچہ اسکی ہر ایک ہلک ناز و انداز میں قاتل ہے۔

قتال۔ بہت قتل کرنے والا۔ اسم تفصیل قاتل۔

مطلب یہ ہے۔ میرا معشوق باوجود کم سن ہونے کے اتنا قاتل ہے۔ شیریں دہ کی بجائے

یہ سب سمجھو کہ اگرچہ اس کے نام و اعلا ز فاعل میں۔ مگر اس کی سبب تیرین عالماتوں کے نزدیک شیر و شکر سے زیادہ مرغوب ہے۔

(۵) ترجمہ۔ اس کو بعد مجبور ہر فرد کے متعلق کوئی شک باقی نہیں رہا۔ کیونکہ تیرا اور اس نکتہ کی زبردست دلیل ہے۔

مثلاً۔ آسمینش۔ آلودگی۔ مجازاً یعنی شک۔ جو ہر فرد۔ جو دلائل تیری ہو سکتی ہیں۔ کہ نزدیک کسی طرح ہی قابل تقسیم نہیں ہے۔ نہایت ہی چھوٹا ذرہ جس کے حصے نہ ہو سکتے ہیں۔ مگر حکماء کے نزدیک کوئی ایسی چیز ہی نہیں ہو سکتی جس کے حصے نہ ہو سکیں۔ کیونکہ اگر اس کا کوئی وجود ہے۔ تو ضرور اس کے حصے ہی ہو سکیں گے۔ یہ علیحدہ امر ہے۔ کہ ہم اس کے حصے نہ کر سکیں۔ لہذا ایک ایسی چیز جس کے حصے نہ ہو سکیں۔ وہ صرف موصوم ہوگی جو خود نہ ہوگی۔ علم ہند میں نقطہ ایک ایسی چیز ہے۔ جس کا عرض و طول نہیں ہوتا۔ اور نہ اسکی تقسیم ممکن ہے۔ نقطہ موصوم ہی کہتے ہیں۔ یعنی جس کے وجود کو صرف وہم تصور میں لے سکے۔ بظاہر محسوس نہ ہو۔ جو ہر فرد کو عموماً جزو دلائل تیری اور نقطہ موصوم ہی کہتے ہیں۔ شعرا معشوق کے دہن کو ہر چیز کی نسبت موصوم اور ہر فرد سے تشبیہ دیتے ہیں۔

نکتہ۔ پاکیزہ اور پوشتیدہ بات جس کو ہر ایک آدمی نہ سمجھ سکے۔ نقطہ کی بجائی کہتے ہیں۔ لہذا نکتہ اور جو ہر فرد کی رعایت ظاہر۔

خواجہ صاحب کہتے ہیں۔ کہ پہلے تو شائد مجھے جو ہر فرد کے وجود کی نسبت کوئی شک ہو۔ چنانچہ حکماء کو ہی اس کے وجود۔ یہ انکا ہے۔ مگر اب مجھے یقین ہو گیا ہے۔ کہ جو ہر فرد کا وجود ہے۔ کیونکہ معشوق کا دہن اس نکتہ کی بہت زبردست دلیل ہے۔ یعنی معشوق کا دہن خود ایک جو ہر فرد ہے۔ اسکی موجودگی میں جو ہر فرد کے وجود سے انکار نہیں ہو سکتا۔ یہ تو بہت بڑا عرف ہے۔ (۶) ترجمہ۔ لوگوں نے یہ مرثدہ دیا ہے۔ کہ تو اوپر شریف فرما ہو گا۔ اس نکتہ کی نسبت کو نہ بل کہ یہ اہیا فال ہے۔

یعنی تو ضرور کہ یہ خوشخبری۔ بے بنیاد ثابت نہ ہو۔

(۷) ترجمہ۔ حافظ خف۔ جان جہاں جہم رور و کرناں کی مانند ہو گیا ہے۔ تیرے مجھ کے غم کے

پہاڑ کو کس طرح اٹھائے۔

نال۔ قلم تراشتے وقت جو رشتہ قلم کے اندر سے نکلتا ہے نہ شیکرتے جو اندر سے نکلتا ہو اس شعر کا ترجمہ کرتے وقت دوسرے مصرع کا ترجمہ پہلے کیا گیا ہے۔ اور پہلے مصرع کا ترجمہ پیچھے۔ نالہ اور نال کی صنعت ظاہر۔

خواجہ صاحب فرماتے ہیں۔ کہ میں تیرے فراق میں اب ہفتہ کمزور ہو گیا ہوں کہ اب غم فراق کی برداشت نہیں رہی۔ کیونکہ کوہ و کاہ کا کیا مقابلہ ہے۔

غزل (۳۲)

۱	وقت گل افروز با کزیم وقت میخواران خوش است	۱	صحن تنہا قنچن و صحبت لیلہ افروز خوش است
۲	آرے آرے طیفاس ہو ادا راں خوش است	۲	از صبا ہر دم مشام جان خوش ہے شود
۳	نالکین بلبل کہ گنگنا گنگنا راں خوش است	۳	تا کشودہ گل نقاب ہنگ صحت ساز کرد
۴	دوست ابانائے شبنامی بیدار راں خوش است	۴	مرغ شبنواراں بشارت باد کا ندر راہ عشق
۵	شیوہ رندی خوش با منی عسب راں خوش است	۵	گرچہ دریا زار و میران خوش دل چرم نیست
۶	کاندریں دیکھیں پاکر سبک راں خوش است	۶	از زبان سوسن این مادہ آمد بگوشت

(۷) حلقہ تاز کجیاں گفتن طریق خوش دل نیست
(۸) تانہ پنداری کہ حوالہ جان من خوش است

(۱) ترجمہ۔ باغ کا صحن نشاط بخش ہے۔ اور مجلس احباب نے خوش کن ہے موسم بہار خوش رہے۔ کہ اس نے میخواروں کے وقت کو خوش کر دیا۔

خواجہ صاحب باغ مجلس احباب اور موسم بہار کے سین کو بہت دلدادہ ہیں۔ اکثر اسکا ذکر کرتے ہیں چنانچہ یہ شعر (۱) غزل اول ردیف اور مصرعہ (۲) وغیرہ۔
(۲) ترجمہ۔ باد صبا سے ہمارے مشام جان کو خوشی ہوتی ہے۔ ہاں ہمارے نکلنے کا طیفاس کی خوشبو

اچھی ہوتی ہے۔

طریب - بمعنی خوشبو - ہو اواراں معشوق کی آرزو اور اشتیاق رکھنے والے
مشام - دماغ کا وہ حصہ جو کچھ سمجھتا ہے۔ **انفاس** - جمع نفس بمعنی سانس دم۔
 باد صبا ہمارے معشوق کی ہوادار یعنی اس کی مشتاق ہو۔ اس لئے وہ نہایت خوشبوداری۔ اور
 جب باد صبا معشوق کی زلف عنبر کی خوشبو ہمارے پاس لاتی ہو۔ تو ہمارے دماغ ہی ہلک
 جاتے ہیں۔ صبا اور ہوادار کی لطافت ظاہر۔

مطلب یہ ہے۔ کہ عاشقان حق کی ملاقات سے آدمی کی روح اور جان کو خوشی حاصل
 ہوتی ہے۔ اور دیا معشوق سے جو چیز عاشق کے پاس آئے اس کے دیکھنے سے عاشق
 کو راحت ہوتی ہے۔

(۳) **ترجمہ** - پھول نے نقاب کھولنے سے پہلے ہی کوچ کا ارادہ کر لیا۔ لیکن
 کہ تہہ دلوں کی آواز اچھی ہوتی ہے۔

پھول کی بہار چند روزہ ہوتی ہے۔ چلا اور گیا۔ گویا شگفتہ ہونے سے پہلے ہی پر مردہ ہونے
 کا ارادہ کر لیتا ہے۔ اسی مضمون کے لئے۔ دیکھو شعرت ۱۱۔

(۴) **ترجمہ** - مرغ شیخوان کو مژدہ ہو کہ راہ عشق میں معشوق کو وہ میعہ بیداروں کے
 راتوں کے نالہ کے اچھا معلوم ہوتا ہے۔

مرغ شیخوان - کوئی پرندہ جو رات کو بولے۔

مطلب یہ ہے کہ شب بیدار لوگوں کی دعائیں مستجاب ہوتی ہیں اور انکی فریاد یا اثر
 ہر شب بیدار عاشق کو مژدہ ہو۔ کہ اس کے نالہ شہگیر یا اثر میں اور معشوق کچھ پسند کرتا ہے۔

(۵) **ترجمہ** - اگرچہ بازار دنیا میں خوشدلی کا حرف نام ہی نام ہے۔ تاہم عیار کو
 کی خوشنواشی اور طریق زندگی اچھا ہے۔

عیار - بہت آمدورفت کرنے والا آدمی۔ بہت حرکت کرنے والا۔ مانو ڈاز عیر یعنی گھوڑے
 کا دوڑنے وقت آدمی ہر جانا۔ اور ہر طرف بھاگنا۔ مجازاً بمعنی چالاک۔ زندہ شرب
 مطلب یہ ہے۔ کہ اگرچہ دنیا میں خوشی بالکل نہیں ہے۔ اور انسان کا خوش رہنا ناممکن ہے۔

<p>الدنیا ساعۃ ولیس فیہا سرحد۔ تا تم کسی نہ کسی طریقہ سے وقت کو خوش گذار کی کوشش کرنی چاہیے خوش طبعیت آدمی ہر جگہ خوش ہو سکتا ہے۔ اور جوانی میں مغلوب نہیں ہوتا</p>	
خوش طبعیت آدمی ہر جگہ خوش ہو سکتا ہے۔ اور جوانی میں مغلوب نہیں ہوتا	ہرگز نہ شود چنانکہ دل خواہ کے دست
<p>(۶) ترجمہ۔ سوسن کی زمین سے میرے کان پر آواز آئی۔ کہ اس درگاہ میں سبکساروں کا کام اچھا چلتا ہے۔</p>	
<p>سوسن۔ آسمانی رنگ کا ایک مختصر پھول۔ سبکسار۔ یعنی فارغ البال۔ مطلب یہ ہے۔ کہ کل سوسن کو دیکھ کر مجھے یقین ہو گیا۔ کہ دنیا سے اب مجھے جبر قدر اپنی تعلقات ضروریات اور لوازمات کو مختصر رکھے۔ اتنا ہی خوش رہتا ہے۔ منزل دہریں مسافر کے پاس رہتا جتنا کم ہو۔ اتنا ہی آسودہ رہے گا۔</p>	
حق میں ست و صا حیدر لاں بشوند	سبکسار دوم سبکتر وند
<p>ع۔ ہر چیز ضرورت بدان محض گیر</p>	
نہ با شترے سوام نہ چو شتر زیر بارم	نہ خداوند رعیت نہ غلام شہر یارم
نعم موجود و پریشانی معدوم ندارم	نفسے منیر نہم آسودہ و عمرے بسر آرم
<p>(۷) ترجمہ۔ اے حافظ جہاں کو ترک کرنا خوشحالی کا طریقہ ہے۔ خبردار یہ نہ سمجھنا۔ کہ جہاں انداز خوش رہتے ہیں۔ ترک جہاں سے مراد مختصر گیری ہے۔ اور قریباً وہی مضمون ہے۔ جو پہلے شعر میں ہے۔</p>	
<h2>غزل (۳۳)</h2>	
۱۔ دردِ بے مغال مدیام قمر کے دردِ دست	مست مانع و بخوارانِ نرگس شش مست
۲۔ از لعلِ سمندا و شکلِ مہ نوید	وز قوتِ بد او بالائے صنوبر بیت
۳۔ آخر ز چہ گوئم بہت از خود خبر جویت	از بہ چہ گوئم نیست با و ظم چوں بہت

۴	چوں شمع وجود من قربت بحر خود را	۱	میسوخت چو آتش و از بار و زبانه مست
۵	شمع دل مسازان شست جوا و برقا	۲	افغان نظر بازان برخاست آتش مست
۶	گر غالیہ خوشبو شد در گیسوئے او و بخت	۳	ور و نمہ کمال کشش با بروی از و بست

باز آئی کہ باز آید عمر شدہ حافظ

(۴)

ہر چہ نہ کہ نامد باز تیر کہ شد از شست

(۵)

(۱) ترجمہ۔ میر معشوق دیر غیاں میں پیالہ لیکر آیا شراب سے مست تھا۔ اور شراب خوار اس کی مست آنکھوں سے مست تھے۔

مطلب یہ ہے۔ کہ معشوق مطلق نے عے عشق سے شراب ہو کر کائنات میں جلوہ نمائی کی۔ اور اپنے عشق کی مستی سے تمام دنیا کو مست کر دیا۔ مضمون "کنت کنترا تخی" کی طرف اشارہ ہے۔ دیکھو شعر (الف)۔

(۲) ترجمہ۔ اس کے گہوڑے کے نعل سے ہلال کی شکل پیدا ہوئی۔ اور اس کے بلند قدم سے صنوبر کا قد لپٹ ہوا۔

یہ شعر پچھلے شعر کے ساتھ قطعہ بند ہے۔ ہلال اور نعل سمند کی ظاہری مشابہت ظاہر معشوق کے قد اور صنوبر یا سرو کی شبہ مشہور۔

مطلب یہ ہے۔ کہ اس کے گہوڑے کا نعل ہلال کی برابر ہے۔ اور اس کے قدم کے مقابلے میں صنوبر کا قد ہی لپٹ نظر آتا ہے۔ جیسا کہ پہلے لہجے بار لکھا جا چکا ہے۔ صوفیائے کرام کے نزدیک تمام دنیا اور مافیہا نور مطلق کا عکس ہے۔ بذاتہ موجود نہیں اس لئے کہا جاتا ہے۔ کہ ماہ و نور شید و انجم وغیرہ سب اس کی تجلیات کا عکس ہے۔ مقابلہ بالائے معشوق اور قد سرو و صنوبر دیکھو شعر (الف)۔ اسی مقابلہ میں مرزا بیدل نے کہا ہے

اگر بگلشن زنا گردد قد لبند تو جلوہ سرا

ز سپیکر موج نخلت شود نایاں جے زینا

اور اسی مضمون پر ہے۔ یہ شعری۔

کیا پانی پانی تیرے قدرے ایسا	کہ سر و لب آب جو آب جو ہے
<p>(۱) ترجمہ - آخر کس طرح کہوں کہ "جب" مجھ کو اپنی ہی خبر نہیں اور کس لئے کہوں کہ "نہیں" جب میری نظر اس پر ہے۔</p> <p>مطلب یہ ہے کہ جب مجھ کو اپنی ہی خبر نہیں کہ کیا ہوں۔ اور ہوں یا نہیں ہوں تو میں کس طرح کہہ سکتا ہوں کہ دنیا موجود ہے۔</p>	
انسانی تجربہ کو اپنی حقیقت سے گنبد ہے	جتنا کہ وہیم غم سے سوئے اضطراب میں
<p>مگر یہ بی نہیں کہہ سکتا کہ معدوم ہے۔ کیونکہ میری نظر معشوق مطلق پر ہے اور اس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ خالق و مخلوق دونوں کیونکہ ان کے درمیان رابطہ معشوق و عاشق موجود ہے۔ واجب الوجود صرف ذات الہی ہے۔ کائنات صرف ممکن الوجود ہے۔</p> <p>مگر موجود ہے معدوم یا محال نہیں۔ بہت وسعت کا مقابلہ لطیف ہے۔</p> <p>(۲) ترجمہ - شمع کی طرح میری وجود نے شام سے صبح تک اپنے آپ کو پروانہ کی مانند چلایا۔ اور صبح تک گل نہ ہوا۔</p>	
<p>مطلب یہ ہے کہ میرا وجود پروانہ کی طرح آتش عشق سے تمام عمر جلتا رہا۔ اور شمع کی طرح صبح یعنی قیامت تک گل نہ ہوا۔ شمع تمام رات جلتی رہتی ہے۔ عاشق ہی تمام رات یا تمام عمر آتش عشق میں جلتا ہے۔</p>	
<p>روانہ نشست کی تشبیہ شمع و پروانہ کی تشبیہ پروانہ سے متعلق ہے۔ یعنی چوں شمع زبانہ نشست و چوں پروانہ میسوخت۔</p>	
<p>(۳) ترجمہ - عاشقوں کے دل کی شمع گل ہو گئی۔ جب وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اور نظر بازوں نے فریاد کی۔ جب وہ بیٹھ گیا۔</p>	
<p>مطلب یہ ہے کہ معشوق کے جدا ہونے پر عاشقوں کے دل بقیار ہو جاتا ہیں اور اس کے وصال میں ہی ان کو ایک گونہ بے چینی ہوتی ہے۔</p>	
غرض دو گونہ عذاب است جان مجنوں را	بلائے محبت سیلی و فرقہ سیلی
اسی مضمون پر ہے۔	

سوزم گرت یتیم میرم چورخ منائی
لے تاب صبر دارم نے طاقت جدائی

اس شمع جا بجا از م تو صبح و لکشتائی
نزدیکت این یتیم دورا چنان کہ گفتم

نیز دیکھو شعر (ت ۱۵) شمس و بر خاست کا مقابہ خالی از لطف نہیں۔
(۶) ترجمہ۔ اگر غالیہ خوشبودار ہوا ہے۔ تو اس کے گیسو میں لگا اور اگر وسمہ کمان کش
ہوا ہے۔ تو اس کے ابرو سے پیوستہ ہوا۔

غالیہ شہور خوشبو ہے مشک عنبر۔ کافور وغیرہ سے مرکب ہوتی ہے۔ یہ لفظ فارسی
میں مطاق یعنی خوشبو ہی استعمال ہوتا ہے۔ وسمہ نیل کے درخت کے پتے جو بالوں
کو سیاہ کرنے کیلئے لگائے جاتے ہیں یہ پتے کمان کی طرح لمبوتری اور خم دار ہوتی ہیں
مطلب یہ ہے۔ کہ غالیہ اگر خوشبودار ہوا ہے تو اسکی وجہ یہ ہے کہ معشوق کے گیسوؤں
میں لگا ہے۔ گویا معشوق کے گیسو غالیہ سے خوشبودار نہیں ہوتے۔ بلکہ غالیہ گیسوئے
معنبر سے لگ کر خوشبودار ہو گیا۔ اور وسمہ کمان کش سلسلی ہے۔ کہ معشوق کے کمان ابرو پر
لگا ہے۔ وسمہ ابرو کو سیاہ کرنے کیلئے لگایا جاتا ہے۔

تاب بر زلف وسمہ برابر و افغان
نرمہ در شیم و غازہ بر رخسار

(۷) ترجمہ۔ واپس آ کہ حافظ کی گئی ہوئی عمر واپس آؤ۔ ہر چیز کہ جو تیر کمان سے نکل جائے
واپس نہیں آتا۔

خواجہ صاحب کہتی ہیں۔ کہ ہر چیز یہ قاعدہ ہے۔ کہ جب تیر کمان سے ایک فنہ نکل جائے
تو پھر واپس نہیں آتا۔ اور وقت ہی جب ہاتھ سے چلا جائے تو پھر نہیں ملتا۔ مثل ہے۔
تیر از کمان جستہ و وقت از دست رستہ باز نہ آید۔ مگر عجیب یقین ہے کہ تیر آئے پر
میری گذر تھی غمناک یا زمانہ شباب واپس آجائیگا۔

غزل (۳۴)

۱	کلیں بروئے درک و معشوق بکام است	۱	سلطان چنانم بچنیں روز غلام است
۲	گوشت میارید و ریس بزم کہ مشرب	۲	در مجلس با ماه رخ دوست تمام است
۳	در مذہب باوہ حلال است و لیکن	۳	بے روی تو لے کر گل اندام حرام است
۴	گوشت ہمہ بر قول نے و نغمہ چنگ است	۴	چشم ہمہ بر لب گردش جام است
۵	در مجلس با عظمیٰ سیر نیز کہ خیال را	۵	ہر لحظہ ز گیسوی تو خوشی و مشام است
۶	از چاشنی قند تو بچ و ز شکر	۶	زالہ کہ مر با لب شیرین کام است
۷	تا کہ غمت در دل ویرانہ فیم است	۷	پیوستہ حرا بچ خرا تا مقام است
۸	از شک جہ گوئی کہ مرا نام زنگ است	۸	وز نام چہ پرسی کہ مرا نیک نام است
۹	میخوارہ و شستہ و زندیم و غفلت باز	۹	و آشک کہ چو مانیت در شکر کام است
۱۰	با تخم عیب گوئید کہ او نیز	۱۰	پیوستہ چو مادر طلب عیش کام است

حافظ منشی بے محی و معشوق زمانے

(۱۱)

(۱۲)

کایام گل و یاسمن و عید صیام است

(۱) ترجمہ :- بیو الغل میں (جام) شراب بھیلی پر اور معشوق موافق ہو آج جہاں کا بادشاہ میر غلام مطلب یہ ہے کہ موسم بہار ہے۔ جام مے ہاتھ میں ہو اور معشوق مہربان ہو آج سارے جہاں کا بادشاہ ہی اتنا خوش قسمت نہیں جتنا میں۔ دیکھو شعر (۲)

(۲) ترجمہ :- کہو کہ اس محفل میں شمع نہ لائیں کیونکہ آج رات۔ ہماری مجلس میں معشوق و پیرہ کا کامل چاند موجود ہے۔ (یا پیرہ کا چاند کافی ہے)

ماہ تمام۔ چودھویں رات کا چاند معشوق کے پیرہ کو ماہ کامل و تشبیہ دی ہے۔ چنانکہ

موجودگی میں شمع کی ضرورت نہیں ہوتی۔

(۳) ترجمہ ہے کہ مذہب میں شراب حلال ہو لیکن اس کو گل اندام تیری رخسار کو بغیر حرام کے
مطلب یہ ہے کہ شراب صرف اسی صورت میں ہمارے مذہب میں حلال ہو کہ تیری موجودگی
میں ہی جاسے یعنی تیرا مشاہدہ ضروری ہے عاشقان حق کہیں شراب کو شرابی کی کیفیت
نہیں دیکھتی اگر ان کو مشاہدہ ذات باری تعالیٰ ہی اس کے ساتھ نصیب نہ ہو۔

ہاں میں ہر گز حقارت نہ کرو، بلکہ ان کو ہمہ دونوں بخشہ باخ و رحمت
نمائان صاف دیکھو کہ نسبت و غرض دین پروردگار ہے۔ دیکھو کہ غزل پوری ہے۔
اُنکھیں حقیقت جام سے لا حاصل ہے۔ دیکھو شعر العارف ہے۔

اے آں تیر کہ غزل انرا مہم اے آخری قریب با تو وصلی است تیرے دیکھو
(۴) ترجمہ ہے میرے کان سے آواز دیکھو کہ تمہارے سینے میں مصروف ہیں میری
آنکھیں لب لعل اور گردش جام پر لگی ہیں۔
تمہارے یعنی تمہیں مصروف۔

(۵) ترجمہ ہے ہماری مجلس میں غم نہ لاکہ (ہماری) جہان کیلئے ہر لحظہ تیری کیسیوں سے
دل غم کو خوش ہو رہی ہے
مطلب یہ ہے کہ عاشقوں کو سوا اے وصال معشوق کے اور کسی چیز کی ضرورت نہیں
دیکھو شعر (۲) غزل ہوا۔

(۶) ترجمہ ہے قد کی شیرینی اور شکر کا بالکل ذکر نہ کر۔ کیونکہ میر مقصود شیریں لب شیریں میں
معشوق کے لبوں کو شہد شکر نبات قد طعم طبرزد و گوشت شہد بجاتی اور مقابلہ لبوں کو شیریں
کہا جاتا ہے۔ ع میر طعم طبرزد لذیذ و لے لب یا شیرینی دگر وارد۔

(۷) ترجمہ ہے جب سو تیرے غم کا ترانہ میری ویران میں مقیم ہو میرا مقام ہمیشہ کچھ خرابات میں رہتا ہے
مطلب یہ کہ جب تیرا عشق میرے دل میں پیدا ہوا ہے۔ میرے کچھ خرابات کو اختیار کیا ہے
کچھ از دیوانہ یا خرابات کی نسبت ظاہر۔ خزانہ غموں ویران کہیں میں مل فون ہوتا ہے۔ کچھ غم و
کچھ خرابات اور مقیم و مقام کی صفت واضح۔ عاشق ہو کر خرابات کو نا ضروری۔

<p>خرابات از جہاں بے مثالی است خرابات آشیان مرغ جان است شراب بخودی در سر گرفتہ</p>	<p>مقام عاشقان لا بائی است خرابات آستان لامکان بہت بزرگ چہ سلمہ شہر گرفتہ</p>
<p>(۸) ترجمہ - بدنامی کا کیا پوچھتا ہے کہ یہ نام بدنامی ہے اور نیکنامی کا کیا پوچھتا ہے کہ یہ نیکنامی سے عار ہے۔ نیک - بمعنی شرم - عیب - عار - نیکنامی - مگر نیک نام بمعنی نیک نامی استعمال ہوتا مطلب یہ ہے - کہ ہمارے نزدیک نیکنامی اور بدنامی کچھ چیز نہیں اور نیکنامی سے ہم بدنامی کو زیادہ پسند کرتے ہیں۔</p>	<p>(۸) ترجمہ - بدنامی کا کیا پوچھتا ہے کہ یہ نام بدنامی ہے اور نیکنامی کا کیا پوچھتا ہے کہ یہ نیکنامی سے عار ہے۔ نیک - بمعنی شرم - عیب - عار - نیکنامی - مگر نیک نام بمعنی نیک نامی استعمال ہوتا مطلب یہ ہے - کہ ہمارے نزدیک نیکنامی اور بدنامی کچھ چیز نہیں اور نیکنامی سے ہم بدنامی کو زیادہ پسند کرتے ہیں۔</p>
<p>نیک باشی و بدست کو نہ تسلط دیکھو شعر ۱۱</p>	<p>نیک باشی و بدست کو نہ تسلط دیکھو شعر ۱۱</p>
<p>شرابے خورده مر یک بے لے بام نام زنگ اورنگ ز نام میں صحت عکس ہے۔</p>	<p>شرابے خورده مر یک بے لے بام نام زنگ اورنگ ز نام میں صحت عکس ہے۔</p>
<p>(۹) ترجمہ ہم شراب خواہ شہرہ - ردا و نظر باز ہیں لیکن اس شہر میں کون ہی جو ہم حبیب نہیں۔ دوسرے معرعہ میں استفہام انکاری ہے - یعنی تمام لوگ ہماری طرح شرابخوار اور نہیں - البتہ اتفاق ہے - کہ ہم ظاہر و باطن ایک جیسے ہیں اور دوسری لوگ یا ظاہر اسی مضمون کو خواجہ صاحب نے شعر (۱۰) میں نہایت اعلیٰ پیرایہ اور شوخ نظر سے بیان کیا</p>	<p>(۹) ترجمہ ہم شراب خواہ شہرہ - ردا و نظر باز ہیں لیکن اس شہر میں کون ہی جو ہم حبیب نہیں۔ دوسرے معرعہ میں استفہام انکاری ہے - یعنی تمام لوگ ہماری طرح شرابخوار اور نہیں - البتہ اتفاق ہے - کہ ہم ظاہر و باطن ایک جیسے ہیں اور دوسری لوگ یا ظاہر اسی مضمون کو خواجہ صاحب نے شعر (۱۰) میں نہایت اعلیٰ پیرایہ اور شوخ نظر سے بیان کیا</p>
<p>من ارجو عافم و رند و مست نامہ سیاہ نہراش کر کہ یاران شہر بے گنہ اند</p>	<p>من ارجو عافم و رند و مست نامہ سیاہ نہراش کر کہ یاران شہر بے گنہ اند</p>
<p>(۱۰) ترجمہ مجھ سے میری عیبوں کا ذکر نہ کرو کہ وہ یہی تہذیب ہماری طرح عیش مدام کی طلب میں ہے۔ مطلب یہ ہے - کہ مجھ سے خود ہماری طرح عیش مدام کا طالب ہے۔ اس کے سامنے ہمارا عیب بیان کرنے سے کیا فائدہ ہے - ہم میں محبت و دوست ہیں - اور دنیوی جاہ و مال کی وجہ سے بے یادہ مست ہے - یا بظاہر سے پرہیز کرتا ہے - اور خلوت</p>	<p>(۱۰) ترجمہ مجھ سے میری عیبوں کا ذکر نہ کرو کہ وہ یہی تہذیب ہماری طرح عیش مدام کی طلب میں ہے۔ مطلب یہ ہے - کہ مجھ سے خود ہماری طرح عیش مدام کا طالب ہے۔ اس کے سامنے ہمارا عیب بیان کرنے سے کیا فائدہ ہے - ہم میں محبت و دوست ہیں - اور دنیوی جاہ و مال کی وجہ سے بے یادہ مست ہے - یا بظاہر سے پرہیز کرتا ہے - اور خلوت</p>

میں یاد دہواری کرتا ہے

خواجہ صاحب کے اسی خیال سے ڈاکٹر اقبال راض ہو کر خواجہ صاحب کے حق میں فرماتی ہیں۔

معنی اسیم او مینا بدوشش | محتسب ممنون پیر سے غرضش

ترجمہ یہ ہے۔ کہ ان خواجہ صاحب سے پانچ چھ دو سال بعد ہی مینا بدوشش

مینا بدوشش اور محتسب ممنون پیر سے فروش ہے۔

ایک شراح صاحب نے اس شعر کا اس طرح ترجمہ کیا ہے۔ ”میرے محتسب کو غیب نہ لگاؤ۔ کہ وہ خود ہی ہماری طرح ہمیشہ عیش کی طلب میں ہو“ اور محتسب مراد مرشد لی ہے۔

(۱۱) ترجمہ۔ اے حافظ ایک گھڑی پیسے اور معشوق کو بغیر نہ بیٹھ کیونکہ گل و یامن کے دن ہیں۔ اور عید صیام ہے

یعنی موسم بہار ہے۔ اور ابی مان رمضان گذرا ہے۔ رمضان میں یاد دہواری نہ کر سکا اب تو وقت ہے۔ دیکھو شعر (تات و تہ)

غزل (۳۵)

۱	وگر نقہ ہر برای درون با صافست	اگر لطیف بخوانی مزید الطافست
۲	چرا کہ وصف تو بیرون لحد صافست	بیان وصف تو لفتن نہ حد امکانست
۳	چہ چہ ہاست کہ بر نماز اطرافست	چو ہر و کشتی لے یار سنگدل از ما
۴	کہ نور ہرہ خوابان قاف تا قافست	ز خیم عشق تو ان دیدے شاد ما
۵	کہ آن تہاں مقامات شفق کثافتست	ز محض رخ دلدار آیت بر خوان

عدو کہ منطق حافظ طمع کند در تنگ

(۶)

ہماں حدیث ہائی و طریق خطافست

(۷)

(۱) ترجمہ - اگر تو لطف سے ملنے تو بڑی عنایت ہو اور اگر قہر سے بٹاؤ تو ہمارا دل شکوہ طلب ہے کہ ہم حالت پرانی جو ہمیں اور سرسبز خم ہے۔ کوئی شکایت نہیں۔	اگر کچھ ہے رحمت نہ بچنے تو شکایت کیا
سرسبز خم ہے جو مزاج یاریں لے	شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے قریباً اسی مضمون پر کہا ہے -
میر حیدر دہلوی چوں پسندی دوست گر بہ لطف بنزد خود خواند بندہ ام گر لطف مے خوانی	بندہ چہ دعویٰ کن حکیم خداوند و تقبیرم بر انداود اند چاکرم گر تقبیر سے رانی
(۲) ترجمہ - تیری تعریف بیان کرنا حد امکان ہو باہر کیونکہ تیری تعریف خدا و صاف ہو باہر شیخ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں -	لے بر تراز خیال و قیاس گمان و ہم دفتر تمام گشت و سپایان رسید ہم
و زہر چرخہ ندو شنیدیم و خواندہ ایم بچناں در اول وصف تو ماندہ ایم فرد ماند در کنہ مایہ تش بہر منتہائے جمالش نیافت نہ در ذیل صفش رسد دست فہم کہ پیدا نہ شد نخستہ بر کنار بلا حصہ از تہگ فرد ماندہ اند	جہاں متفق بر اہتیش بشر ماورائے جلالش نیافت نہ بر اوچ ذالش پر مرغ و ہم دریں در کشی فرشتہ ہزار کہ خاصان ریں رہ فرس ماندہ اند
عزیز تجوی تو کہ لا احسنی تہنہ حدیک۔ منت کہا اہست علی شک و کچھ شعر (الف) ہے (۳) ترجمہ - لے سنگدل معشوق تو سرور کی طرح ہم کو کش دے ہمارے پردوں کو کسے	سچے جاری ہیں -
چشمہ بائے ہم را چشمہ بائی اشک۔ سرور ہی قامت ہوتا ہے۔ اسلئے کشش کہا معشوق کا کہش ہوتا یعنی عاشق کو کشش کرنا سرور و عموماً لب جو پر ہوتا ہے۔ اس لئے سرور اور چشمہ کی رعایت ظاہر۔	(۴) ترجمہ - ہمارے معشوق کا چہرہ چشمہ عشق ہو دیکھا جاسکتا ہے کیونکہ معشوق کے چہرہ

کا نور قاف سے لیکر قاف تک ہے۔

قاف۔ پیرا کا نام جو (قدیم مغرافیہ کی روسی) دنیا کے گرد اگرچہ کوٹھکے پریر
حسین شہور۔

مطلب یہ ہے کہ آنکھ چاہیے۔ ورنہ معشوق کو چہرہ کا نور تو تمام عالم میں بھلائی ہو سکتی ہے۔
دل میں عشق پیدا کرنا چاہیے۔ محبوب کا مشاہدہ حاصل ہو جائیگا۔

اس کے جلوہ کا اگر دیکھنے والا ہوتا	محشر یہ دید کے وعدہ کو نہ ٹالا ہوتا
ہم سا ایک اور اگر چاہتے والا ہوتا	دو نو عالم سے کہیں ڈھونڈ نکالا ہوتا

(۵) ترجمہ۔ معشوق کو خسار کی کتاب سے آیات پڑھ کر وہ مقامات کشف و کشف کا بیان ہے۔
مصحف۔ بالعموم و بالکسر۔ وہ چیز جس میں صفحے اور رسالے جمع کی جائیں اسی مناسبت سے
یعنی قرآن مجید ہی استعمال ہوتا ہے۔ آئیت۔ نشان علامت۔ آیات قرآنی۔ کشف
صیغہ مبالغہ بہت ظاہر کرنے والا۔ بہت کہنے والا۔ واضح کرنے والا۔ قرآن شریف کی یہ
تفسیر مصنفہ جبار اللہ محشری کا نام ہی ہے۔

کشف۔ کھولنا۔ ظاہر کرنا۔ برہنہ کرنا۔ پردہ اٹھانا۔ اصطلاح صوفیہ میں درجہ ہے جس پر
پہنچ کر غیب سے اسرار کھل جائیں۔

مطلب یہ ہے کہ عاشق کو سوائے مشاہدہ محبوب کے اور کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ ذات
محبوب کے مشاہدہ سے تمام اسرار غیبیہ یوں کھلی جاتی ہیں۔ صوفی کسبہ میں تمام
کشف فی الحقیقت مشاہدہ محبوب ہے۔ اس سے پہلے کشف تمام ناممکن ہے۔ اور اسی طرح
قرآن کریم کی آیات کو از بر کرنے یا چند مسائل شرعی اور دلائل نقلی پر قادر ہونے یا کتب تفسیر
کے مطالعہ کرنے سے ہی انسان کامل نہیں ہو سکتا۔ بلکہ عشق الہی میں جہاں کی ضرورت ہے۔
تاکہ معشوق مطلق کے نور کا مشاہدہ ممکن ہو۔ قرآن کریم میں ہے۔ والذین عبادوا فیما نہنہم
سلمان۔ اور اس مشاہدہ کے ذریعہ عاشق کو مقام کشف و کشف حاصل ہو جاتا ہے یہی الہامی

جبار الشریح مخزن اسرار معنی	جہینش منہر نور تجلی۔
مگر خسار و سبب انشاقی مست	کہ ہر حرف راز و کبر معانی مست

مصحف - آیت اور کشف - کی رعائیں ظاہر - منظران جس خوبصورتی سے ادا ہوا ہے - وہ خواجہ حافظ کا ہی حصہ ہے -
 (۶) ترجمہ - دشمن جو شعر گوئی میں حافظ کی سخن کی فتح کرتا ہے - وہی ہما اور خطاف الی بات کا منطق - بالفتح طائے مہملہ کسور سخن - گفتار - گفتگو گفتگو کرنا - زبان - نام علم معروف - خطاف - لہجہ ایک چوٹا سا پرندہ ہے - جو ہمارے میں ظاہر ہوتا ہے - گھروں میں گھولنا بناتا ہے - اور انسان کے سامنے نہیں ہوتا - چمکا ڈالے اس کی دشمن ہے - بجلی کی آواز میں کر ڈرتا ہے - کانپتا ہے - اور قریب الگ ہو جاتا ہے - خطف یعنی بجلی سے مینائی کا جاتے رہتا - اس پرندے کی اصلیت کے متعلق اختلاف رائے ہے -
 ہما مشہور پرندہ ہے مشہور ہے کہ جس پر اس کا سایہ پڑے - بادشاہ ہو جاتا ہے - مطلب یہ ہے - کہ حاسد شعر گوئی میں حافظ کی برابری کرنا چاہتا ہے گویا خطاف کو کہتا ہے -
 ہمسری کا مدعی ہے -

غزل (۳۶)

۱	مار از خیال تو چہ پروائی شراست	۱	خیم گو سر خوگیم کہ خمنا نہ خراست
۲	گر خمیر بہشت است بریزد لے دوست	۲	سہ شربت عذیم کہ دو حسین غداست
۳	افسوس کہ شد دل و دیدہ گریان	۳	تخمیر خیال خطا افقش بر آست
۴	بیدار شوئے دیدہ کہ ایمن نتوان بود	۴	زین بیان و کہ درین منزل خواست
۵	معشوق عیاں سگدرد بر تو لیسکن	۵	اغیار بے مید از ان بے نقاست
۶	کلیم رخ رنگین تو تا لطف عرق دید	۶	در آتش رنگ آن غم دل غرق گلاست
۷	در بر زم دل از روی تو کشتیم بر آست	۷	وین طرفہ کہ بروی تو صد گونہ نجاست
۸	سبز سب است در دوست بیاتان گذاریم	۸	درست از سر لے کہ جہاں سر آست
۹	دیکھ و غم طلب جاتے نہ صیحت	۹	کجا جس چہ سر از زمزمہ چنک باست

۱۰۔ توجہ راہ مست کہ از غایت سیم
۱۱۔ بی توئی آئی تو ای مع دل فرو
۱۲۔ بی توئی آئی تو ای مع دل فرو

(۱۲) حافظ چہ شدار عاشق و رند
بس طور عجب لازم ایام شب است

(۱) ترجمہ۔ ہم کو تیرے خیال میں شراب کی کیا پرواہ تو خم کو جو کہ پناہ کام دیکھے اب
نجانہ ویران ہے۔

مطلب یہ ہے کہ عاشق کو لے و خیال معشوق میں کافی نشہ ہو اور وہ اسی نشہ میں غمخواری سے اس
شراب کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لئے میخانہ اب ویران ہے۔ اور ہمیں خم کے ساتھ کچھ
سروکار نہیں۔ خم کے ساتھ لفظ سر نہایت موزون ہے۔ سر خود گیر سے یہاں یہ معنی ہی لگو
جاسکتے ہیں۔ کہ اپنا منہ بند کر لے۔ مرزا بیدل حنیف یار کے خیال میں مست ہو کر کتے میں
بخیال حنیف کہ مے زند قریح جنون لنگٹا کہ ہزار سیکہ سپید و سرکاب گردن شربت

(۲) ترجمہ۔ شراب ہی ہو تو گرا دو۔ کہ دوست کو بغیر سرسبب تیریں جو تیرے دھوکے عین عذابی کا
مطلب یہ ہے کہ شراب ملو اور مہلہ نعیم فروں عاشق صادق کی نظر میں کچھ حقیقت نہیں
رکھتے۔ بغیر مشاہدہ محبوب اور وصل معشوق کے عاشق کیلئے ہیشت ہی دور رخ ہے۔

سننے میں جو ہیشت کی لغزب سب است
لیکن خدا کرے وہ تیری جلوہ گاہ ہو۔

اسی مضمون پر ہے۔

نہ جنت جویم نے خور و نے انہا میخوام
شہاں ملک فردوس را بار بستاند
تو از زانی از زانی ہر من یار میخوام
کہ من در وطن عالی مقام دیدار میخوام

اسی مضمون پر دیگر شعرا کے کلام کیلئے دیکھو تنوعات۔ (کوائف ہیشت)
(۳) ترجمہ۔ افسوس کہ معشوق جدا گیا۔ اور دیدہ شکبار میں۔ اس خط کو خیال کی تحریر
نقش بر آب ہے۔

نقش بر آب یعنی پانی پر تحریر۔ ظاہر ہے کہ پانی انہیں ہو سکتی۔

خواجہ صاحب کہتے ہیں کہ اب معشوق تو سامنے نہیں صرف اس کے خط و خال کا نقش آنکھوں میں باقی ہے۔ جو تک گونہ باعث تسکین ہے۔ مگر چونکہ آنکھیں ہر وقت اشکباری کرتی ہیں۔ اس لئے اس نقش پر اب پرہیز کوئی اعتبار نہیں خواجہ صاحب کو مایوس نہیں ہونا چاہئے۔ کیونکہ نقش اس پانی کو نہیں ہویا جاسکتا۔ دیکھو شعر (۲۱)
(۱۴) ترجمہ۔ اے آنکھ بیدار ہو کہ بہ خط نہایت سبک۔ اس سیلاب نام سے جو منزل خواب میں منزل خواب۔ یعنی نیند کی جگہ۔ آنکھ۔

آنکھوں سے سیلاب اشک جاری ہو اسلئے آنکھوں میں خیال ہونا چاہئے کہ اس سیلاب سے ہر بار نہ ہو جائیں۔ آنکھوں سے ہمیشہ پانی آنا مینا کی کیلئے مضر منزل یعنی مکان کا سیلاب سے ویران ہونا ظاہر منزل خواب دنیا ہی مراد لی جاسکتی ہے۔ کیونکہ دنیا فی الحقیقت مقام غفلت ہے۔ اس صورت میں یہ مطلب نکلا کہ دنیا میں سیلاب حادث ہر وقت جاری ہے۔ اور نفس بارہ ہر وقت مشاود پر تیار۔ اس لئے انسان کو ہر وقت ہوشیار رہنا چاہئے کیونکہ غافل نہیں ہونا چاہئے۔
(۱۵) ترجمہ معشوق تیری پاس بے حجاب گزر رہا ہے لیکن تیرا شمار نہ کریں۔ اسلئے نقاب ڈالے ہوئے ہے۔

مطلب یہ ہے۔ کہ معشوق مطلق عیان ہے۔ بے حجاب ہے۔ اور ہر وقت تیری پاس ہے۔ یہ پردہ صرف اسلئے ہے۔ کہ نا اہل شناسا ہو کر موجب ضرر نہ ہوں۔ صوفیاء کرام کو نزدیکیت باہر ہر وقت نصیب ہوتا ہے۔ اور جہاں میں ان کو نصیب ہی ہوتا ہے پردہ صرف انہوں کیلئے ہے۔ طالبان حق کی آنکھیں اس پردہ کے اندر دیکھ سکتی ہیں۔ پردہ گویا شفاف ہے جن لوگوں میں استعداد نہیں ان کی آنکھیں اس پردہ کے اندر نہیں دیکھ سکتیں، کیونکہ ان کی مینائی کامل نہیں چشم عشق روشن ہو۔ تو یہ پردہ حائل نہیں ہوتا۔ دیکھو شعر (۲۲)
حرز انساب مل کو مخاطب کر کے کہتے ہیں۔

محرم نہیں ہے تو ہی تو ہائے راز کا	اور نہ یہاں جو پردہ ہے پردہ ہے ساز کا
مولانا روم فرماتے ہیں	
تن ز جان و جان تن مستور نیست	لیک کر دیر جان منظور نیست

(۶) ترجمہ - پھول سے تیرے رخسار پر جب سے پسینہ کا لطف دیکھا ہے جسے
کی آگ میں غم دل سے غرق گلاب ہے۔

گل - گل سے جسے گلاب کا پھول کہتے ہیں۔ عرقِ یقین پسینہ۔ دوسرے
معنی مشہور۔ رخسار یا رنگ گل سے تشبیہ دیتے ہیں۔ اور عارضِ عرق کہہ کر پھول سے تشبیہ دیتی
ہیں۔ جس پر شبنم پڑی ہو۔ پھول نے گل عارضِ پسینہ کا قطرہ دیکھ کر رشک کیا۔ کہ مجھ پر شبنم کا قطرہ
ایسا بھلا معلوم نہیں ہوتا۔ اس رشک میں اس کو دل کو رخ ہوا۔ اور اس لئے وہ عرقِ گلاب
ہوا۔ گلاب یعنی آبِ گل یا عرقِ گلاب۔ ظاہر ہے۔ کہ گل میں گلاب موجود ہے۔ اور وہ عرقِ گل
اب ہے۔ مگر خواجہ صاحب نے اس کے عرقِ گلاب ہونے کی خوب وجہ بیان کی کتاب
گرچہ کو نسکین اور دل کو فرحت بخشتا ہے اسلئے آتشِ رشک اور غمِ دل کیلئے بیختم تجویز ہوا۔

(۷) ترجمہ - مٹھنل میں تیرے رخسار سے صدمہ چرلے روشن ہوئے۔ اور لطف یہ ہے۔
کہ تیرے چہرے پر صدمہ پردے ہیں۔

مطلب یہ ہے۔ کہ محبوبِ مطلق کی ذات گرچہ ہزاروں پردوں کا اندر ہے۔ مگر اس میں
استقامت و روشنی ہے۔ کہ ان تمام پردوں سے نکل کر وہ تمام دنیا کو موز کر رہا ہے۔ اور حقیقت یہ ہے
کہ اس نور کو بے حجاب دیکھنے کی طاقت کس کو ہے۔

کلمہ شکر و شکر نہ ہوش آتا | ہوئی ہے خیر کہ وہ شوخ بے نقاب تھا |

(۸) ترجمہ - دوست کا دروازہ کھلا ہے۔ اور پر فضا مقام ہے۔ اور دریاؤں
فیض کا منبع ہی اسی جگہ ہے۔ مگر چاہئے کہ وہاں سے اور کسی طرف نہ جائیں۔ کیونکہ باقی
تمام دنیا سرب کی مانند ہے۔ جو اپنی طالبوں کو کھانکھا کر مارتی ہے۔ زیادہ شرح کیلئے دیکھو شعر (۱۱)
مروجہ شعر میں در دوست کی جگہ درود شت لکھا ہے۔

(۹) ترجمہ - میرے گوشہ دماغ میں نصیحت کیلئے جگہ نہ ڈھونڈھ کیونکہ یہ حجرہ چٹائی باب کو
نغموں سے پُر ہے۔

حجر - کوٹھڑی

مطلب یہ ہے۔ کہ میرا دماغ آواز چنگ و رام سے پُر ہے۔ اور غمناکے عشق کے لیے نصیحتیں

[illegible]

غزل (۳۷)

۱	کنو کہ در کف گل جام بادہ صافست	۱	بعد ہزار زبان بلبلن راوصافست
۲	خواہ دفتر اشعار و رو	۲	چہ وقت مدرسہ بحث کشف و کشف است
۳	فقیہ مدرسہ دی مست بود و متوی زاد	۳	کہی حرام و ہلہ بہ مال اوقافست
۴	بدرد و صاف ترا حکم نیست ہم در کش	۴	کہ ہر چہ ساقی بار خنکین الطافست
۵	بہر خلق و زعنفہا قیاس کل رنجبیر	۵	کہ صیت گوشہ نشینان قافافست
۶	حدیث مدعیان و خیال نمکاران	۶	ہمال حکایت لرزد و زویر بابافست

(۷) خموش حافظ و این نکتہ ہائی چوں در سخن
(۸) نگاہدار کہ قلم تھبہ صرافست

(۱) ترجمہ۔ اب کہ پھول کی پھیلی پیر شراب صافی کا پیالہ ہے۔ بلبل سو ہزار زبانوں سے اس کے اوصاف بیان کر رہی ہے۔
پھول شکفتہ ہو کر جام کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ اور سرخ رنگ سے لے کر سفید کی وجہ سے جام سے مشابہ ہوتا ہے۔ بلبل کو ہزار ہزار آواز۔ ہزار ادا۔ ہزار داستان ہی کہتے ہیں۔ اس بلبل اور بلبل کی رعایت لطیف۔ صاف اور اوصاف کی تجنیس ظاہر۔
مطلب یہ ہے۔ کہ موسم بہار ہے۔ اور بلبلیں نعمت لاتی کر رہی ہیں۔
(۲) ترجمہ۔ دفتر اشعار لیکر مگر کو جا۔ مدرسہ اور کشف و کشف کی بحث کا وقت نہیں موسم بہار ہے۔ دیوان غزلیات لیکر باہر جا۔ اور منافق قدرت کا مطالعہ کر۔ مدرسہ میں بیٹھ کر کا وقت نہیں کشف اور کشف سے مراد کتابے الملق۔

کشاف لغیر مصنفہ جبار اللہ زکشری کا نام ہے۔ کشف ہی کہی کتابوں کا نام ہے
شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے اسی مضمون پر کہا ہے۔

بامداد الی شام و تہمت سبیل و ہمار	خوش بود و امن تہمت و شام و ہمار
صوفی از صومعہ گوئیم بن در گلزار	وقت آن نیست کہ در خانیہ بنی بکار
کوہ و دریا و درختان ہمہ تسبیح اند	نہ ہمہ تمنا فہم کنند اسرار
بلبلان وقت گل اند کہ بنا بعد از شوق	نہ از بلبل مستی ثوبال ای ہوشیار

بہار میں اتنے برابر ہوتے ہیں کہ کہیں کہیں تفاوت بخند لیل و ہمار
(س) ترجمہ۔ کل فقیہ مدرستہ تہا۔ اور اس نے فتویٰ کیا کہ شراب حرام ہے۔ مگر
مال وقف سوا چہی ہے۔

فقہیہ۔ دانشمند۔ دانائے علم شرع۔ اور فقہ بمعنی معلوم کرنا۔ جاننا۔ علم مخصوص
بعلوم معرفت احکام تشریعت۔

اوقاف۔ جمع وقف۔ وہ مال جو کسی کی ملکیت نہ ہو۔ اور فی سبیل اللہ اخراجات
ورقہ عامہ کے لئے چھڑا گیا ہو۔ اکثر مسجدوں اور مدرسوں کے اخراجات کے لئے جائیداد
وقف کی جاتی ہے۔ ”الوقف الاملاک“

مطلب یہ ہے۔ کہ فقہیہ مدرسہ نے مستحبی کی حالت میں فتویٰ دیدیا کہ اگرچہ شراب پینا
حرام ہے۔ مگر اس سے بہی بدتر فعل ان لوگوں کا ہے۔ جو مال وقف سے ناجائز طور پر فائدہ
حاصل کرتے ہیں۔ اور اپنے استعمال میں لاتے ہیں۔

اوقات کی حالت اب یہی ناگفتہ بہ ہے۔ منتظم اور متولی مال وقف سے اب بھی بہت
ساحصہ اپنے منہ میں لاتے ہیں۔ یہی حالت خواجہ صاحب کی وقت بھی ہوگی۔ اس لئے
خواجہ حافظ لکھتے ہیں۔ کہ شراب پینا یہی بے شک منع ہے۔ مگر مال وقف پر ناجائز تصرف اس
سے بھی بُرا ہے۔ صرف مقابلہ منظور ہے۔

اوخر بایں کہ من سے خورم	صدکار گئی کہ غلام است آں را
-------------------------	-----------------------------

زیادہ تمیل کے لئے چھوڑ کر (پ) اور (عمر) (ق) (ط)

تفہیم در سہ نے یہ صاف گوئی ہی صرف سال کے ترقی میں کی ورنہ ہر تیار کی اور ہر کسب یہ فتویٰ دیتا۔

(۴) ترجمہ۔ تجھ کو درد و صاف پر کچھ اختیار نہیں۔ خاموش ہو۔ کیونکہ جو کچھ ہمارے ساتھی نے (ہمارے جام میں) گرایا۔ عین مہربانی ہے۔

درد و شراب تیرے۔ ہر ترقی چیز کو بچھڑی ہوئی میل۔ صاف۔ شراب صاف۔ مطلب یہ ہے کہ جو نیک بد تیرے لئے مٹا ہے۔ اس پر شکر کر۔ کیونکہ رب العزت کا کوئی فعل حکمت و خالی نہیں۔ اور جو کچھ دہکرتا ہے۔ تیرے فائدے کیلئے کرتا ہے۔ وہ تجھ پر مہربان ہے اور اس کو تیرا اختیار ہی کچھ نہیں۔ سوائے شکر کے چارہ کہاں۔ (وہ کچھ شعر (ت چلا) (۵) ترجمہ۔ خافت و قطع تعلق کر۔ یہ عقدا کی مثال سے سبق حاصل کر۔ کہ جو فتنہ نشینوں کا شہر قاف سے قاف تک ہے۔

قاف تا قاف یعنی دنیا کے ایک سے دوسرے تک کو یہ قاف کی نسبت مشہور تھا۔ کہ تمام عالم کے گرد بھرا ہوا ہے۔

عقدا۔ یعنی ایک مشہور پرندہ ہے۔ جس کا نام تو مشہور ہے۔ مگر کئی بات تک یکساں نہیں گویا معروف الامم اور محبوب المسم ہے جو احبہ صاحب کہتے ہیں۔ کہ عقدا جو کچھ گوشت تیرے ہے۔ اور اس نے خلقت و قطع تعلق کیا ہے۔ اس لئے وہ ہفت مشہور ہو گیا ہے۔ تو تو ہی دنیا کو چھوڑ۔ زاویہ گرین ہو۔ اور دیکھ کہ تیری شہرت ہی عالمگیر ہو جائیگی۔ اور کئی فرضی چیزوں کی طرح عقدا کا اشیان ہی کوہ قاف میں بتائی میں۔ لہذا عقدا اور قاف کی رعایت ظاہر۔

(۶) ترجمہ۔ مدعیوں کی بات اور ہمکاروں کا خیال ہی زرد و زور بوریافت کا مقابلہ ہے۔ ہمکار یعنی حریف۔ دوست اور دشمن ہر دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ یہاں یعنی دوست مطلب یہ ہے کہ حامدوں کو یاروں و وہی نسبت ہے جو بوریافت کو زرد و زور شیخزہی خضر ہے جو احبہ صاحب کے حامد گویا نظم میں بوریافتی کر دینے اور خواجہ صاحب اپنی غزلوں میں زرد و زری۔ نیز وہ کچھ شعر (ت چلا)

(۱) ترجمہ - اے حافظ خاموش! اور یہ خالص سونے کی طرح مجھے محفوظ رکھہ۔ کہ تیرے
کا قلاب صراف ہے
زرِ مسخ خالص نہا۔ نکتہ - بارگاہِ لطیف باتیں -
قلاب - از قلاب - کہوٹی چیز بیچنے والا - وغا باز
مطلب یہ ہے - کہ آج کل جو لوگ علمائے دین کہلاتے ہیں مفتی و مفتیہ میں - وہ
فی الحقیقت اخلاص و خالی ہیں - اور ریاکار ہیں - اسلئے اس قسم کی باتیں نہیں کرنی چاہئیں
کیونکہ وہ ان کے برعکس معنی لیں گے - جس تیرے قلاب صراف کا کام کریں باز خالص سونے کا

غزل ۳۸

۱	اگرچہ بادہ فرح بخش باد گلبرہ است	۱	بیانگ جنگِ خوف نے کہ مختسب تیز است
۲	صلحے و حرکے گرت بدست افتد	۲	نقل کوشش کہ یامستندہ گزیر است
۳	درستین مرغ پیالہ نہان کن	۳	کہ بخوشم عمر اجمی زمانہ خونریز است
۴	زرنگ بادہ بشوید خرقہ با از اشک	۴	کہ موسم و عود و روزگار بہ بہر است
۵	جوئی عیش خوش از دور و از گول سپر	۵	کہ صاف اس قسم جلدی اختیار است
۶	سپہر رشده پرویز عیش گل افشاں	۶	کہ قطرہ اشک سرسری و تاج پرویز است

عراق و پارس گریختن تر خود حافظ

(۵)

(۶)

بیانگ نوبت جب راد و وقت سپر است

جب محمد بن مظہر میرزا الدین شیراز اور فاروق حکمران ہوا۔ تو اس نے تجلی نشین ہوا کے ساتھ
ہی ہر جگہ تختہ کر دیئے۔ اور تمام میخانے بند کرادیئے۔ تاکہ کوئی ان میں نہ آسکے۔
نہا جب حافظ نے اسی واقعہ پر یہ غزل لکھی ہے۔ شوالہم، نوادہ حافظ کے قلام میں اور کئی

جبکہ ہی اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ دیکھو شراب (۱) اور غزل (۱۷) ردیف وال۔

میر سباز الدین کا بیٹا شاہ شجاع بھی شاعر تھا۔ اس نے بھی اسی نوع پر ایک باغی لکھی

اور چوبیس دہر ساز سستی است است

زندوں ہمہ ترک مے پرستی کردند

(۱) ترجمہ۔ اگرچہ شراب فرحت کھنے والی اور ہوا معطر ہے۔ آواز جنگ کے ساتھ

شراب نہ لی کہ فحش تیز ہے۔

گل پیر (نیرام از بختین) پول گر لے والا گل افشائی کر لے والا۔ خوشبو سیلا نیوالا۔

مطلب یہ ہے۔ کہ شراب خلوت میں اور حجاب لی لے کہ فحش کو خیر نہ ہو۔

(۲) ترجمہ۔ اگرچہ صراحی مے اور معشوق کی جنائیں تو ہوش میں ہونے کی کوشش کر کہ زمانہ

فرستہ انگیز ہے۔

مے و معشوق کی بزم میں ہوش کا نو کام نہ تھا۔ مگر فحش کا نفوذ ہے۔ ورنہ بقول امیر میانی۔

یارا و ہرگز نہ میں خیر و شکست بر حرف

ایسی محبت میں تو آتا ہوش کیا دیوانہ ہوتا

(۳) ترجمہ۔ خرقہ کی آستین میں پیالہ کو پوشیدہ رکھ۔ نیوکتہ شہ صراحی کی طرح زمانہ خیر نہ ہے

مرقع۔ کتاب لقا ویر۔ خرقہ و دلق درویشان۔ درویشوں کو کپڑے چونکہ پارہ پارہ

(رقعہ) ہوتے ہیں۔ اس لئے خرقہ کو مرقع کہتے ہیں۔

مطلب یہ ہے۔ کہ زاہدوں کی طرح درویشی لباس میں جام مے کو پوشیدہ رکھ۔ کہ

زمانہ نازک ہے۔ ضمانت ابدان ریاکار پر ہی حملہ ہے۔ جو لباس درویشی میں کار دیگر

کرتے ہیں۔ گویا خرقہ کی آستین میں جام مے پوشیدہ رکھتے ہیں۔

کہاں منجائے کا دروازہ خالی ہے کہاں واعظ

بہشتا جانتی ہیں کلامہ جاتا تھا کہ ہم کھلے

ذوق لے بی اسی مضمون پر یہ رباعی لکھی ہے۔

لے ذوق لے آہ کو صوفی جانیے

معلوم حقیقت تو حق جانیے

نکلتا ہو سیکرہ سے ابی منہ ہمایا لکھم

دلے ہوئے بغل صوفی شراب کی

چشم صراحی کو نوریز کہا۔ نیوکتہ صراحی کو منہ سے شراب سرخ نکلتی ہے۔

(۱۸) ترجمہ۔ اپنے خرقوں سے شراب کارنگ آسوں و پوداؤں۔ کیونکہ زہد کا زمانہ اور پرہیزگاری کا وقت ہے۔

(۱۹) ترجمہ۔ آسمان کے اوندھے دور سے خوش قسمتی نہ ڈھونڈھ۔ کہ اس غم کی فضا شراب ہی تمام درد آمیز ہے۔

عیش۔ زندگی گذارنا۔ وقت بسر کرنا۔ عیش خوش۔ خوشی سے وقت بسر کرنا۔ حجاز آء عرف لفظ عیش خوشی سے وقت بسر کرنے کے معنوں میں آتا ہے۔

مطلب یہ ہے۔ کہ دور آسمان میں خوشی محال ہو۔ اسکی خوشی ہی رنج کا موجب ہے۔ (۲۰) ترجمہ۔ بلند آسمان ایک فن اشن چلی ہے۔ کہ اسکا ہر قطرہ کسری اور تاج پرویز ہے۔

پرویزن۔ غریب چلی۔ کسری۔ شاہان ایران کا لقب۔ اور خاص نو شہروان کا۔ پرویز۔ فتح مند۔ چلی (۱) نو شہروان کہیے کا نام۔ چونکہ وہ بہت چھلیاں کہاتا تھا۔ (۲) لفظ پرویزن محفٹ ہی ہے۔ (۳) پرویز کو ہی کہتے ہیں۔

مطلب یہ ہے۔ کہ آسمان نے ہزار ہا کسری و پرویز کا خون کیا ہو۔ شعرنا صحنہ ہے۔ پرویز نسبت اور پرویز ست کی رعایت ظاہر۔ لفظ پرویز کے مختلف معانی پر غور کرو۔ اور دیکھو کہ خواجہ حافظ صاحب نے الفاظ کے انتخاب میں کتنا کمال ظاہر کیا ہے۔

(۲۱) ترجمہ۔ اے حافظ تو نے خواق اور فارس پر اپنی شاعری کا سکہ بٹھالیا ہے۔ آگ اب بھڑا د اور تبریز کی باری ہے۔

بخارا و فرماں روا سلطان احمد بن ابی تمام کلمات کا مجموعہ تھا۔ اور سخن سنج اور شاعر ہی تھا۔ خواجہ صاحب کو اس نے بار بار بلا بھیجا۔ خواجہ صاحب ہی لپٹے لیکن شیراز کو نہ پھوڑ سکے۔ (شعر العجم)

غزل (۳۹)

یار بک شمع شب افروز کا شائے کیست	۱	جان سوخت پیر کید جانا نہ کیست
حالیہ خانہ برانداز دل دین میں است	۲	تا ہم آغوش کی باشد و نمجانہ کیست
بادہ لعل لبش کز لب بادور مساد	۳	راح روح کہ و پیمایں وہ پیمائے کیست
دولت صحبت آں شمع سعادت پر تو	۴	باز پیر سید خدا را کہ پروانہ کیست
میدید بر کشتن افسونی و معلوم نشد	۵	کہ دل نازک باطل و فتنائے کیست
یار بک ماہ و شمع مہر رخ و زہر چہیں	۶	در کجائی کہ و گوهر یکے نہ کیست
آں فی لعل کہ نافور دہ مرا کرد خراب	۷	تا شیر کہ و ہم کاسہ و پیمائے کیست

(۵) گفتم آہ از دل یوانہ حفظ ابی تو
(۸) زیر لعل ہزاران گفت کہ دیوانہ کیست

یہ تمام غزل سے متعلقہ اشعار ایک لفظ سے ہیں۔ یعنی سوسن ہے۔ عاشق پریشان حال ہے۔ اور یقیناً ہے۔ معشوق کے متعلق بے صبری سے پرسی ہو رہا ہے۔ کہ کہاں ہے کس کے پاس ہے۔ کیسا ہے۔ اور کس پر مائل ہے۔
(۱) ترجمہ۔ یارب وہ شمع شب افروز کس کے شائے کا ہے۔ جان تو ہماری جلا دی پوچھ کہ جانا کس کا ہے۔
شعب افروز۔ رات کی تاریکی کو دور کرنے والا یا رہ شہر کرنے والا۔ کا شائے۔ جونیڑا۔ مکان۔

(۲) ترجمہ۔ اب تو میرے دین و دل کا خانہ برانداز ہے۔ دیکھیں گیس کا ہم آغوش ہوتا ہے۔ اور کس کا ہم خانہ ہے۔

تھامہ پیرا تھلا تھلا۔ گھر کو میراں کر۔ لے جانا۔ مطلق۔ غارت گرتیاد کن۔
 (۳) ترجمہ۔ اس کے لب لعل کی شراب جو خدا کرے۔ ہماری لبوں پر دور نہ ہو۔
 اس کے روح کی راحت ہے۔ اور کس کے پیانہ سے اس کا عہد ہے۔
 راج۔ (۱) خوش ہونا۔ خوشی۔ راحت۔ (۲) شراب (۳) کھنا۔ دست راج اور بادہ
 کا تعاقب ظاہر۔ راج۔ روح۔ بار بد کے تیل وازوں سے ایک آواز کا نام ہی ہے۔
 مطلب یہ ہے کہ اس کے لبوں کا پوہ جو خدا کرے صرف ہم کو ہی نصیب ہو۔
 معلوم نہیں کہ اب کس کے روح کی راحت بنا ہے۔ چونکہ لبوں کی سرخی و شراب کہہ ہے
 اس لئے پوچھا ہے کہ اب وہ کس کے پیالہ میں ہے۔
 راج و روح۔ پیانہ و بیان۔ لب و لعل اور بادہ کی رعائیں قابل تحسین۔
 (۴) ترجمہ۔ اس بیان کے نور وائے شمع کی صحبت کی دولت۔ خدا را پوچھو کہ کس کے
 پروانے کے نصیب ہے۔
 معشوق کو شمع سعادت پر تو کہا مطلب یہ ہے کہ معشوق کی صحبت کے فیض اور
 سعادت سے کون بہرہ مند ہے۔
 (۵) ترجمہ۔ ہر شخص اس پیر نہر پہونکتا ہے۔ اور معلوم نہیں کہ اس کا نازک دل کس کی
 باتوں پر مائل ہے۔
 مطلب یہ ہے کہ ہر ایک شخص اس کی طالب ہے۔ مگر معلوم نہیں کہ وہ کس کی چاہتا ہے۔
 عاشقانہ اور صوفیانہ دونوں معنی ظاہر۔

معلوم نہ شد کہ یا مشغول بہ کیفیت	ہر کس خیال خویش خطی دارد
(۶) ترجمہ۔ لے خدا وہ چاند کی صورت آفتاب کے رخسار اور زہرہ کی پیشانی والا۔ کس کا دیکھتا اور گوہر یک دانہ ہے۔ دریکھتا اور گوہر یک دانہ۔ ہم معنی ہیں۔ دریکھتا کہتے ہیں۔ وہ وہی جو صدف میں صدف تنہا ایک ہی دانہ پیدا ہو۔ زیادہ خوش کس اور زیادہ قیمتی ہوتا ہے بہت بڑا اور صافست میں بڑا ہوتا ہے۔	

(۸) ترجمہ - وہ تراب جس نے پہلے بغیر نیچہ خراب کر دیا۔ کہ کسی عاشقین اور کس عالم کا سہو ہم پیالہ ہے۔

مطلب ہے کہ معشوق جسے بچہ پا دہ ہی مست کر دیا۔ اب معلوم نہیں کہ کس کا ہم پیالہ ہے۔
(۹) ترجمہ - میں نے کہا کہ تیری سہو حافظ دیوانہ کا دل پر انوس۔ زیر لب کہہ لیا کہ دیوانہ ہے یعنی کہا کہ تیری خراف میں حافظ دیوانہ کی حالت شنو سنائی ہے تو سنیں کہ پوچھا کہ دیوانہ ہو گیا اسے یہ ہی معلوم نہیں۔ یہ صرف ایک جھوٹا تراب معشوقانہ انداز ہے جسے تجاہل معشوقانہ کہنا چاہیے۔

میری خاک ہی طہ میں رہی امیر باقی | ہیں مرنے کا ہی اجنگ ہیں غم سباز ہوتا

حدہ زیر لب یعنی ہنس

معزل (۱۰)

- | | | |
|----|--------------------------------------|------------------------------------|
| ۱ | کہ مادو عاشق نہ ایم و کار مازار نیست | بنال بلبل اگر بامست سر یار نیست |
| ۲ | چہ جای خم زدن تا بھائی تا ر نیست | درال چین کہ سب سے نزد طرہ دوست |
| ۳ | کہ مست جہانم نہ و نام سب یار نیست | بیار باد کہ رنگین کنیم جامہ لعل |
| ۴ | کہ تو بوقت گل از عاشقی بر یار نیست | نہ بستہ اند در لوبہ حالیا خبر نیست |
| ۵ | زی مرا تر بخانی کہ بہ زمبیدار نیست | نیم کرشمہ وصلش بخواب میدیدم |
| ۶ | کہ زیر سلسلہ عشق طریق عیار نیست | خیال زلف تو بخت نہ کار خاں نیست |
| ۷ | کہ نا آن لب لعل و خط زنگار نیست | لطیفہ ایست نہائی کہ عشق از و خیزد |
| ۸ | نہ از کتہ دریک کار و بار و لہار نیست | جمال شخصیت شہم بہ زلف عاز و خال |
| ۹ | عروج بر فلک سیروری بختوار نیست | باستان تو مشک کا تو ان سید آرس |
| ۱۰ | قبای طلس کس از ہنر عار نیست | روندگان طفت بر ہم جو خسرند |

(۱) دلش بنالہ میا زار و شہم کن حافظ
(۲) کہ کہ سنگاری جاوید و لہ از نیست

(۱) ترجمہ۔ اے بلبل اگر بچے میری ساتھ یاری کا خیال نہ تو رکھو کہ ہم دو تو عاشق لاریں اور ہمارا کام زاری ہو۔

شیخ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

اے بلبل اگر نالی میں باتو ہم آواز ہم

نواجہ صاحب بلبل کو اپنا نام آواز بنائے ہیں اور شیخ صاحب نے بلبل کو ہم آواز بنی نہیں اسی مضمون پر ہے۔

اے احمد لیب بل کے کرس آہ و زاریاں

(۲) ترجمہ۔ جو باغ میں ناف عشق کی سمت سویم چلتی ہو۔ نافہ ہمارا ناری کو وہاں ہم سار کی کیا قیست مطلب یہ کہ زلف غنیرین کی موجودگی میں نافہ یکہ چیز نہیں۔

اے نافہ ہاٹی رسیدہ ہو پسند زحمت تھی

(۳) ترجمہ۔ شہزادہ کہ جابر پارستانی اور نگین کریں۔ چونکہ ہم بیمار غرور کو مست نہیں کرتے تو بیماریاں دلوق۔ نفع لیشیہ جو رویش پہنچتے ہیں۔ بختیں جھگی جی جی کو پست سے پوشتن بناؤ ہیں مطلب یہ کہ زہدان ریاکار جو اپنے زہر و دوس پر غرور میں۔ وہ گویا بغیر شراب کو ہی مست ہیں اور اس غرور کا نام ہوشیاری یا مستوری رکھا ہے۔ آگدستی کو مستی ہی اچھی ہے دوسروں کی برائی ظاہر کرتے وقت بجائے ان کے اپنی ذات کو پیش کرنا اور صیغہ مشکلم استعمال کرنا عام طرز گفتگو میں شامل ہے۔

(۴) ترجمہ۔ ابی ہر قہر کا دروازہ بند نہیں ہوا۔ اہمہ کیونکہ موسم بہار میں عاشق کو کوہِ ناز قبول کہتے ہیں کہ توبہ کا دروازہ اس وقت کھلا ہے۔ جب تک کہ طلوع آفتاب مغرب سے نہ ہو۔ مطلب یہ ہے کہ آج کل موسم بہار ہے اور ابی ہر قہر کا دروازہ ہی واسطہ ہے۔ آج کل قہر نہ کرنے کا کیا فائدہ خزان میں دیکھا جائے گا۔

(۵) ترجمہ۔ آج بھر کو اس کو قبول کرنا تمہیں غیب میں دیکھتا تھا نہ ہو۔ ایسی نیر کا تمہیں جو بیماریاں اچھی ہے رہے۔ کلمہ تحسین و تعظیم۔ شہور ہے۔ کہ بھر کی خواب سچی ہوتی ہو۔ خواجہ بردار نے کہا کہ اگرچہ نیند شب بیدار ہو اچھی ہو۔ اور خاکسار بھر گاہ کی بیداری بھر کی ایسی نیند بیدار ہو اچھی ہو۔ بیدار ہو۔

(ع) ترجمہ۔ ایک پوشیدہ لطیفہ ہے جس میں عشق پیدا ہوتا ہے۔ کہ اس کا نام العجب یا خندا زنگاری نہیں ہے۔ مطلب یہ کہ معشوق کی وہ ادا جو عاشق کو دل کو سیر کر لیتی ہے ایک پوشیدہ نکتہ ہے۔ جس کا بیان کرنا مشکل ہے۔ یہ نہیں کہہ سکتے کہ معشوق کا العجب نے یا خندا مشکین نے یا مہم مسکے یا عارض گلگاہ کی یا اوکری خالص چیز نے یا ادا نے عاشق کو اپنی طرف مائل کر لیا ہے۔ بلکہ بحیثیت مجموعی متناسب خضا اور تازہ ادا کی ایک خاص کیفیت ہوتی ہے۔ جو عاشق کو فریفتہ کر لیتی ہے۔ اور جس کا اظہار یا تعین لفظوں میں ناممکن ہے۔

زولبری توان لاف زده با ساق | هزار تخته دین کار است تا دانی

سید محمد علی خاں میرزا محمد علی خاں میرزا محمد علی خاں میرزا محمد علی خاں

آن خال است و ز نخلان سر زلف پریشان
که دل منظر برده که استریت خدایی

(۸) ترجمہ جسم کی خوبصورتی آنکھ - زلف - عارض اور خال ہی نہیں مستحقِ کبریا اور جنتی ہے بلکہ
یہ شعر بچلے شعر و قطعہ کہہ رہا - اور مطلب ہی یہ - جو گلدستہ شعر و بیان ہوا - یہ کہنا تا معلن کی فلاح عاشق
اپنے معشوق کی خیم مست پر نسبت ہوا - یا اسکی مجمع عارض کاروانہ یا اسکی لڑکھانہ یا اسکی کیمیا پر نام و نشان
مشتہ کا یا منفرد یا ایک سرور و حسین شخص پر جو یہ احسن ہو جو دیکھ سکتی ہیں اور عاشق کو اس خاص خیر غنیمت ہونے
کی بھر کوئی وجہ باقی نہیں رہتی فی الحقیقت کاروانہ معشوقی میں ہزار ہا گنت ایسے ہیں جو ناقابلِ بیان ہیں اور جو
حالتیں یا مقبض کسی خاص وقت پر کسی خاص زمان پر اثر کر جاتی ہیں - وہ بیان ہی باہر ہیں خواجہ صاحب
نے ان دو شعروں میں ایک نایت لطیف سا نکالا جو کمال کیفیت کو ظاہر کر رہا ہے

فغانی شیرازی نے ہی اسی مضمون کو ادا کیا ہے۔

کونی کتر غمہ تاز و خرم نیست
ایستاد خرم سبب ایستاد کتر غم نیست

شیخ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ کہ جس میں زمین دہی سے لوگوں نے پوچھا کہ سلطان محمود کے اس قدر صاحب جمال غلام تھے کہ ہر ایک لاش میں تھا کسی سے اسکو اتنی منل و نجات تھی جتنی ابازسی جو اتنا صاحب جمال تھا۔ انہوں نے جواب دیا کہ ”ہر جہہ در دل فرو آید۔ در ویدہ بخوندا آید“ (۹) ترجمہ۔ تیری استنان بکشت کل سے رسائی ہو سکتی ہے۔ کیونکہ ہر طرف سے اس کا تپا پڑتا ہے۔ معشوق کو آستانہ کو فلک سروری کہا۔ ایک صاحب نے دو شعر معجہ کا ترجمہ پہلے کیا تو عربی فکر پر ہر طرفی دشوار ہے۔

(۱۰) ترجمہ۔ اگر طریقت آدمی جو پر پی نہیں خریدتے۔ اس شخص کی طلسمی قیام بہنری عاری ہو۔ یعنی بے بہنر شخص کی طلسمی پوشا کثایت حقیر اور بے قدر چیز ہے۔ نیم جو کی قیمت کی نہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ ایسے شخص کو طلسمی قیام بہنری نہیں۔ اور زائد ان ریا کار کو جائزہ مرقع خیر موزون۔

اہل نگر و عجم اسمہ سفیہ - | غزل شود از حل و دیا فقیہ (فرق)

(۱۱) ترجمہ۔ اسکا دن نہ آرزو نہ کر نہ ہے ہر طرف سے نجات کی غبات کم آزاری میں ہے۔ خواجہ صاحب کا فلسفہ دین ہے کہ معشوق کو اپنی نالہ و فریاد سے ہی آرزو نہ کرنا نہیں چاہیے۔ اور ان کے نزدیک نجات اسی میں ہے کہ انسان کم آزار ہو۔ تمام صوفیائے کرام اور اہل اللہ بزرگوں کا مشرب یہی رہا ہے۔ کہ آزاری سے بڑا گناہ ہے۔ اور صرف کم آزاری ہی وسیلہ نجات ہو سکتی ہے خدا غفور الرحیم ہے۔ ہم اپنے و رفیق سے جو اسکے متعلق ہیں۔ اگر کوتاہی کریں۔ تو بخش سکتا ہے مگر ایک انسان کا دل اگر رنجیدہ کیا جائے۔ تو جب تک وہ معاف نہ کریں۔ معافی مشکل۔ حدیث ہے

المسلم من سلم المسلمین من لسانہ ویلہ -

العبیہ بنگاہ سیل آزار است | دل گذر گاہ حلہ ہیں برست

خواجہ صاحب نے اپنے اس مذہب کی جا بجا تلقین کی ہے۔ چکھو شعرات پڑھو دستان

غزل (۱۱)

اگر چہ عرض شہنشاہی اربابیت | از باغ خج و ثول لیکن جان برادر عبیت

(۱۷) ترجمہ۔ تیری لطف کا ضیاء باندہ ہوا خام اوس کو کام نہیں ہے۔ ترجمہ کے چلنا عیار و کجا کام ہے عیار۔ لہجہ اول و تشدید۔ بہت آمدورفت کرنے والا آدمی۔ بہت حرکت کرنے والا آدمی۔
 ماخوذ از غیر یعنی ہر وقت اس لیے وقت جولان۔ دلیر آدمی جو رات بہر پر تارے اور نہ ڈری۔ حال اک۔
 زلف معشوق کو زنجیر کہتے ہیں مطلب یہ کہ معشوق کی زلف کا سودا کسان کام نہیں کیونکہ پانچ زنجیر کا بیانیہ ہے۔
 آدمی کا کام ہے مولوی محمد صادق علی صاحب کہتے ہیں کہ سلسلہ معنی زنجیر و سیماں کہ درشت گنگاہ ذرا آواز نہ دے یعنی زلف سلسلہ سیست او بختہ و خون صد ہزاران در زیر اور بختہ۔ بختن اور خام کا مقابلہ ظاہر۔
 (۱۸) ترجمہ۔ ایک پوشیدہ لطیفہ جس سے عشق پیدا ہوتا ہے۔ کہ اس کا نام لعل علیہ السلام خداوندگار کی نہیں ہے۔
 مطلب یہ کہ معشوق کی وہ اوجو عاشق کو دل کو سیر کرتی ہے ایک پوشیدہ دھکتہ ہے جس کا بیان کرنا مشکل ہے۔ نیز نہیں کہہ سکی کہ معشوق کو لعل نے یا خدا شکیں یا ختم مسکے یا عارض گلگون یا اوکری
 جس چیز نے یا ادا نے عاشق کو اپنی طرف مائل کر لیا ہے۔ بلکہ بحیثیت مجموعی تناسل عارض اور تازو ادا کی ایک خاص کیفیت ہوتی ہے۔ جو عاشق کو فریفتہ کرتی ہے۔ اور جس کا اظہار یا تعین لفظوں میں ممکن ہے۔

زولبری خواں لاف ز باسانی | ہزار کتہ دریں کار بہت تادانی

سنتی سعدی علیہ الرحمۃ سے اس لطیفہ کو ستر خدا کی کہتا ہے۔

آن خال است و ز رخسار سر زلف پریشان | کہ دل میں نظر بردہ کہ ستر بہت خدائی

(۱۹) ترجمہ۔ جسم کی خوبصورتی آنکھ۔ زلف عارض اور خال کی نہیں معشوق کو کار و بار میں رہا نکالیں یہ شو بیکہ شعر و قطعہ لہجہ ہے۔ اور مطلب یہ ہے۔ وگدشتہ شعر میں بیان ہوا۔ یہ کہنا ناممکن ہے کہ لعل عاشق اپنے معشوق کی خیم مست پرست ہوا۔ یا اس کی جمع عارض کا پروانہ یا اس کی زلف کا دیوانہ ہے کیونکہ یہ نام و نشان مشترک یا منفرد ایک ہے سر و جسم و نفس و لہجہ احسن موجود ہے کہ جس میں اور عاشق کو اس خاص خیم فریفتہ ہونے کی بھر کوئی وجہ باقی نہیں رہتی فی الحقیقت کار و بار معشوق میں ہزار باتیں ہیں جو ناقابل بیان ہیں اور جو حاکم بن یوسف کسی خاص وقت پر کسی خاص زمان پر اثر کر جاتی ہیں۔ وہ بیان ہو یا نہیں خواہ صاحب صاحب نے ان دو شعروں میں ایک ندرت لطیف سا نکالا جس کی کیفیت کو ظاہر کیا ہے۔

فغانی شیرازی نے بھی اسی مضمون کو ادا کیا ہے۔

چوئی میں گزشتہ تار و خرام نیست | سیر و نہاں بہت تار کہ نام نیست

شیخ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ کہ حسن عیندی سے لوگوں نے پوچھا کہ سلطان محمود کے بقدر صاحب جمال غلام تھے کہ ہر ایک لٹائی تھا کسی سے اسکو اتنی میل و محبت تھی جتنی ابازسی جو اتنا صاحب جمال تھا۔ انہوں نے جواب دیا کہ ”ہر چہ در دل فروز آید۔ در دیدہ بخونما آید“
(۹) ترجمہ شیرستان بکٹ کل سے رسائی ہو سکتی ہے۔ کیونکہ ہر چہ در دل فروز آید۔ در دیدہ بخونما آید۔
معشوق کو آستانہ کو فدا کر۔ سروری کہا۔ ایک صاحب نے دو ترجمہ پہلے کیا تو عروج فلک پر نہ فراری و شوار ہے۔

(۱۰) ترجمہ سالکان طریقت آدمی جو پرہیز نہیں خریدتے۔ اس شخص کی طلبی قیام بہتری عاری ہو۔
یعنی بے بہرہ شخص کی طلبی پوشاک نہایت حقیر اور بے قدر چیز ہے۔ نیم جو کی قیمت کی نہیں۔
خلاصہ یہ کہ ایسے شخص کو طلبی قیام بہرہ نہیں۔ اور زاهدان ریاکار کو جائزہ مرقع غیر موزون۔

اہل نگرہ۔ تبسمہ سفید۔ | اثر نشود از صلایا نفسیہ (فرو)
(۱۱) ترجمہ چیم۔ اسکا رنگ نہایت زرد ہے۔ جہاں تک کہ ہمیشہ کی غیبت کم آزاری میں ہے۔
خواجہ صاحب کا فلسفہ دل کیم ہے۔ کہ معشوق کو اپنی نالہ و فریاد سے ہی آزر دہ کرنا نہیں چاہیے۔ اور اچھے نزدیک نجات اسی میں ہے۔ کہ انسان کم آزار ہو۔ تمام صوفیائے کرام اور اہل اللہ بزرگوں کا مشرب یہی رہا ہے۔ کہ دل آزاری سے بڑا گناہ ہے۔ اور صرف کم آزاری ہی وسیلہ نجات ہو سکتی ہے
خدا غفور الرحیم ہے۔ ہم اپنے وارفتن سے جو اسکے متعلق میں۔ اگر کوتاہی کریں۔ تو بخش سکتا ہے
مگر ایک انسان کا دل اگر رنجیدہ کیا جائے۔ تو جب تک وہ معاف نہ کری۔ معافی مشکل۔ حدیث ہے
اھسام من سلم المسلمین من لسانہ ویدہ۔

اکعبہ بنگاہ سیل آزار است | دل گذر گاہ سیل کبر است
خواجہ صاحب نے اپنے اس مذہب کی حاجبا لفقین کی ہے۔ بیکو تعارف پڑوت ملے

غزل (۱۱)

اگر چہ عرض شہ پیش یار بی او نیست | ز بان نجویش لیکن زبان برابر غریبیت

۲	سبب میری رخ و دود و در کمر شمع و ناز	۲	سبب تیرگی چرخ و دود و در کمر شمع و ناز
۳	سبب میری گل بخار کس خجید آری	۳	سبب تیرگی گل بخار کس خجید آری
۴	حسن زلف و بلال از مجلس صہیب از شام	۴	حسن زلف و بلال از مجلس صہیب از شام
۵	جمال دختر ز نور چشم ماست نگر	۵	جمال دختر ز نور چشم ماست نگر
۶	دوای درد خود کنوں از آن مفتوح ہوئی	۶	دوای درد خود کنوں از آن مفتوح ہوئی
۷	بیم جو خرم طاق خانقاہ و رباط	۷	بیم جو خرم طاق خانقاہ و رباط
۸	نہ از عقل و ادب دستم من ای خواجہ	۸	نہ از عقل و ادب دستم من ای خواجہ
۹	کنوں کہ مست و خرام صلائی پادشہیت	۹	کنوں کہ مست و خرام صلائی پادشہیت

(۱۰) بیار منے کہ چو حافظم استغفار
(۱۱) مگر یہ سہری و نیاز تم شبہیت

(۱) ترجمہ :- اگرچہ نہ کہانہ ہمارے دوست کے سامنے ہے ادنیٰ یا اور زبان خاموش ہو لیکن میرے دل پر یہ مطلب ہے کہ ہمارے دل میں اس لئے خاموش نہیں کہ ہم کہہ نہیں سکتے صرف یار کا ادب ملحوظ رہتا ہے۔

رات میخانہ میں آگ نہ سوائی تھی جدا

(۲) ترجمہ :- پری نے منہ چھپایا ہوا ہے اور دیکر تیرے ناز میں مشغول ہو عقل حیرت و وصل کہی

کہ یہ کیا عجیب بات ہے۔

لو العجب - پد العجب - صاحب العجب - بشعبد - بازیکر - بوالعجب - تعجب - عجیب باتیں - دنیا میں خلاف توقع ہزار ہا ایسے واقعات پیش آتے ہیں کہ عقل حیران ہو جاتی ہے۔ مستحق محروم رہ جاتی ہیں۔ اور نا اہل پرہ مند - عالم بقدری کے شکار میں اور جاہل سرکار نیک آدمی بدنام ہوتے ہیں۔ اور برے لوگ نیک نام - حاصل کلام انسانی عقل کے خلاف ہر روز کی ایسی باتیں ظہور پذیر ہوتی ہیں۔ جو آدمی کو حیران کر دیتی ہیں۔ تیسرا چوتھا اور پانچواں شعری اسی مضمون پر ہے خواجہ صاحب کلام میں اکثر خلاف معمول غزل استعمل پایا جاتا ہے۔

(۳) ترجمہ :- سبب پوچھ کہ آسمان کیوں سفید ہو رہا ہے کیونکہ آسمان کی مراؤ بخشی کا بیان بڑی سببی ہے۔

وہی مضمون ہے جو پہلے شعر میں ہے۔ اس میں شک نہیں کہ دنیا اسباب کا نظام ہے اور علت و معلول کا سلسلہ قائم ہے۔ مگر چونکہ مسبب الاسباب کے ہر ایک فعل کو انسانی عقل نہیں پہنچ سکتی اس لئے دنیا میں اکثر ایسے واقعات بھی پیش آتے ہیں جن کا کوئی سبب معلوم نہیں ہوتا۔ اور اس لئے کہا جاتا ہے کہ بغیر اسباب کو بھی واقعات کا ظہور ہو جاتا ہے۔ خواجہ صاحب یہ کہتے ہیں کہ یہ نہ پوچھو کہ آسمان ہفطہ لوگوں کو کیوں بامراد اور خوش نصیب بناتا ہے کیونکہ اس کا بیان نہ موجود ہے کہ بغیر سبب کے بھی کام ہو سکتا ہے۔ اور اسی طرح وہ سفلوں کو بھی بغیر سبب کے بامراد کر دیتا ہے۔ زمانہ میں یہ نہایت عام موجود ہے کہ اہل فضل و کمال حرام نصیب اور جاہل جو بظاہر مستحق معلوم نہیں ہوتے۔ کامیاب ہو جاتے ہیں۔ شیخ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

اگر روزی بدالش بر فرزد دے	زنا و ان تنگ تر روزی تو دے
بنادان اس چنان روزی رساند	کہ دانا اندران صیراں مباد

اسی مضمون پر کسی استاد نے کہا ہے۔

جاہل درون مجلس و عالم برون ر	جو نڈھڑا حیلہ بدریاں میں بر
جہان ز تنعم و آریاب فضل را	جز یک نزار حیلہ چکاں میں بر

(۴) ترجمہ۔ سنا ہے کسی نے گل بیجا نہیں لڑا۔ ہاں چراغ مصطفیٰ کے ساتھ ہی ہمارا بولہب موجود ہے۔ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا کا نام تڑ۔ اصل میں بیکام ہے۔ حضرت نبی تہا۔ رسول کریم سے عداوت اور دشمنی کے باعث بوجہ بغض بولہب ہو کر گیا بعض کہتے ہیں۔ کہ چونکہ اس کا چہرہ شعلہ کی طرح روشن اور تاباں تھا۔ اس لئے بولہب کنیت ہوئی۔ مطلب یہ ہے کہ باغ دنیا میں پہنچنے والے کو ساتھ کا تھا ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی ان کو چھائی دشمنی کا خار تھا چلنے کے ساتھ شرارتی نسبت اور بولہب کے لغوی معنوں کی رعایت ظاہر ہے۔ اسی بولہب کی نسبت قرآن کریم میں آیا ہے۔ ثبت ید آجلی لہ طیب و تب ما اغنی عنہ مانہ و ما کسب سیدی ملی خارا کذا ذات خب و امرہ قتلہ حمما ۱۱ مطلب فی جید ہا جبل من مسسل کا ہاگ ہو دست بولہب اور بولہب اس کو مال نے اور اس کی پیدا کردہ چیزوں نے کچھ فائدہ نہ دیا۔ شعلہ زن آگ میں آگیا۔ اور اس کی عورت ہی جو نیم بردار

ہے۔ آگ میں تھکی۔ اس کی گردن میں سیفِ خربانی رسی ہے۔

(۵) ترجمہ۔ حسن امیر ہو۔ بلال حبش ہو۔ اور حبش نام ہو۔ اور خاک مکہ و ابوہل کی عجیبیت
حسن لہجری۔ ایک کی کاف کا نام ہے۔ جسے آنحضرتؐ کا ہونٹا پانی پیا اور ان کی دعا سے
کلماتِ علیہ پڑھنا حضرت علیؑ سے بہت ارادت تھی۔ سلسلہ خبری بیوفات پائی۔

بلالؓ۔ جناب رسولِ خدام کے مؤذن کا نام ہے۔ جو حبش کے رہنے والے تھے۔ ابتداء
میں صدیق اکبرؓ کے غلام تھے۔ انہوں نے آزاد کر دیا تھا۔ وہ۔ پہلے آدمی میں جنہوں نے مکہ میں
اسلام قبول کیا ہر عمر میں سکونتِ اختیار کی ساٹھ برس سے زیادہ عمر کا کربلا ہجری میں حبش میں وفات پائی۔
صہیب۔ جناب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک صحابی کا نام ہے۔ جو مکہ میں رہنے
والے اور نہایت فصیح و بلیغ تھے۔ روم سے آکر مسلمان ہوئے۔

ابوہل۔ مشہور دشمن رسول کریمؐ جس کے متعلق قرآن شریف میں یہ لکھی آیتیں ہیں چنانچہ کہو
سورہ تیس "ان جعلنا فی اعناقہم اغلالاً" سورہ حر (شان نزول) سورہ حر۔ "سنزیم آیتنا فی الافاق"
اور سورہ دخان۔ ذق ابک انت العزیز الکریم۔ الخ وغیرہ وغیرہ۔

مشہور شعر ہے مطلب یہ کہ لوگ ان ممالک سے جہاں کفر کی سلطنت تھی زور و دور کی منزلیں
طے کر کے آئے۔ اور برکاتِ اسلام سے فیض یا بے یو۔ تعجب کی بات ہے کہ سرزمین مکہ میں جہاں اسلام
کا فتاح ابلیس بنی نورانی شعاعوں کو کفر کی قدیمی تاریکی کو دیکھ کر ملک عرب کو روشن کر رہا تھا
وہاں ابوہل پیدا ہوا۔ اور تمام عمر وہاں ہی مقیم رہا۔ مگر اس کے دل کی سیاہی دور نہ ہوئی۔

(۱) ترجمہ۔ دختر زکاء جمال ہماری آنکھ کا نور۔ یہ کیشیشہ کے نقاب اور انگور کی پردہ میں ہے۔
دختر زکاء۔ انگوری شراب۔ زکاء یعنی انگور زہ جلیج شیشہ۔ صراحی۔ عجب کبیر۔ انگور
شراب انگور میں ہوتی ہے۔ اور وہاں کی شکل صراحی میں ہوتی ہے۔ لہذا پردہ عجب اور نقاب جلیج کہا۔
آنکھوں کی بینائی ہی پردوں میں ہوتی ہے۔ پردہ زکاء اور پردہ غائبی آنکھوں کی پردوں کو نامی ہو سکتے ہیں
کیونکہ آنکھوں میں نہ انگور اور شیشہ کی شکل موجود ہے۔ عجب کبیر کہ تیسرے پردہ کا نام ہے۔ یہ شکل سات
پردے میں اور زکاء یہ ایک رطوبت کا نام ہے جو چوہے پر دے کے بعد ہوتی ہے۔

مطلب یہ کہ دختر زکاء ہماری آنکھوں کا نور ہے۔ اور ہمارے دعوئی کی دلیل یہ ہے کہ شراب

(۱۷) مینائی کی طرح) پردہ زجارج اور نقاب عجب کے اندر ہے۔
 (۱۸) ترجمہ۔ اپنے درد کی دوا اب اس مفرح کو ڈھونڈھ جو چین کی عراج اور ملک شیشہ میں ہے۔
 مفرح۔ وہ دوا جو دل کو فرحت بخشنے اور درد دل کو تسکین دے۔
 چین کی عراجی ہے۔ اور طلب کو آہنگینہ شراب مشہور۔ مطلب یہ ہے کہ شراب درد دل کی دوا
 دیکھو شعر (الف ۳ ت ۳)

(۱۹) ترجمہ۔ میں خاقانہ اور رباط کے خراب کو نصف جو پر پی نہیں خریدتا۔ میری لکڑی شراب خانہ
 ایوان ہے۔ اور تم مے کے پائے طنپ ہیں۔

طاق۔ محراب۔ محراب چار عمارت۔ خاقانہ۔ خانگاہ حلقہ درویشان۔ درویشوں
 کا مقام۔ رباط۔ بکسر۔ مسافر خانہ۔ فقیروں کی جگہ۔ مصطفیٰ۔ مینانہ۔ شراب خانہ۔ مضمضہ بی
 کہتے ہیں۔ ایوان۔ لشکرگاہ بلند جس پر چھت ہے۔ دیواریں ہیں۔ ستونوں پر نہایت
 ہوتا ہے۔ طنپ۔ درخت۔ طناب خمیہ۔ خمیہ کی رسی۔ رن۔ لختیں۔ مشک جالی دار۔
 جالی دار کمرہ جس کی دیواریں سوراخ سوراخ ہوں۔

مطلب یہ ہے۔ کہ میرے دل میں محراب خاقانہ کی کچھ وقعت نہیں۔ شراب خانہ میرا
 ایوان ہے۔ اور تم کو پاؤ خمیہ کی طنپ میں ہیں۔ یا اس ایوان کے ستون میں۔ یا بذات خود جالیدار
 مکان میں۔ خواجہ صاحب گلد عاصف اتنا کہ نہ ہر خشک کی بقابلہ عشق الہی، کینے برابر کو مٹا نہیں۔
 (۲۰) ترجمہ۔ اے خواجہ میں ہزار عشق وادے کھتا تھا کینے ست اور خراب جسے بے ادبی کہتا ہے
 مطلب یہ ہے۔ کہ جب تک میں عشق میں تھا۔ ادب ملحوظ تھا۔ اور عشق چور عاقل و ادب ان تھا اب
 مے خربت و مست ہوں۔ اسلئے بے ادب ہوں عشق کی تنہائی منازل میں عاشق و معشوق کو دریا
 طاف وادے مفتود ہو جاتا ہے۔ قواعد شریعت میں ادب ضروری۔ مگر طریق محبت میں ادب کچھ کام نہیں
 مہرانا رومی نے اس فیروز کو بیان کیا ہے۔

موسیا آداب داناں دیگر اند | سوختہ جان مرواناں دیگر اند

(۲۱) ترجمہ۔ شراب کہ حافظ کی طرح دایا نوہ۔ گریہ تھری اور نیاز نصف شرب ہے۔
 یعنی حافظ کی نوہ یہی ہے۔ کہ وہ سحر کو درگاہ باری میں لے کر لے کر لے کر اور ادبی رات و وقت عجز

دنیا زمین متغول ہوتا ہے تفصیل کے لئے کچھ شعر (۱۱)

تغزل (۱۲)

عجب بندہاں مکن ای اہل پاکیزہ شہر	۱	کہ گناہ و گریہ بر تو بخوابند نوشت
من اگر نیکم اگر بد تو برو خود را باش	۲	ہر کھے آں درود عاقبت کار کہ گشت
یہ کہیں طالب یارند چہ ہشیار چہ مست	۳	ہر سیاخانہ عشق بست چہ مسجد کشت
سیدیم منج خالک میکدہا	۴	مدعی اگر کچھ ہم عن گوشت و چشت
نامیم مکن از سالہ روز ازل	۵	تو چہ انی کہ لہر چہ کہ خوبست کہ زشت
نہ من از خانہ تقوی بد افتادم و بس	۶	پدرم نیز بہشت آباد دست بہشت
بر عمل تکیہ مکن خواہ کہ در روز ازل	۷	تو چہ دانی قلم صنع بنامت چہ نوشت
گر نہ ہادت ہمہ این بستے پاک نہاد	۸	ور بہشت ہمہ این بستے پاک نہاد
بارغ فردوس لطیف ست لبتین نہاد	۹	تو غنیمت شمر اس سایہ بد و لب کشت

صاف نظر اور اچیل گر کجبت آری جائے

(۱۰)

(۱۱)

یکسر از کوئے خرابات بر نداشت بہ بہشت

اس غزل میں سبھی سلسل مضمون موجود ہے۔ اس طرز کے بانی شیخ سعدی علیہ الرحمۃ تھے۔ خواجہ صاحب نے بھی اکثر غزلوں میں ایک خاص نمونہ کا سلسلہ کہا ہے۔ جو دوسری شاعروں کی غزلوں میں نہیں پایا جاتا۔ (۱) ترجمہ۔ لے زاہد پاکیزہ شہر نہ ہو مکی عیش کی نہ کر کیونکہ دوسرا توئی کا گناہ تیرا حساب نہیں لکھتا۔ خواجہ نوشت کافا عمل کرام کا تین سو کل جو انسانوں کا اعمال لکھتے ہیں۔ سورہ زخرف میں ہے۔ وورسلنا لدیہم مکتوبون۔ (اور ہمارے فرشتے ان کے پاس لکھتے ہیں) مطلب یہ ہے کہ لے زاہد تو زندوں پر کچھ چینی اور ان کی عیب گئی نہ کر۔ تجوی پرانی یا پڑی ہے۔ ان کے گناہ تیرے نامہ اعمال میں نہیں لکھ جائیں گے۔ پاکیزہ شہر میں طہنہ کی بو ہے۔

ملک غیبی بلق سے خود سرفراز	بہ حبیب خود از حق مشتعل
ولدت اعمالنا و لکم اعمالکم (بقزو)	
(۲) ترجمہ - میں اگر نیک ہوں یا بد تو جیسا اور اپنی فکر کر۔ ہر شخص انجام کار و باری کا پورا پورا جوابی مطلب یہ ہے کہ میں چاہا ہوں یا برا کچھ کیا غرض تم اپنی اعمال کا جادہ ہواؤ میں اپنے افعال کا ذمہ وار لکھ دینکم ولی دین، وہی مضمون ہے جو پہلے شعر کا ہے۔	
(۳) ترجمہ - تمام لوگ محبوب کو طالب ہیں کیا ہوشیار کیا مست تمام تمام عشق کا گھر ہیں۔ کیا مسجد کیا قبر۔	
کنشت - آتشکدہ - بیودیوں کا معبد - سوروں کو باند سوزی کی جگہ کنش مخف ہے۔	
مطلب یہ ہے کہ ہر ایک شخص اسی محبوب کا طالب ہے اور ہر ایک دنگاہ اسی کی عبادت کیلئے مخصوص ہے۔	
ع - سجدہ کا یزدرا بود گو مجدہ در میخانہ باش - طاهر سعید اشرف نے کہا ہے۔	
لسیر کعبہ و یریم گاہ اینجا و گاہ آنجا	کہ مطلب تجویز اوست گاہ اینجا و گاہ آنجا
اولیٰ فصل با ایک مسجد خانہ عام ڈول کشمیر کو نزدیک شہر پاتا جس پر یہ رباعی کتبہ کراہی۔	
نئے تیرت رادل عشاق نشانی	حلقہ تہو مستعوان تو غائب زمیانہ
گاہ معکف معبد و گاہ سکر یریم	یعنی کہ ترے طلسم خانہ مخبانی
عارف جامی کا شعر ہے۔	
بریا دوست عیش جوانان مسکدہ	وز شوق دوست لغزیران خالقاہ
حقیقت یہ ہے کہ عارف کیلئے ہر جگہ خانہ خدا ہے۔ اور ظاہر پرست کسی جگہ ہو محبت پرست ہے۔ عرفی کہتا ہے۔	
فقیہاں دفترے رائے پرستند	حرم چوبیاں درے رائے پرستند
برافکن پردہ تا معلوم گردد	کہ یاراں دیگرے رائے پرستند
عرفی نے ایک اور مقام پر اسی مضمون کو ایک لطیف تر تشبیہ سے بیان کیا ہے۔	
عارف ہم از اسلام خراب سے ہم از کفر	پروانہ چرخ حرم و دیرند اند
خواجہ کا شعر ہے۔	

منزل یار قرین است چہ پیش ازین
اسجد گریہ نیاز است چہ پیش ازین

(۴) ترجمہ میرا تسلیم اور ترا جانوں کو دروازہ کی خاک۔ یعنی اگر یہ بات نہ سمجھ لو کہ وہ اسکو
میں نے اپنا تسلیم دیکھ کر کہا ہوا ہے یعنی عشق میں تسلیم خم ہو اور رونا کی ساقی
اگر غیر اس بات کو نہ سمجھ سکے۔ تو اس کو چاہیئے کہ اپنے سر پر تھپارے۔ یا اس کی سمجھ بڑ
تسلیم اور خاک کی ایک طرف اور سر بلع اور خشت دوسری طرف۔ اچھی تقسیم ہے۔

(۵) ترجمہ۔ روز ازل کے سابقہ محو نامید نہ کر۔ تو کیا جانتا ہے کہ کس قدر وہ کون کون کی صورت
سابقہ۔ وہ امر جو کسی کام کے انجام کے لئے پہلے ہی سے وسیلہ مقرر ہو۔ تر
کی آشنائی۔ پہلے کا حق۔

مطلب یہ کہ روز ازل کو ہر ایک انسان کیلئے خدا نے وسیلہ عاقبت مقرر کر دیا۔
ہر ایک کی نعمت علیحدہ ہے۔ تجھے کیا معلوم ہے کہ میری قسمت میں کیا لکھا ہے۔
کا علم نہیں ہے۔ تو تجھے نامید کیوں کرتا ہے۔ یا اس طرح تجھ کو کہ روز الست کی
کا حق جو محبوب اور مخلوق کے درمیان ہے۔ تو تجھ کو اس کو نامید نہ کر اور وعدہ لا
کے یاد کر۔ مجھے تو اپنے محبوب کی مہربانی پر امید ہے۔ اور تو قبل از وقت کہہ ہی کہ
ہے کہ انجام کار کون کس حالت میں ہوگا۔

(۶) ترجمہ۔ صرف میں خاندان نبوی یا ہر نہیں نکلا۔ بلکہ میری پدر (آدم علیہ السلام) نے
جاوداں کو ہاتھ پہنچا دیا تھا۔

مطلب یہ کہ انسان فطرتاً کمزور اور قصور وار ہے۔ ناقص ہے۔ اور گنہ گار ہے۔ حضرت آدم
نے یہ غلطی اور نافرمانی کی بنیاد ڈالی۔ تو اسے صاف لے اور کئی جگہ ہی اس مضمون کی طرف اشارہ

پدرم روضہ رضوان بدو گنہ گارم لغز و خست	ناخلف باشم اگر من بگوئی لغز و خست
بابا من غم من سپہ زر راہ چوں نرویم	چوں رہم خام خاکی سیجہ دانہ زردند

اس مضمون کے لئے یہ کچھ اشعار آئے ہیں۔
(۷) ترجمہ۔ اے خواجہ ابی مخنیف نہ کہہ کہ روز ازل میں۔ تو کیا جانتا ہے کہ صنعت کو قلم
مطلب یہ ہے کہ اے عابد اپنے اعمال پر غور نہ ہو۔

کس را بخیر و طاعت خویش اعتماد نیست | آن بی ایوب و کندی مکہ بر عشا (صحی)
تجہ کیا معلوم کہ مصالح حقیقی نے تیری قسمت میں کیا لکھا ہے۔ وہی مضمون ہے جو شعر زیر میں
گزر چکا ہے۔

لسا امام ریائی و پیشوائی بزرگ | کہ روز حشر و جزا ترسار خواہد بود (صحی)
(۸) ترجمہ۔ اگر تیری طبیعت بس بی ہے۔ تو بہت پاک طبیعت ہے۔ اور تیری طینت
بس بی ہے۔ تو عجیب پاک طینت ہے۔

تر ہے۔ کلین۔ عظمت و عزت۔
زاد کو مخاطب کر کے طنز اگیا ہے کہ تیری خلقت اگر بی ہے جو ظاہر کرتا ہے۔ تو
عجیب مقدس خلقت ہے۔

(۹) ترجمہ۔ بہشت کا باغ لطیف ہے۔ مگر خبردار۔ تو اس میدان کے سایہ اور لب کشت
کو غنیمت جان۔

مطلب یہ۔ کہ عیش نقد و غنیمت جان۔ نسیم کی امید یہی نہ رہ۔ نقد و نسیم کیلئے
دیکھو شعر (الف ۹) و شعر (۹) لب کشت یعنی کشت زار کا کنارہ یا کنار باغ اسی مضمون
کے لئے دیکھو شعر (الف ۱۰)

(۱۰) ترجمہ۔ اے حافظ و امین اگر ایک پیالہ ہی تیرے ہاتھ لگائے تو کوچہ
خرابات سے براہ راست تجھے بہشت میں لے جائیں گے۔
آپ خود عمل کر لیں کہ خواجہ صاحب نے انگوڑ کے طالب میں یا شراب طہور کے۔

غزل (۳۴)

جزاستان تو مہر جان پناہ نیست | سر مجھ ز این حوالہ گاہ نیست
غلو چو تیغ کشدن سپید ازم | کہ تیرا مجھ از نالہ و آہ نیست
چرا کہ۔ خیر است ہر روزی بر تاج | کہیں مجھ کو کجی و کجی و کجی نیست

زمانہ گزرنے کا شہم بھڑ من بھر	۴	بگو سبوز گہ پر من بھر کا ہے نیست
غلام کر گس جاش اس سہی سرورم	۵	کہ از شراب غرورش بکس کا ہے نیست
مباشن در پی آزار و ہر چہ خواہی کن	۶	کہ در شریعت ناخیز از بس گنا ہے نیست
عناک شہید روا بادشاہ کشور حسن	۷	کہ نیست بر سر ای کہ از خواہے نیست
عقاب چو کرکشاود است باند رنہ شہر	۸	اکنان گوشہ نشین و تیرا ہے نیست
چنین کہ از ہمہ شود ام راہ می بسیم	۹	بہ از حمایت لطف تو ام پنا ہے نیست
<p>(۱۰) خزینہ دل حافظ بزل ف و خال دہ</p> <p>(۱۰) کہ کار باہی جنیں حد ہر سیاہ نیست</p>		
<p>(۱) تو جھم - تیری و نیز کے سو جہاں میں میری کوئی پناہ نہیں۔ اور میری سر کیلئے اس واقعہ کے سو کوئی حوالہ گاہ نہیں ہے۔</p> <p>حوالہ گاہ - یعنی لجاو ماوا - جائے پناہ -</p>		
جز در تو قبلہ خواہیم ساخت	۱	گر نوازی تو کہ خواہد نواخت (انتہائی)
<p>شعراء کے تذکروں میں لکھا ہے - کہ انوری نے سلطان سحر کے دربار میں ایک روز حاضر ہوئے۔ پڑھا سلطان بہت خوش ہوا اور کہا کہ تو کوی چاہتے ہو یا صلہ - انوری نے اور بھی لڑاکا برہمن کی کہ</p>		
اجرت مستان تو ام در تہاں پناہ نیست	۲	میرزا بہر زین حوالہ گاہ ہے نیست
<p>ظہیر کہ کہ انوری نے شیخ سلفان سحر کے دربار میں پناہ مانگی تھی - تو شیخ نے فرمایا کہ تو امیہ صاحب نہیں ہو سکتا۔ اور اگر خواجہ حافظ کا ہے - تو انوری نے اس کو نہیں پڑھا ہوگا - کیونکہ انوری چالیسویں صدی ہجری کے نصف اول میں ہوا ہے۔ اور خواجہ صاحب آٹھویں صدی کے نصف ثانی میں</p>		
<p>(۲) ترجمہ - دشمن جب تواریکالتا ہے - تو میں ڈال چھینکتا ہوں کیونکہ نالہ آہ کا بغیر ہمارا اور کوئی تیر نہیں</p> <p>سیر انداختن - یعنی مقابلہ نہ کرنا مثلاً</p>		
انہ بہ چاہد ام سر سب تو اں تا منتن	۱	کہ جہاں سب پیرا ہمارا جہستن (استدعی)
<p>خواجہ صاحب قرآن میں ہماری یا دشمن کو مقابلہ کیلئے تیرا آہ کو اور کوئی تھی یا نہیں اور حقیقت یہ ہے کہ تیر</p>		

میشے نشانہ پر ٹھیکتا ہے۔

آتش سوزاں کسند باسپند | آگچہ کسند و دود دل مستمند (صحف)

خواجہ صاحب کا فلسفہ اخلاق کی کمی و کمزوری کا مقابلہ ہی نہیں کرتے۔ انھوں نے ان کے اشعار کو ساتھ
چڑھنا چاہئے ورنہ سکتے ہو گا

(۱۴) ترجمہ۔ میں چہ خرابات میں کیوں بیروز کہ اس سے بہتر میری جہاں میں کیوں نہیں ہے
بہم یعنی (اب ام) میرے لئے بہتر۔

(۱۵) ترجمہ۔ زمانہ اگر میری خرمی عمر کو گنتا ہے تو کہہ کہ لگاؤ کیونکہ وہ میری عزیز کی گاہ کہ برابریں
یعنی خرمی عمر کی قدر میری نظروں میں گھاس کی ایک پتی کے برابر ہی نہیں۔ اگر زمانہ میری حالت پر تو پتا
سے۔ خرمی اور برگ کا ہوا چہا مقابلہ ہے۔ خواجہ صاحب حوادثِ حیات اور واقعاتِ حیات کو لا پرواہی
ظاہر کرتے ہیں۔

(۱۶) ترجمہ۔ عین میں سر و ہوش کی نرگس مست کا غلام ہوں کہ شراب غرض کی وجہ سے اس کی نگاہیں پھینکی
جھاش۔ شوخ۔ دلیر۔ مست۔ مستی۔ آرائش کرنا والا۔ فریب دینے والا۔

مطلب یہ کہ میں اس معشوق سے قہر کی چشم مست کا غلام ہوں جو غم و غم کی وجہ سے کسی کی طرف توجہ نہیں کرتا۔
(۱۷) ترجمہ۔ کسی کو تکلیف دینے کو چاہیے نہ ہو اور جو چاہتا ہے۔ کہ کیونکہ ہمارے غم و غم میں اس کو اور کوئی
گناہ نہیں

خواجہ صاحب نے اس اصول کا بھی بار اعادہ کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک سب
بڑا گناہ آدمی کی دلداری ہے۔ اس سے بچو اور جو چاہتے ہو کرو۔ نہایت اعلیٰ اصول ہے۔

شکست شیفہ یک دل چنان است | کہ چندیں لعب و میاں کردہ باشی

اسی مضمون کیلئے دیکھو شعر (۱۱) اور شعر (۱۲)

جواہی کہ ترا رتبت اسرار رسد | امپند کہ کس راز تو آزار رسد (عرقیہ)

(۱۸) ترجمہ۔ اے ملکِ حسن کے بادشاہ اگر تیرے چلنے کے لئے راہ پر کوئی ایسا آدمی نہیں ہے جو تیرے
یعنی ہر جگہ راستی پر دعوہ کھڑی نہیں۔ اسی عرض معروض منتاجا اور گہوڑ کو تیرے ہونے دے۔
حکام وقت کے دورہ کی غالباً یہ غرض نہیں ہوتی۔

(۸) ترجمہ۔ ظلم کے عقاب نے تمام شہر سناں پر کھولے ہوئے ہیں کسی گوشہ نشین کی کمان اور آہ کا تیر (شاید) نہیں ہے۔

عقاب۔ ایک سیاہ رنگ کا حکاری پرند ہے جو بہت تیز پرواز اور طاقتور ہوتا ہے۔ ظلم کو عقاب سے تشبیہ دی ہے۔ اور کہہ ہے۔ کہ تمام شہر میں ظلم برپا ہے۔ کیا کوئی گوشہ نشین اور گوشہ نشین کو عقاب ظلم کو تیرا ہونے۔ ظالم کو ہلاک کلدیو سب سے زیادہ نڈر طریقہ ہی ہے۔

ظفرِ ارپیش نے رو دبا ما	با خداوند غیب دان نرود
زور مندی کن برا مل جہاں	تا دعلے بر آسمان نرود

کمان پر مزد قد غمدیہ گوشہ نشین۔ ممکن ہو خواجہ صاحب گنگسی خائن ظالم عامل کی طرف اشارہ ہو (۹) ترجمہ۔ یہ حالت ہے کہ ہر طرف سے میں راہ کے جالچک پتا ہوں۔ ایسی صورت میں تیری زلف کی حمایت سے بہتر میرے لئے کوئی پناہ نہیں۔

یعنی دنیا میں چاروں طرف راہ پر خطر ہے۔ جابجا جال لگے ہیں۔ ہر وقت لغزش کی کا خطرہ ہے اس لئے تیری زلف کی مدد کے سوا اب اور کوئی چارہ نہیں۔ زلف خود دام ہے مگر یہ دام اور تمام جالوں کا چہا ہے۔ دام عشق انسان کو اور تمام قیود کو آزاد کر دیتا ہے۔ اس لئے عاشق قیود دنیا کی زنجیروں کو توڑ کر زنجیر عشق میں قید ہوتا پس کرتا ہے۔

یہ سچ ایک پر تعلیمی دیوان کو لیا گیا ہے۔ مروجہ تفسیر ہے۔ "چین کے درمہ سودا راہ نے پیغم"۔ (۱۰) ترجمہ۔ حافظ کے دل کا خزانہ زلف و خال کو نہ دے گا کیونکہ کام ہر سیاہی کی طرف سے نہیں ہے۔

خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ لہر زلف و خال ہی کے حوالے میں اول ذکر کرے۔ کیونکہ یہ ایک حقیقی اور بے پناہ خزانہ ہے۔ سیاہ رنگ والے اس قابل نہیں کہ اتنے خزانے کو محفوظ رکھ سکے۔ مطلب یہ ہے کہ حافظ صرف خال و خط پر ہی دل ہارنے والا نہیں۔ بلکہ اس کو فریفتہ اور شیدا کرنے کے لئے اور اور اوصاف چاہئیں۔ دیکھو شعر (ت پت و ت پت)

نحل (۴۴)

۱	حال دل باتو گفتیم ہوس ست	۱	خبر دل شنفتیم ہوس ست
۲	طمع خام میں کہہ فاش	۲	از قہیہاں ہفتیم ہوس ست
۳	شب قدر چنیں عزیز و شریف	۳	باتو تار و زخم ہوس ست
۴	وہ کہ در دانیہ چنیں نازک	۴	دشمن ہفتیم ہوس ست
۵	اے صبا شبنم مدد فرمائی	۵	کہ گھر گھنٹیم ہوس ست
۶	از برائے شرف ہوک مرزہ	۶	نکالے نور ہوس ست

سچو حافظ بر غم مدعیان

(۴)

شعر زندانہ گفتیم ہوس ست

(۵)

(۱) ترجمہ - میری یہ خواہش ہے کہ دل کا حال سچے کہوں۔ خبر دل کہنے کی بھی ہوس ہے۔
یعنی یہ ہوس ہے کہ کوئی دیکھ کر نہ سمجھ سکے۔ یا یہ ہوس کہ میں تجھ پر اپنے دل کا تعلق چھپا کر اپنے کچھ نہوں
(۲) ترجمہ - میری خام خواہش کو دیکھ کہ قصہ فاش کو قہیہوں سے پوشیدہ رکھنے کی ہوس ہے۔
مطلب یہ ہے کہ میرا راز غرض افشاں ہو چکا ہے۔ اور دنیا کو اچھا ہے کہ میں اپنے معشوق کو دل
دے چکا ہوں۔ اور عشق میں آج بچکا ہوں۔ اب میری یہ امنیہ یہ وہ ہے کہ میرا راز قہیوں سے پوشیدہ ہو گیا
ع کہ عشق و مشک ران تو انہیں منت
(۳) ترجمہ - ایسی شہا اور شریف قدر کہ تیرے ساتھ صبح تک سو کر گزارنے کی خواہش ہے
شب قدر - تحقیق کے لئے دیکھو شعر (ب) (پ)
مطلب یہ ہے کہ میں شب بھی کو تیری وصال ہی میں گزار دوں اور اس واسطے تمہارا نام نہ لے کر چھپا کر
(۴) ترجمہ - واہ! ایسے نازک موقع کی روانہ کو۔ میں اندھیری رات میں پرونا چاہتا ہوں۔

یہ اور کچھ اشعار قلم بند ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ میں اس جہاں تیرہ و تار میں مشاہدہ کا لالہ نہیں۔ احمق ہوں۔ تعلقات جسمانی۔ اور قیود مکانی و زمانی میں روح جب تک قید ہے۔ مشاہدہ ناممکن ہے۔

نہ بزوج ترا تش پرو مرغ و ہم	نہ در زلف سعش رسد دست ہم
دریں ورطہ کشتی فرو شد نزار	کہ پیدانہ شد تختہ برکت ر
چہ شبہا نشستم دریں سیر گم	کہ و ہشت گفست استیم کہ قم
محیط است علم ملک بر بسیط	قیاس تو بر منے محمد و محسب

(۵) ترجمہ۔ اے صبا آج رات تو میری مدد کر کہ کچھ کھفت ہوئے گی خواہش ہے صبا کو متعلق پہلے ہی بار لکھا جا چکا ہے۔ باور پوری ہو چوں کہ کھفتہ کرتی ہے صبا کہلاتی ہے۔ عاشق صبا کو معشوق کا قاصد خیال کرتے ہیں گویا وہ زلف غبریں سے خوشنواقی ہے اور عاشق کو غنچہ دل کو ہر کھفتہ کرتی ہے خواجہ صاحب صبا سے در خواست کرتا ہے کہ معشوق کی خوشنواقی صبح میرے غنچہ دل کو کھفتہ کر۔

(۶) ترجمہ۔ حصول شرف کیلئے لوگ تیرے گال سے تیری راہ کی خاک جھاڑنے کی خواہش ہے۔

یعنی تیری راہ پر لوگوں سے خاک روئی کرنا میرے لئے باعث فخر و موجب سعادت ہے۔

(۷) ترجمہ۔ حافظ کی طرح دشمنوں کی نکتہ چینوں کے باوجود چمورندہ انداز میں شعر کہنے کی خواہش ہے برزخ۔ یعنی۔ علیٰ ابرہیم یا علیٰ ابرہیم (رغم)۔ خالک لودہ ہونا۔ خوار ہونا۔ الف۔ یعنی ناک (مجازاً) بر خلاف برکتس۔ کیونکہ کسی آدمی کے برخلاف رائے کوئی کام کرنا۔ گویا اسکی ناک کو خالک لودہ کرنا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ حاسدوں اور دشمنوں کو ذلیل کرنا کیلئے انکو برخلاف رائے اور انکی نکتہ چینوں کی پرواہ نہ کر کے۔ حافظ زندہ طرز میں شعر لکھتا ہے۔ خواجہ صاحب کو معلوم ہے کہ انکی زندانہ روش پر لوگ اعتراض کیونگی اسلئے کہتے ہیں کہ معترضین کی رائے کے خلاف میں اسی روش پر چلوں گا اور انکی خرد گریوں کی محجہ بالکل پرواہ نہیں۔

خواجہ صاحب نے یہ غزل زندانہ طرز میں کہی ہے۔ اور خصوصاً شعر نمبر (۳) اور (۴) جو قطعہ بند ہیں۔ وہ تو ظاہری معنوں میں قواعد تہذیب کے ہی خلاف ہیں۔

مروجہ نسخوں میں ترجمہ کی بجائے زعم لکھا ہے۔

عز (۴۵)

۱	صدت بالفراق، ماجت جہاں گرفت	۱	آئے باتفاق جہاں میاں گرفت
۲	افشائی راز خلونیاں جو است کو شمع	۲	شکر خدا کہ در شمع زباں گرفت
۳	میخو است گل دم زندار ناخوشی تو	۳	از خورشید صافش اندر دہاں گرفت
۴	چو لالہ کج نہادہ کتادہ طرب ز کبر	۴	سہر دلخ و دل بد چو لالہ گرفت
۵	آن روز عشق سناغری خشم نبوت	۵	کاش ز عکس طریقی تراں گرفت
۶	آسودہ بر کنار یو نگاہ می سندم	۶	دور از حق نقطہ عاشق در میان گرفت
۷	خواہم شد این یکجائی مغال استیغش	۷	زین فتنہ بجز این بخت نہاں گرفت
۸	بر بربطن خون شقایق نوشتہ اند	۸	کاغذ کس بختہ شدنی چو لالہ گرفت
۹	مے وہ کہ سہر کہ آخر کار جہاں بدید	۹	از غم سہر کہ آمد و طیل تراں گرفت
۱۰	مے وہ بجام جہم کہ صبح صبحیاں	۱۰	چو لالہ دشتہ تیغ زرافشاں گرفت
۱۱	فرصت بجز کہ رفتہ چو در عالم اوشتاد	۱۱	عارف بجام می نمود و انجم گرفت
۱۲	زین نش ہفتہ کہ در سیمین بست	۱۲	خوشی شدی شعلہ البست کہ بر آں گرفت

(۱۳)	حافظ چو آب لطافت ز نظم تو می چکد	(۱۳)	نخیرے چگونہ نکتہ تواند بر آں گرفت
------	----------------------------------	------	-----------------------------------

(۱) ترجمہ - تیر و حسن نے ملاحظہ فرما کر کہاں کو فتح کیا۔ ہاں اتفاق تو جہاں فتح کیا سکتا ہے۔
 ملاحت سے پہلے ہر چیز ممکن تھی۔ ملاحظہ فرمائیے۔ ساقی اور نکتہ تبیں متا سب اعضا موجود ہیں۔
 معادہ سے پہلے ہر چیز ممکن تھی۔ ملاحظہ فرمائیے۔ ساقی اور نکتہ تبیں متا سب اعضا موجود ہیں۔
 سے دنیا فتح ہو سکتی ہے۔ دلیل چھی ہے۔ مذہب کا می اور حسن کی کو چھی ہے۔

مطلب پہنچا۔ کہ گل نیری برابر کی کاغذ بنائی کر کے والا تھا۔ صبا کو غیرت محسوس ہوئی اور اس نے پہول کے سانس کو بند کر دیا۔ اور زخمی نہ کر کے دیا۔
ظاہر ہے کہ پہول کی خوشبو صرف نذرانیہ صبا منشیہ کو کہتی ہے۔ اور صبا جو گل کو اگر نہ پہول تانچا تو وہ پہول ہی میں بند رہیگی۔ پہول خوشبو دار ہونے میں مشوق کی برابر کی کاغذ بنائی ہرگز سی طرح کر سکتا تھا۔ کہ اپنی خوشبو کو حشامی منشیان تک پہنچائے (دوم زمرہ)
صبا۔ نے پہول کا لنگ۔ منامی پر اسکی خوشبو کو اسکا اندر ہی بند کر دیا (نفس اندر دہا گرفت)

(۱۵) ترجمہ۔ اس نوحہ عام جو کہ عشق سے میرا صحن چلایا۔ عنانِ ساقی کو چھوئے کٹکس و اس میں آگ لگی۔

مطلب یہ ہے کہ جس قدر ہمیں بے حیاں۔ میں شوق کے پیچھے کانٹوں کی پھانسیاں باندھیں گے۔
ہو گیا ہوں۔ یہ کچھ شعر الفیہ خراب آتھی رنگاں ہوئی ہے لہذا اس شعر کو اس وقت کہنا۔

۱) ترجمہ :- پیرکار کی طرح ہو کر رہیں کہ میں ہر لمحہ اس زمانہ کے نقطہ کی طرح آخر کار چھوڑ دیا میں بند کیا۔

پیرکار کے دو پاؤں ہوتے ہیں۔ ایک نقطہ مرکز پر قائم رہتا ہے اور دوسرا دائرہ کے محیط پر گردش کرتا ہے۔

خواجہ صاحب کہتے ہیں کہ میں پیرکار کی بیرونی شاخ کی طرح پہلے تو دائرہ کائنات سے باہر رہا پھر لگتا تھا۔ اور پیرکار ہونے کی وجہ سے اس دائرہ اور آسودہ تھا۔ گردش روزگار نے مجھے اندرونی شاخ کی طرح بند کر دیا۔ یعنی پہلے تعلقات دنیا سے آزاد تھا۔ اب ان میں گرفتار ہوں۔ یا ایک روز قیوم جہانی سے آزاد تھا اور روحانی زندگی بسر کرتا تھا۔ اب قفس عنقریب میں ہر طرح کی تکلیفیں بڑھانے لگا رہا ہوں۔

۲) ترجمہ :- میں کوئے مغال میں تین ہزار کھانچوں میں فتنوں سے جو زمانہ آخر کو دیکھتا ہوں استثنیٰ فشان استثنیٰ فشان استثنیٰ فشان۔ رقص کرنا۔ سماع کرنا۔ عطا کرنا۔ استثنیٰ فشان از حیزے۔ ترک کرنا۔ رو کرنا اس چیز کا۔

مطلب یہ کہ موجود زمانے میں فتنے اس قدر بڑھ گئے ہیں اور مذہب میں اس قدر ریاکاری اور بے اخلاصی ہو گئی ہے کہ میں موجودہ طریق کو سخت ناپسند کرتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ ان فتنوں کو ترک کر کے مشرب رندی اختیار کر لوں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبی آخر الزمان ہیں۔ اس لئے یہ کہہ سکتا ہے کہ موجودہ مسلمانوں کی طرز اور روش ان قابل نہیں ہیں اور نبی آخر الزمان کے پیرو اب جہالتیں نہیں ہیں کہ ان کو سچے مسلمان کہا جائے۔ اور ان کے ساتھ تعلقات قائم رہیں جہالتیں اس کی بہتر ہے۔ کہ رندوں کو جہالتیں مل چکاؤں۔ خواجہ صاحب اسی مضمون پر کہتے ہیں

۱) مسلمانوں میں استکبار کی زیادتی ہے۔
۲) مسلمانوں میں غیبت کی زیادتی ہے۔
۳) مسلمانوں میں کفر کی زیادتی ہے۔
۴) مسلمانوں میں شرک کی زیادتی ہے۔
۵) مسلمانوں میں فحش کی زیادتی ہے۔
۶) مسلمانوں میں کذب کی زیادتی ہے۔
۷) مسلمانوں میں عداوت کی زیادتی ہے۔
۸) مسلمانوں میں حسد کی زیادتی ہے۔
۹) مسلمانوں میں بخل کی زیادتی ہے۔
۱۰) مسلمانوں میں غرور کی زیادتی ہے۔

تسلی بخیر کمال ہے۔ اور جمع دونوں معنیوں سے متبادل ہوتا ہے۔ اس میں کمال و تعالیٰ کا
 نہایت سرخ رنگ کالا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ سوڈا شراب سرخ کی پختہ کاری حاصل نہیں ہوتی چنانچہ پیول کی پتی اس کی گواہ ہے۔
 کیونکہ پیول پورا شگفتہ ہوتا ہے۔ تو اس کا رنگ گل لالہ کی طرح نہایت سرخ ہو جاتا ہے۔ گویا شراب
 سرخ پی کر پختہ ہوتا ہے۔ عاشق حق کی پختہ کاری ایسے معرفت کے بغیر نہیں ہو سکتی۔

(۹) ترجمہ۔ شراب پی کیونکہ جس نے جہان کو آخر کار دیکھ لیا غم ہی دکھا ہوا۔ اور شراب کا پیمانہ پیا۔
 رطل۔ بکھرے بالغ۔ نصف سیر کا پیمانہ۔ پیالہ شراب جس میں نصف میز شراب کی گنجائش ہو
 سطلق پیالہ شراب۔ رطل گراں۔ پیمانہ بزرگ (برہان قاطع)

مطلب یہ ہے کہ جب دنیا کا انجام فنا ہے۔ تو اسکے انکار و آلام سے پریشان نہ ہو۔ اور اسکے حصول
 کیلئے مصیبتیں برداشت نہ کر شراب پی اور غم سے سبکدوش ہو جا۔ دیکھو شعر (الف ب الف ب الف ب الف ب)
 وغیرہ۔ شعر میں سبک اور گراں کی مقابلہ نے ایک لطافت پیدا کر دی۔

(۱۰) ترجمہ۔ جام جم سے شراب کو کہ صبح خواروں کی صبح نے۔ بادشاہ کی طرح تیغ زور
 افشاں سے دنیا فتح کر لی۔

جام جم۔ تحقیق کیلئے دیکھو شعر (الف ب)۔

مطلب یہ ہے کہ سورج نکل آیا شراب صبح (صبح کی شہسوار) سے۔ سورج کی کرنوں کو زور
 افشاں کی تشبیہ ہے۔ صبح کو بادشاہ کہا۔ اور سورج کو تیغ زور افشاں کی طرح بادشاہ ملکہ گیری کی
 خوشی میں شہسوار خوشی کرتا ہے۔ اسی طرح سورج نورانی قباب کی عالمگیری پر شہسوار بجاتا ہے۔ اور جام جم میں۔
 (۱۱) ترجمہ۔ دھوکہ کو نہیں بچا کہ جہاں فرستہ پیا ہوا۔ عارف نے ہرگز شغل کیا۔ اور غم کو نہ کچھ ہی کیا

مطلب وہی ہے۔ جو شعر (ج ٹم) میں ہے۔ عارف کو ہر وقت شغل نہ تھا۔

(۱۲) ترجمہ۔ وہ پوشیدہ اگر ہے میری میزبانی۔ نہ اس امر کا شغل ہے۔ جو آسمان کو جالگا۔

مطلب یہ ہے کہ میرے سینے میں رخنہ نہ ہے کہ سورج ہی اسے نواز کا تامل نہیں کر سکتا۔ میرے
 سینے کی آگ کا ایک شعلہ اٹھ کر آسمان کو جالگا۔ اور سورج کھلا یا۔

(۱۳) ترجمہ۔ اے حافظ میری ظہیرانی کھیلے الف ٹپا رہا ہے نیک طرح اس نے بکھرے جینی کر سکتا ہے۔

اگر بظن میرا کہ اضافہ میں جو تو معنی میں ہو گئے۔ اے حاضری تیری علم و اسرار کی پکارت ہو۔

غزل (۴۶)

۱	خیالِ روی تو در ہر طریق تہرہ ہواست	۱	سیم موی تو چونہ جہاں آگہ ہواست
۲	بہر کہ سببِ خندان او خیمہ گوید	۲	نہرا یوسف مصری فتادہ چہا ہواست
۳	برسم مدعیانی کہ منع عشق کنند	۳	جمالِ قہرہ تو حجتِ موجد ہواست
۴	اگر زلف دراز تو دوست مانرسد	۴	گناہ بخت پریشان دست کو تہ ہواست
۵	بہورت از نظر ما اگر صیغہ خوب است	۵	پیشہ نظر خاطر مسرفہ ہواست
۶	بجای در خلوت سرانے خاصِ گو	۶	فلان کو تہ نشینانِ خاکِ گہ ہواست

(۴) اگر جو سائلِ حافظِ درِ زندگیت
(۵) کہ سالہا است کہ مشتاقِ روی تو ہواست

(۱) ترجمہ۔ تیرے چہرہ کا خیال ہر طریق میں ہمارے ہمراہ تیری نفوس کی خوشبو ہماری ہفت کار جان کو بند
یعنی جو رستہ ہم اختیار کریں۔ اور جو شرب قبول کریں خیالِ خوب ہمارے ساتھ ہے۔ اور اس کی
زلفوں کی خوشبو ہمارے مشامِ جان کو ہر وقت محضر کرتی رہتی ہے۔

تہہ جا خانہ عشق است چہ مسجد چہ کنشت

(۲) ترجمہ۔ دیکھ کہ اسکا سید نے خندان کیا کہتا ہے۔ کہ نہرا یوسف مصری کا کچاہ گری ہو نہیں
شاعر کا مطلب یہ ہے۔ کہ نہرا ہا حسین میرے معشوق پر عاشق ہیں۔ یوسف، اور چاکا خان
کا واقعہ مشہور ہے۔ سید نے خندان اور چاہہ خندان کے لئے یہ کچھ شعر لکھے۔

(۳) ترجمہ۔ علی الرغم دشمنانِ عشق ہی منع کرتے ہیں ہمارے تیرا حال اور چہرہ وجہ ہے۔
برسم تحقیق کیا ہے دیکھو شعر (ت لیل) حجتِ موجد۔ وجہ معقول وجہ۔

مطلب یہ ہے کہ ہمارے پاس کافی وجوہ اور معقول اہل موجود ہیں مگر احسن خود ان امر کی گواہی دیتا ہے کہ ہم تجھ پر بلا وجہ عاشق نہیں ہوئے۔

مطلب یہ ہے کہ اگر تم تیرے مشاہدہ سے محروم ہیں تو اسکی وجہ یہ نہیں کہ ہم کو تیری وصال کا شوق نہیں۔ یہ ہماری بلوغت اور نارسائی کی وجہ سے ہے۔

زلف دراز اور دوست کو ناہ سے مقابلہ نے اور زلف پریشان اور رنجت پریشان بل رعایت نے شرکی لطافت کو دو بالا کر دیا ہے۔

اس شعر کے معنی شہزاد کے مطابق ہی ہو سکتے ہیں۔
(۵) ترجمہ۔ بظاہر صورت اگرچہ ہماری نظروں کو پوشیدہ ہے لیکن ہمیشہ ہمارے شکستہ دل کی آنکھوں میں موجود ہے۔

صرفہ۔ یا مرقہ الحال۔ خوش۔ آسودہ۔ شکستہ۔ مرقہ اس کو کہا کہ یہ کی صورت میں موجود ہے۔

حکیم بلکہ نواں نکلت کہ او	در کنار من و من بجو ر م
---------------------------	-------------------------

(۶) و (۷) یہ دونوں شعر یکجا پڑھنے چاہئیں۔ مروجہ ناول میں شعر (۵) اشعار ہما کو در بیان لکھا ہے۔ مگر اس صورت میں مطلب درست نہیں رہتا۔ چنانچہ شاعرین نے مقطع میں قریب کو مخاطب کیا ہے۔ حالانکہ مخاطب دربان ہے۔

ترجمہ۔ خلوت میں۔ خواص کے دربار۔ پروردہ دار کو کہو کہ فلاں شخص ہمارے دربار کی خاک کے گوشہ نشینوں میں ہے۔ اگر حاضرات سائل کی طرح دروازہ شکستہ اٹھ تو دروازہ کھول دے۔ کیونکہ وہ کئی سالوں سے ہمارے چاند جیسے چہرہ کا مشتاق ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اے دوست و پیارے کو کہ جسے کہ حافظ ہمارا عاشق ہے۔ اگر وہ دروازہ

فول (۱۷)

۱	دربار نه رنج نه سختی نه جانی از دل است	۱	چراغ شادان نه ناله نه غم نه غم است
۲	جریده رو که گذرگاه عافیت نکست	۲	پایه کمر عزیز بی بدل است
۳	نه بن زنی عملی در جهان تو لم و بس	۳	طالت عالم ز علم بی عمل است
۴	بیشتم عقل بدین ره جان پر آشوب	۴	جهان کار جهان بخت بی عمل است
۵	دل نه کفر از ان عمل وی تو دامنست	۵	ولایت ابره علم سر زمین بل است
۶	ز قسمت زاری چهره سیه بختان	۶	بخت شوقی نگرود بغلیز بل است
۷	بگر طره طاعت و قصه خوان	۷	که حد خوش تیر زهره در خصل است
۸	خلل پذیر بود و دهر بنا که بی بینی	۸	مگر نیای محبت که خالی از خلل است

(۴) چنیس کہ حافظ مامہ شہادت از است (۴)

(۱) شرح جلالی۔ اس کے نامہ پیشہ دو سب سے جو عمل و خالی ہے۔ غریب لکھ کی طرح اور غزل کی کتاب ہے۔

سفید - (۱) شعروں کی بیاض - (۲) کشتی -

مطلب یہ ہے کہ اس ماہ پر آشوب میں کوئی دوست قابل اتنا نہیں ہے۔ صرف تیراب اور کتاب
پی دوایہ وغیرہ رفیق ہیں جن کی صحبت و نصیحت کا خدشہ نہیں۔

سکون خاطر مضطرب است | رفیق کج تنهایی کتاب است

(۲) سرخچہ قتبہ چلن آدم کا رستہ نکلیں۔ جہاں سے کونہ گرامی۔ بے مہاجرین ہے۔
مطلب ہے کہ اگر دنیا پر آرام و رہتا منظور ہے تو نعمت عاقبت چھوڑنا اور رزاقہ کو بھرنے والا فریاد

دنیا میں رہتا تھا کہ اس سے بہتر حرف میں تمہارا دل چاہی ہو سکتا ہے۔ لیکن راہی انجامش نہیں
چونکہ عمر سی چیز ہے۔ کہ جس کا بدل نہیں مل سکتا۔ اور گذرنا وقت بھر نہیں ہاتھ آسکتا
اس لئے کوکوش کر۔ کہ زندگی خوشی ہو گذرے۔ اور تفکرات۔ نیچے پریشان خاطر نہ کر سکیں
اور شکر غم اقلیم ہستی پر یورش کرنے لگے۔ تو اس کا مقابلہ جام سے کر۔

(۳) ترجمہ۔ صرف میں ہی دنیا میں بے غلی سے غول نہیں ہوں عالموں کی ملامت
ہی علم بے عمل کی وجہ سے ہے۔

طلال۔ رنجیدہ۔ اوداس۔ ملامت۔ اوداسی۔ اوداس ہونا۔

خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ صرف میں ہی اعمال صالح کی کمی پریشان خاطر نہیں ہوں۔ بلکہ عالم
دین اور مجتہدین عصر ہی علم بے عمل پر نام میں شاعر کو یہاں اپنی بے غلی اور عالموں کی بے غلی میں
فرق جتنا منظور ہے۔ یعنی میں تو عالم نہیں۔ اس لئے اگر عمل نہ ہوئے۔ تو خیر لیکن قابل نفرت
ان لوگوں کی حالت ہے۔ جو عالم دین ہو کر بے عمل ہیں۔ اعود بالند من ظلم بلا عمل۔

(۴) ترجمہ۔ جہاں آشوب میں قتل کی جگہ ہو کہ جہاں اور جہاں کو کام نہ پاتا اور محل میں
مطلب یہ ہے۔ کہ غور نہ کیجئے معلوم ہو جاتا ہے۔ کہ دنیا ناپائدار اور دنیا کو کام قبول ہیں۔

جہاں آلودہ بندہ غلامی میں آلودہ ہے۔ جہاں آلودہ ہے۔ جہاں آلودہ ہے۔ جہاں آلودہ ہے۔

(۵) ترجمہ۔ سیریز کو تیرا چہرہ نہ کیجئے کہ بہت امید تھی۔ لیکن زبانت شاہراہ عمر پر امید کی راہزن ہو۔
یعنی امید وصال ہو۔ مگر زندگی کا بہرہ نہ نہیں گویا موت کا زمانہ امید کی قاطع الطریق ہے۔

نیز وعدہ پر شکر اچھا دیکھ کر رہے۔ ہمیں اپنی زندگی کا اگر اسباب ہونا۔

خافانی کا شعر ہے۔

کاشتم نجم الہ برق ہل پاکسا بوخت۔ آشتن تجھ چہ سوہست کہ برے نرسد۔

(۶) ترجمہ۔ تقدیر الہی کو سب سے بڑا چہرہ دہانے کو غیب میں ہوتا۔ اور یہ شمل ہے۔

خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ جہاں جہاں کی سیاحت ہو وہ کسی طرح خوش نصیب نہیں ہو سکتا
خواجہ کوکشی ہی کوکشی کریں۔ رخ کہ تو اس شستن از زندگی سیاہی

(۷) ترجمہ۔ کئی ہوش کی لطف کو کپڑا اور یہ قصہ نہ پڑھ کہ سحر و جھنم نہ اور حل کا اثر سے ہے۔

طرح (زلف سیاہ) جو سر پر ہے بمقابلہ حل جو ساتویں نشان پر ہے۔ اور طلعت (چہرہ روشن) بمقابلہ جو سفید رنگ سارے۔ طریق تشبیہ استعمال ہوئی ہیں ”قصہ خوان“ کو دو سر مصرع و متعلق نہ کیا جاتا اور دوسرے مصرع و لفظ کے مراد کو دیکھ لی جاوے۔ تو مطلب برعکس ہو سکتا ہے۔

از ترتیب آنگاه به فرستادن جوشن به آنگاه (۱۹۱) حواشی از انتشار بخوبی فسران بنی

مطلب یہ کہ عوالم حقیقہ کی باقی سب باتیں دنیا اور مافیہا کا انجام فنا ہے۔ البتہ
ہرگز نہیں روئے و شش زندہ شد عشق

۹ ترجمہ کیجئے کہ میں بھی لوگوں کو ہشیار نہیں پائیگی کہ ہمارا جہاد قابلِ فخر و اکرام ہے
عاطفہ روزِ ميثاق کو بارہ محبت کا سرشار ہے۔ یہ وہ شے نہیں جس میں ترشی اُتار دے
یہ شعر (ات پات ۴)

فصل (۲۸)

۱	گفت با نشین کز تو سلامت برخواست	۱	دل و دینم شد و دلبه سلامت برخواست
۲	که نه در آخر محبت بد است برخواست	۲	که شنیدی که درین بزم منی خوش است
۳	پیش عشاق تو شبها غم است برخواست	۳	شمع گزوان لبه ایس بنیان لانی زد
۴	بهواداری آن عارض و قامت برخواست	۴	در حجره بادیهاری ز کشتار گل و ستر

میں فتار تو پاؤں گرفتار مجھ سے
میں سرسبز کیش کہ بنیادی قیامت پر خاست

صفا شہناز این ترانہ ہمارے گھر چلا کر ہے

کاش از خرمین سالوس و کرامت پر خاست

میرزا جگر میرزا دل دین گیا اور میرزا جگر میرزا دل دین گیا کہ میرزا جگر میرزا دل دین گیا
چلی گئی۔

مطلب یہ ہے۔ کہ ہم نے دل دین اور جان و ایمان اسکے شفق میں مار دیے اسی دیکھو کہ اب ہمیں
اس لڑ اپنے پاس ہی نہیں بیٹھنے دیتا۔ کہ ہمارے پاس سلامت یعنی دل دین نہیں ہے۔ یہ عشق
کی ستم ظریفی ہے۔ غارت گروں ہو کر سیدل پر شکوہ!

میری ترسب پر وہ شورخ آیا تو نہیں یوں کہ
تم وفاداروں میں یا میں فاداروں میں

یعنی بے وفائی کی۔ مگر کیا۔ خوب!

(۲) ترجمہ۔ تو نے سنا ہے کہ کوئی آدمی اس بزم میں تہوڑی دیر آرام سی بیٹھا ہو اور آخر کار اس
صہبت سے ندامت سے نہ اٹھا ہو؟

مطلب یہ ہے۔ کہ اس بزم (بزم دنیا یا بزم یار) میں جو آدمی تہوڑی دیر کیلئے خوشی سی بیٹھا آخر کار نادم
ہو کر اٹھا۔

ایر مردہ گلے بر سر شاخ دیدم

اگفتا کہ درس باغ سے خد دیدم

دیر و پئے گلاب مے گردیدم

اگفتا تو چہ کردی کہ تر اے سوزند

ترجمہ۔ دیر و پئے گلاب مے گردیدم۔ اگفتا تو چہ کردی کہ تر اے سوزند۔
سائے کئی را تیں پشیمان ہو کر لڑی۔

زبان لہجہ۔ و بزم۔ ہر دو گچ۔ زبان شمع مشہور۔ زبانہ شعلہ آتش۔

خوار مت۔ تاوان زدہ ہونا۔ پشیمان ہونا۔ عذاب۔

مطلب یہ ہے۔ کہ اگر شمع نے اپنے روشن رخسار اور لب خندان پر ناز کیا۔ تو اس کی

پر فرقہ جو بنیاد ایک پر ہے جو اس پر حجب قرین سے تیسرا کر لیا ہے۔
اور جس کے بدن پر فرقہ ہوگا۔ وہ بھی حجب لیا۔ قاعدہ ہے کہ جس کی طرف کو آگ لگا جائے اس
کو فوراً جسم سے اتار کر پھینک دیجیے۔



کتبہ خاکسار عبد اللہ خام رقم
نواں شہر۔ ایبٹ آباد
ہزارہ

